میر محمد حسین عطا خان تحسین

نوطرزِ مُرصّع

ترتیب و تہذیب

پروفیسر ارتضیٰ کریم
شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

نوطرزِ مرصّع

میر محمد حسین عطا خاں تحسینؔ

ترتیب و تہذیب

ارتضیٰ کریم

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی

تقسیم کار

موڈرن پبلشنگ ہاؤس، 9-A ، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی

کتاب	:	نوطرزِ مرصع (عطا حسین خاں تحسین)
ترتیب وتہذیب	:	ارتضیٰ کریم
ناشر	:	ارتضیٰ کریم
اشاعت (دوم)	:	2015
تعداد	:	500
قیمت	:	350روپے
مطبع	:	ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

NAU TARZE-E-MURASSA: ATA HUSAIN KHAN TAHSEEN
Edited by **Prof. IRTEZA KARIM**
Department of Urdu,
University of Delhi
Delhi-110007
Email. karim.irteza@gmail.com

Rs. 350/-
Year 2015 (2nd Edition)
ISBN.978-81-8042-303-1

تقسیم کار

موڈرن پبلشنگ ہاؤس، 9۔اے گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی۔2

MODERN PUBLISHING HOUSE
9-A, Gola Market, Darya Ganj, New Delhi-110002

خادمِ اردو
جناب سنجیو صراف صاحب
کے لیے
خلوص کے ساتھ!
19/9/15

ملک کے نامور سائنس داں

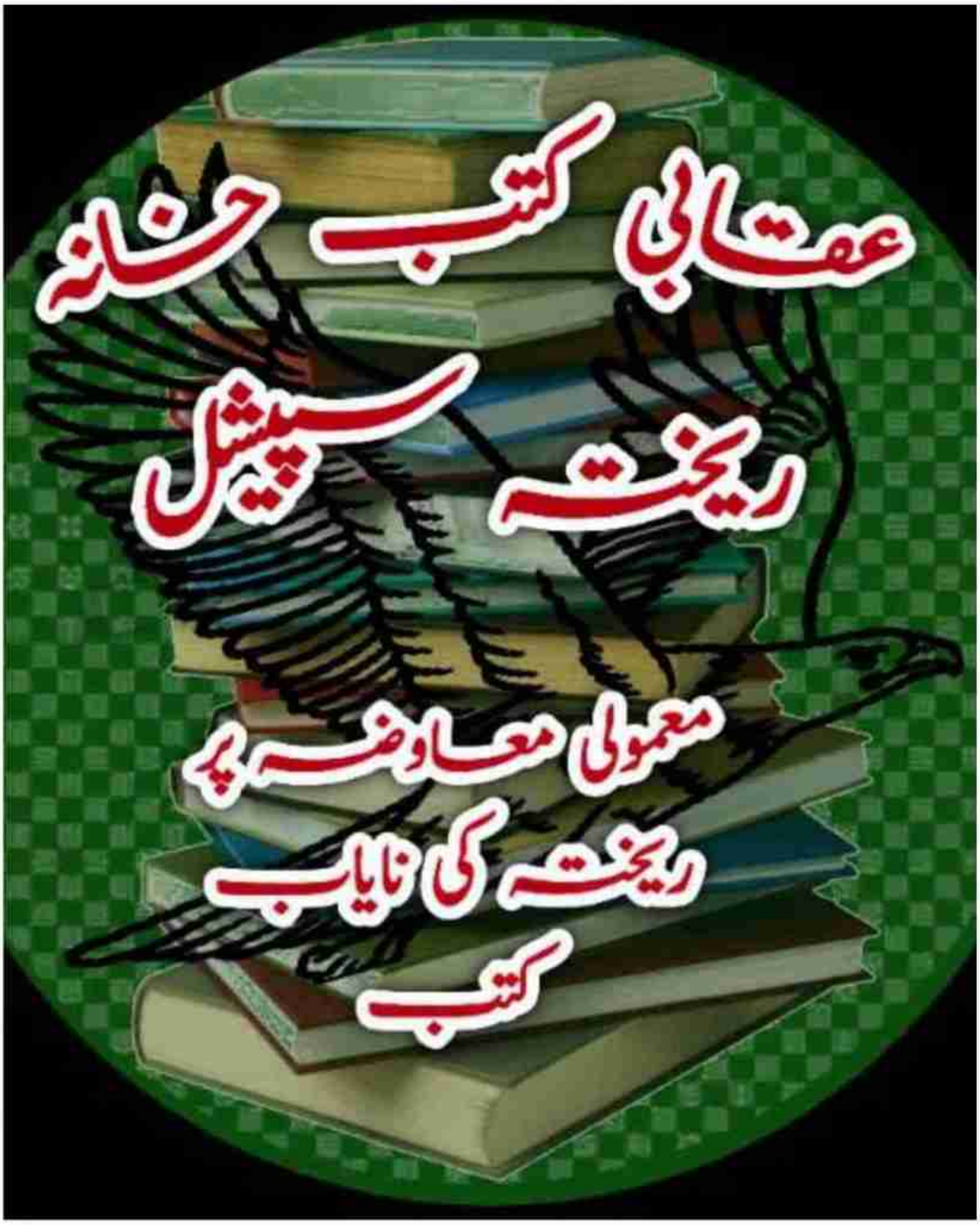
اور فخرِ قوم

پروفیسر سید احتشام حسنین

کے نام

جن کی رگوں میں اردو کا خون دوڑتا ہے!

ترتیب



یہ جہل دیکھ کے بن دیکھے میں اٹھا لایا
وہ ایک بار جو تھا بیش اپنی طاقت سے
میر تقی میر

اعتذار

نوطرز مرصع، شمالی ہند کی قدیم نثری داستان ہے۔ یہ اپنی تکمیل کو ۱۷۷۵ء میں پہنچتی ہے۔ لیکن اسے پہلی بار سید نور الحسن ہاشمی نے ۱۹۵۸ء میں نہایت تحقیق وتلاش اور متعدد نسخوں کی مدد سے مرتب کر کے پیش کیا اور ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد سے شائع ہوئی۔ نور الحسن ہاشمی نے اپنے مقدمہ کا آغاز اس جملے سے کیا ہے:

> ''نوطرز مرصع شمالی ہند میں اردو نثر کی سب سے پہلی کتاب ہے اس سے پہلے کی ہمیں اب تک کوئی مکمل کتاب شمالی ہند میں نہیں مل سکی ہے''

پھر نوطرز مرصع کی اہمیت کے باب میں آگے لکھتے ہیں:

> ''تحسین کی نوطرز مرصع کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اردو کی یہ سب سے پہلی مکمل تصنیف ہے جو شمالی ہند میں ہم کو ملتی ہے، اس سے پہلے فضلی کی کربل کتھا کا نام ملتا

ہے،لیکن اس کتاب کا اب کہیں نشان بھی نہیں ہے۔۔۔''

نورالحسن ہاشمی کے یہ بیانات، (واضح رہے کہ یہ مقدمہ ۱۹۵۸ء میں لکھا گیا تھا) اس زمانے کی تحقیق کے مطابق مبنی بر دستیاب حقائق تھے۔ کہا یہی جاتا ہے کہ تحقیق کی راہیں ہمیشہ وا رہتی ہیں، سو آج کی دریافت کل رد ہو سکتی ہے یا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نوطرز مرصع کے ساتھ بھی یہی ہوا اور اس کی جگہ کربل کتھا نے لے لی، جب پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے ۱۹۶۱ء میں 'شعبۂ اردو' دہلی یونی ورسٹی سے فضل علی فضلی کی نثری تصنیف کربل کتھا شائع کر دی، جس کا زمانہ تصنیف ۳۳-۱۷۳۲ ہے، تو اس کے بعد کربل کتھا کو شمالی ہند کی پہلی نثری تصنیف تسلیم کر لیا گیا، اگرچہ کربل کتھا بھی باضابطہ تصنیف نہیں بلکہ ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب ''روضۃ الشہدا'' کا ترجمہ ہے لیکن چونکہ یہ زبان اردو ہے اور اس سے پہلے کی کوئی نثری تصنیف ہمیں تادم تحریر دستیاب نہیں ہوئی ہے، اس لیے ہم اسے ہی شمالی ہند کی پہلی نثری تصنیف مانیں گے۔ شمالی ہند میں اٹھارویں صدی کی کئی داستانیں سامنے آ چکی ہیں۔ مثلاً قصہ مہر افروز و دلبر از عیسوی خاں (۵۹-۱۷۳۲)، قصہ ملک محمد و گیتی افروز از مہر چند کھتری (۱۷۳۸)، عجائب القصص از شاہ عالم ثانی (۹۳-۱۷۹۲)، جذب عشق از شاہ حسین حقیقت (۹۷-۱۷۹۶)، وغیرہ۔ انہیں داستانوں میں ایک داستان ''نوطرز مرصع'' بھی ہے۔

نوطرز مرصع کے متعلق نورالحسن ہاشمی نے ہی یہ لکھا ہے کہ:

> ''۔۔۔مختصراً نوطرز مرصع کی تاریخ تصنیف کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۷۶۸ء سے شروع ہو کر ۱۷۷۵ء میں تمام ہوئی اور دو ایک سال بعد کچھ عبارتیں اور مدحیہ قصیدے میں شجاع الدولہ کے بجائے آصف الدولہ کا نام لکھ کر ان کے حضور میں پیش کر دی گئی ہو گی۔۔۔''

نوطرز مرصع کے وجود کی پہلی اطلاع اگرچہ وہ آدھی ادھوری ہی تھی، مگر سب سے پہلے

محمد حسین آزاد کی آب حیات سے ہی ہمیں ملتی ہے۔ بعد ازاں کئی تذکرہ نگاروں اور تاریخ ادب کے مؤرخین نے اس کا ذکر تو کیا، مگر کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکے۔

ڈاکٹر سید نورالحسن ہاشمی نے نئی تحقیقات اور ڈاکٹر سید سجاد کے تحقیقی مقالے جس کا موضوع ''نوطرز مرصع'' ہی تھا، کی بنیاد پر اس داستان پر عرق ریزی کے ساتھ کام کیا اور اسے تفصیلی مقدمہ کے ساتھ مدوّن اور مرتب کیا۔ پیش نظر کتاب اسی کی اشاعتِ نو کہی جاسکتی ہے مگر کچھ اضافوں کے ساتھ۔

تاریخ ادب میں نوطرز مرصع کے چھ قلمی اور دو مطبوعہ نسخوں کا ذکر ملتا ہے جن کا تفصیلی ذکر نورالحسن ہاشمی نے بھی اپنے دیباچہ میں کیا ہے۔ ان میں سے تین قلمی نسخے سید مسعود حسن رضوی ادیب کے کتب خانے میں تھے اور ایک مطبوعہ نسخہ بھی ان کی تحویل میں تھا۔ ایک مطبوعہ نسخہ ۱۸۴۶ء کا ہے مگر ناقص نسخہ کی بنیاد پر ہے۔ سید نورالحسن ہاشمی نے نوطرز مرصع کی تدوین کے لیے سید مسعود رضوی ادیب کے کتب خانے سے موصول اس نسخہ اول کو کیوں بنیاد بنایا ہے، اس کی وجہ ان کے ہی الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

> ''میں نے اس امر کی بہت کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ نسخے مہیا ہو جائیں یا کوئی مستند اور بہت صحیح نسخہ مل سکے لیکن مندرجہ بالا نسخوں کے علاوہ (ان کی تفصیلات اصل کتاب میں شامل دیباچہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں) اور کوئی نہ مل سکا۔ ان نسخوں میں خامیاں بہت ہیں، ان نسخوں کے مقابلے سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ بعض کاتبوں نے یا دیگر حضرات نے عبارت آرائی میں کہیں کہیں کچھ ترمیم یا اضافہ کر دیا ہے چونکہ نسخہ (1) قدیم ترین مکمل نسخہ ہے اس لیے میں نے متن کا انحصار زیادہ تر اسی پر رکھا ہے۔۔۔''

اس نسخہ نمبر ایک کی تفصیل انھوں نے اس طرح درج کی ہے:

''قلمی: از کتب خانہ مسعود حسن رضوی صاحب۔ یہ دو کاتبوں کا لکھا ہے۔ ابتدا سے

پہلے درویش کی داستان تک کرپارام نے لکھا ہے۔ خاتمے پر یہ عبارت درج ہے:

''تمام شد بتاریخ بست و چہارم ماہ فروری ۱۸۱۲ء
مطابق بست و ہفتم ۱۲۲۰ فصلی درمقام بانس بریلی بہ کٹرہ
دیپ چند از قلم شکستہ رقم نیاز ارتسام کرپارام صورت
اتمام یافت''۔

خط شکستہ ہے اور بہت پختہ، صاف اور روشن ہے۔ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے نظرِ ثانی نہیں کی، کیوں کہ بعض مقامات پر الفاظ یا ایک دو جملے چھوٹے ہوئے ہیں۔
بقیہ درویشوں کی کہانیاں پنڈت صاحب رائے، ساکن بریلی خاص کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں۔ تاریخ کتابت یہ ہے:

''بتاریخ بست و یکم شہر ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ مقدسہ روز شنبہ
صورت اتمام یافت''

خط شفیعا ہے لیکن پہلے کاتب سے بہتر اور روشن ہے، اس حصے میں بھی جگہ جگہ الفاظ چھوٹ گئے ہیں۔ بعض اشعار بھی ناموزوں ہیں۔ یہ احساس ہوتا ہے کہ کاتب محض کاتب ہے، آخر میں یہ عبارت درج ہے:

''کتاب قصہ چہاردرویش تصنیف زبدۂ سادات
کرام میر محمد حسین عطا خاں صاحب تخلص بہ تحسین ومخاطب بہ
مرصع قلم غفراللہ مرقدہٗ''

اس تفصیل کی ضرورت اس لیے ہے کہ زیر نظر کتاب کو پڑھتے وقت ہمارے سامنے یہ نکات واضح رہنے چاہئیں۔ میں نے اس میں فرہنگ کا اضافہ کر دیا ہے، نیز عربی اور فارسی عبارت کے ترجمے دے دیے ہیں، اسی کے ساتھ نوطرزِ مرصع میں استعمال ہونے والے محاورات اور روزمروں کی ایک فہرست بھی شامل کر دی ہے۔ نورالحسن ہاشمی کے مرتب کردہ متن میں بعض جگہ املا کی غلطیاں در آئی ہیں جن کو درست کر دیا گیا ہے مثلاً اقمشہ کو

اقشمہ، سقنقور کو سقنفور حارص کو حارث، تتق کو تق وغیرہ لکھا گیا ہے۔اس فرہنگ میں صرف وہی معنی لکھے گئے ہیں جن معنوں میں وہ متن میں آئے ہیں، مثال کے طور پر اردو لغت (تاریخی اصول پر) کراچی میں اسپک کے درج ذیل معانی ہیں: اسپک: ۱۔ بڑا خیمہ، ڈیرا، خرگاہ: فراش سپہر کے نے اسپک نیلگوں شب کو بیچ عرصۂ شام کے استادہ کیا۔ ۲۔ چھوٹا گھوڑا؛ ساز موسیقی کا گھوڑا۔ (پلیٹس) نوطرز مرصع میں اسپک یعنی بڑا خیمہ استعمال ہوا ہے۔اس لیے صرف یہی معنی درج کیے گئے ہیں۔

مجھے اس کتاب کے مطالعے کے دوران یہ بھی احساس ہوا کہ تحسینؔ نے ہندی کبت کے ساتھ ہندی الفاظ کا بھی خوب استعمال کیا ہے۔یہ مثالیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

(i) ''مجھے تو ہنسی اس بات پر آتی ہے کہ ایک کلاونت اس وقت بدھاوا گانے آیا تھا۔۔۔

(ص:126)

(ii) اس ہرن نے جو مَن ہَرا میرا
دل کے رَمنے کا یہ شکاری ہے (ص:179)

(iii) رورو پتیاں میں لکھی، جی کا گد لپٹائے
ہے کاسد ایسا کوئی پیتم کو لے جائے (ص:189)

یہ لفظ ''کاسد'' کے بجائے ''قاصد'' ہونا چاہیے۔

(iv) ۔۔۔اور ہر ایک سے پوچھا کچھ نشان نہ پایا بلکہ سوگند عظیم درمیان لائے۔''

(ص:293)

اس عبارت میں ہندی لفظ ''سوگند'' بھی غور طلب ہے۔بعض الفاظ کا استعمال چونکاتا بھی ہے۔مثلاً یہ عبارت دیکھیے:

''۔۔۔مجھ کو اپنے اوپر گاڑھا جان کر بہ سلوک
وآدمیت پیش آیا''۔

اودھی لب ولہجہ اور اس کے استعمال کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے کہ نوطرز مرصع کا مصنف

فیض آباد سے متعلق ہے اسی لیے اس میں فیض آباد کی عمارتوں مثلاً ترپولیہ وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے، چند مثالیں اودھی لب ولہجہ کے حوالے سے بھی حاضر ہیں:

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو، جب دانت دیے، کا انّ نہ دیہے
جو جل میں تھل میں پنچھی پُش کی سُدھ لیت، سو تیری ہولیہے
کاہے کو سوچ کرے من مؤرکھ، سوچ کرے کچھ ہاتھ نہ ایّہے
جان کو دیت، آجان کو دیت، جہان کو دیت، سو توہُو کو دیہے

(ص:53)

عربی اور فارسی تراکیب کی تو بھرمار ہے جس کی شکایت بھی تحسین سے نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ وہ نوطرزِ مرصع ہی لکھنا چاہتے تھے نیز ان کے سامنے اردو نثر کا کوئی نمونہ بھی موجود نہیں تھا اور نہ وہ خود کو اس ایجاد تازہ کا موجد کیوں کہتے، انہیں کے الفاظ ہیں:

"مضمون اس داستان بہارستان کے تئیں بھی بیچ عبارت رنگیں زبان ہندی کے لکھا چاہیے کیونکہ آگے سلف میں کوئی شخص موجد اس ایجاد تازہ کا نہیں ہوا اور یہ کہ جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردوئے معلّٰی کا رکھتا ہو، مطالعہ اِس گلدستہ بہاریں کے سے ہوش وشعور فحوائے کلام کا حاصل کرے کہ واسطے علم مجلس کے لسانی زبان ہندوستان کی بیچ حق آدمی بیرون جات کے خراد کندۂ ناتراش کے تئیں ہے"

(ص:4)

جمع الجمع کا استعمال بھی خوب ملتا ہے۔ جیسے:

توجہات بے غایات، برآرندۂ حاجات بستہ کاراں، بخشندۂ مرادات امیدواراں، امورات، مستحقطان، محارسان، نظارات، اکابران، کارپردازان، غلاماں غلمان، سجدات، نہایات، رنجوران، بیماران، عذاران وغیرہ وغیرہ۔

بعض الفاظ کی املا کی بھی کئی صورتیں ملتی ہیں ۔مثلاً : خورجین، خرجین، خرچین۔ نیں، نئیں، نہیں۔ زنہار، ز۔نہار۔ مہمان، میہمان۔ دعوا، دعوئی۔ خرسند، خورسند۔ یے، یہ۔ تیں، تئیں۔ کسو، کسی۔ اُس، اُوس۔ ان، اون۔ اُوپر، اُپر۔ واں، وہاں۔ ایک لفظ سے کے لئے مختلف الفاظ آئے ہیں: سے، سیتی، ستی، سی، سوں وغیرہ

بعض جملوں کی ساخت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے جیسے یہ جملے ملاحظہ ہوں:

جب نگاہ اُس جادو نگاہ کی ساتھ نگاہ میری کے ہم نگاہ ہوئی،

میرے تئیں جو آرام خاطر اس آرام خاطر کا اپنے آرام و خاطر پر مُقدّم تھا،

اس نوع کے کئی جملے یہاں نقل کیے جا سکتے ہیں۔ نوطرز مرصع میں تحسین نے بعض الفاظ کا استعمال مختلف معنوں میں کیا ہے مثلاً لفظ 'بیچ' کا استعمال درج ذیل جملوں میں مختلف معنی دیتا ہے:

(۱) جب طائرِ زرّیں بال آفتاب کے نے رُخ 'بیچ' آشیانۂ مغرب کے کیا اور بیضۂ سیمیں ماہتاب کا بطن مرغِ مشکیں شب تار کے سے نمودار ہوا۔

بیچ بہ معنی طرف

(۲) ۔۔۔لاچار بیچ پناہ دیوار کے استقامت کر کے مزاج کے تئیں واسطے شغل بیداری و شب گزاری کے۔۔۔

بیچ بہ معنی پاس

(۳) اس کے سے داغ رشک کا بیچ سینے کے رکھا تھا۔۔۔

بیچ بہ معنی اندر

لیکن میں تو صرف اشاروں میں بات کر رہا ہوں ۔ایک لفظ شہپال / شہبال کی وضاحت بھی ضروری ہے اس سلسلے میں رشید حسن خان نے لکھا ہے:

''فسانۂ عجائب میں جس جادوگر کا ذکر ہے وہ شہپال ہے۔ جادوگروں کے ناموں پر نظر رکھی جائے تو ''شہپال'' مرجّح

نظر آئے گا۔ایک تاویل یہ کی جاسکتی ہے کہ باغ و بہار میں
جس بادشاہ کا ذکر ہے وہ جادوگر نہیں، بلکہ جنوں کا بادشاہ
ہے اس لیے میر امن نے شہبال (شہ۔بال) لکھا ہے اور
معنوی مناسبت اسی نام میں ہے بال کے کئی معنی ہیں منجملہ
ان کے پرند کے بازو کا پچھلا جوڑ جس کے زور سے پرواز
کرتا ہے" (باغ و بہار،ص:۵۲۶)

کئی الفاظ اور بھی توجہ طلب ہیں مثلاً 'چکھ' کی بجائے 'چھک'۔متن میں 'چکھ' ہی مناسب معلوم ہوتا ہے ممکن ہے شعری ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا ہو۔مترادفات کے استعمال میں بھی تحسینؔ نے کمال دکھایا ہے۔یہ عبارت دیکھیے:

"یعنی نواب مستطاب معلٰی القاب، گردوں رکاب،
شعاعِ شمس الضحیٰ آسمانِ جلال حیدری، جلائے بدر الدجیٰ،
سپہرِ اقبال صفدری، فرازندۂ لوائے وزارت و عالی مقداری،
طرازندۂ بساطِ امارت و نامداری، لعلِ شب چراغ افسرِ
حشمت و اجلال، دُرّۃ التاجِ تارکِ ثروت و اقبال، فیروزۂ
تاج سلطانِ ملکِ دولت و کامرانی، یاقوتِ اکلیلِ خاقان
ولایتِ شوکت و حکم رانی، اخترِ بُرجِ شجاعت و فتوت، گوہرِ
دُرجِ سخاوت و مروت، رکن السلطنت القاہرہ، عُضُد الدّولہ
الباہرہ، صاحب السیف والقلم، رافع الجاہ والعَلَم، وزیر اعظم،
صاحب تدبیر، مدبر معظم، روشن ضمیر، دستگیر درماندگاں، چارہ
سازِ بیچارگاں، افتخار ممالک ہندوستاں، خداوندِ نعمت،
قدرداں، حلیم الوضع، سلیم الطبع، عامل، عادل، فیاض، جواد،
مومن، محسن، وجیہ، جمیل، خیّر، مدبّر، عالم، عابد، زاہد، مصلّی،

متقی، صالح، مُصلح، امیر، کبیر، شجاع، منصور، غازی، مظفر،
وزیر الملک، عمدۃ الملک، مدارالمہام، آصف جاہ، شجاع
الملک، اعتماد الدولہ، برہان الملک، نواب شجاع الدولہ
ابوالمنصور خان بہادر، صفدر جنگ ادام اللہ افضالہٗ واجلالہٗ کہ
کار پردازانِ ملاء اعلیٰ میں فدوی قسمت تیری کے تئیں روزِ
ازل سے بیچ زمرۂ نمک چشانی خوانِ مائدۂ فضل و کرم اُس کے
کی مستفیض کیا ہے (ص:6/7)

کھانے کا بیان کتنا مرصع ہوسکتا ہے، اس کی مثال کے لیے یہ عبارت کافی ہے:

''اس عزیز نے کمال تکلف سے سامان ضیافت کا مہیا
کر کے سفرہ دعوت کا آراستہ کیا اور انواع طعام ہائے لذیذ و
خوشگوار و اقسام شیرینی ہائے حلاوت بخش و چاشنی دار و
اصناف شربت ہائے گلاب و بید مشک و گوناگوں میوہ ہائے
تر و خشک وغیرہ ولوازمہ اکل وشُرب از قسم نان یزدی و نان
ورقی و نان تنکی و نان پنیری و نان خمیری و نان باقر خانی وگاؤ
زبان وگاؤدیدہ آبی وروغنی وخطائی وشیر مال و نان گُلدار، قلیہ
دو پیازہ، نرگسی و شیرازی و زعفرانی و بادامی، کباب، قلیہ،
کوفتہ، خاگینہ، ملغوبہ، پن بھتہ، بورانی، بریانی نور محلی و
خراسانی، رومی، تبریزی، و شب دیگ، دم پخت، خشکہ و
مزعفر وشولا و تنجن پلاؤ وقورمہ پلاؤ ویخنی پلاؤ وحبشی پلاؤ و بیگمی،
چاشنی، عنبری، کاشانی و ماہی کباب و مرغ کباب و سیخ
کباب و بیضہ کباب وحلیم وحریسہ وسموسہ وقبولی وطاہری و
کھچڑی وفرنی وملائی وحلوا وفالودہ ونمش، قندی با مشک نافہ، و
ساقِ عروس ولوزیات، اچار، مربے، ناشپاتی، بہی، انگور،

انجیر، سیب، انار، کشمش، بادام، چھوہارے، پستے وغیرہ
اغذیہ واشربا قسم قسم کے کہ جن کی چاشنی کی حلاوت اور ذائقہ
سے ارواح فرشتوں کی بھی تر و تازہ ہو جاوے انسان کا تو کیا ذکر
ہے، نہایت سلیقہ و کاردانی سے بیچ ظروف مرصّع کاری و مینا
سازی وطلائی ونقرئی وغوری وفغفوری وچینی وخطائی وحلبی وبلوری
کے لاکر چُنے۔ (ص:130/131)

نوطرزِ مرصّع میں میر محمد حسین خاں تحسین نے قدیم شعرا کے اشعار جا بجا نقل کیے ہیں لیکن مرزا سودا اور حسرت کے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔ تحسین نے بعض اشعار میں ترمیم، تحریف اور تبدیلی بھی کر دی ہے۔ مثلاً سودا کے قصیدے ''در مدح نواب عماد الملک بہادر'' کے اشعار موقع بہ موقع متن میں مختلف مقامات پر استعمال کیے گئے ہیں لیکن اس میں اور رشید حسن خاں کے مرتب کردہ 'انتخاب سودا' کے متن میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔

اردو نثر کی جدید اور ترقی یافتہ صورت کے سامنے نوطرزِ مرصّع کا اسلوب ہمیں نامانوس نظر آ سکتا ہے۔ مگر اردو نثر کے ارتقا کے پس منظر میں اس کا اسلوب اور بیان لسانی اور تہذیبی اعتبار سے نہ صرف غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے بلکہ ''باغ و بہار'' جیسی سلیس نثر کے لیے بنیاد بھی فراہم کرتا ہے، اس لیے اردو کی ادبی اور لسانی تاریخ میں اور اردو نثر کے ارتقائی سفر کی تفہیم میں اس کی اہمیت ہمیشہ باقی رہے گی۔

میں نے حتی المقدور طلباء کی ضرورت اور سہولت کے پیش نظر اس کتاب کو از سرِ نو مرتب اور مدوّن کرنے کی کوشش کی ہے۔ راقم نے اساتذہ اور طلبا کی سہولت اور استفادے کی خاطر نورالحسن ہاشمی کا مقدمہ، نیز گیان چند جین اور جمیل جالبی جیسے محققین کے مضامین بھی شامل کتاب کر دیے ہیں۔ ان کے علاوہ فرہنگ وغیرہ کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ فرہنگ کے حوالے سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ کسی لفظ کے معنی معلوم کرنے کے لیے متن میں دیے گئے لفظ کے اوپر درج شدہ نمبر سے دی جا سکتی ہے۔ البتہ عربی اور فارسی کے مفاہیم تک پہنچنے کے لیے ''صفحہ نمبر'' سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مضمون واحد کے باعث ان مضامین میں تکرار کی صورت ہوسکتی ہے مگر ایک رنگ کو سو رنگ میں باندھنے کی کوشش کا ہی نام تو ادب ہے۔ کم از کم ہم اس حوالے سے اپنے اسلاف کی تحریروں کو نئی نسل تک پہنچا سکیں گے۔ شاید یہ بھی ایک نوع کی خراج عقیدت ہو۔ امید ہے مجھے کامیابی ملے گی۔

مجھ پر کچھ شکریے بھی قرض، فرض اور واجب ہیں ان میں اپنے طالب علموں محمد یوسف، آیات اللہ آیت، سعد مشتاق کا شکریہ جنہوں نے کتاب کی تیاری میں مدد فرمائی۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں میرے کئی احباب نے میری مدد فرمائی، سب کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ میں یوں بھی ذاتی طور پر 'حساب دوستاں در دل' کا قائل ہوں نیز یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ محض اظہار تشکر سے میں ان کی معاونت کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

میرا ارادہ تھا کہ میں متن میں الفاظ پر اعراب کا پورا اہتمام کروں لیکن کمپیوٹر کمپوزنگ کی اپنی کچھ دشواریاں ہیں، اس لیے مجھے اس میں پوری کامیابی نہیں مل سکی۔ کلاسیکی شعروادب پر کام کرنا ایک مشکل امر ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ نوطرز مرصع کو اپنی بساط بھر بہتر طریقے سے مرتب کرسکوں تاکہ یہ کتاب جو برسوں پہلے بازار میں کمیاب ہوگئی ہے طالب علموں کے مطالعے میں آئے اور وہ براہ راست متن کا مطالعہ کرسکیں۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ کوشش رایگاں نہیں جائے گی۔

ارتضی کریم

شعبۂ اردو
دہلی یونی ورسٹی

نوطرزِ مُرَصَّع

بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

دیباچہ ثنائے خداوند ذوالجلال
ایسا نہیں کہ لکھ سکے اُس کا کوئی کمال
مُنشی کے ہو رہا ہے قلم کا جگر شگاف
شاعر کی اُس کی حمد میں ہووے زبان لال
مقدور کیا کہ وصف پیمبرؐ کا لکھ سکے
پہنچے ہے کس کا نعتِ مبارک پہ کچھ خیال
لولاک جس کے حق میں خدا نے کیا نزول
ہے دین کے چمن میں وہی سروِ نونہال
پس بعد نعتِ حضرتِ خیر البشرؑ کے میں
کرتا ہوں وصف شیرِ خدا مظہرِ کمال

نازل ہوئی ہے نادِ علی[۲] جس کی شان میں
تحسیں کو اُس کی مدح کے لکھنے کی کیا مجال
بہتر ہے یہ کہ آلِ عبا[۳] پر پڑھوں درود
من بعد داستان کا لکھنا کروں خیال
ہر چند فارسی کی بھی ایسی ہے دستگاہ
رکھتا ہوں لیکن اُس کی سمجھ ہے نپٹ محال
اس واسطے یہ ریختہ کی طرز خوب ہے
جو فہم میں ہر ایک کے آوے مرا مقال

اوپر دانشورانِ شیریں سخن بزمِ درایت[۴] و رزانت[۵] کے اور عاقلانِ صاحب طبعِ انجمنِ بلاغت و متانت کے مخفی و پوشیدہ نہ رہے کہ یہ عاجز ترین خلق اللہ میر محمد حسین عطا خاں متخلص بہ تحسینؔ مخاطب بہ خطاب ''مُرصّع رقم'' بعد رحلتِ والدِ بزرگوار حضرت میر محمد باقر خاں صاحب متخلص بہ شوقؔ کے کہ تمام ممالک ہندوستان میں نزدیک ارباب کمال کے کمالات دینی و دُنیوی سے شہرۂ آفاق تھے اور واقعی یوں ہے کہ بیچ میدان تشریح و توصیف ذات اُس مفرد کائنات کے توسنِ ہلال آہوئے قلم کا، اور پر صفحۂ گلشنِ افلاکِ چراگاہِ سفیدۂ کاغذ کے جلوہ نمائش کا پا کر نافہ[۶] ریز بہار عرصۂ تحریر کا نہیں ہوسکتا۔ اگر ذاتِ فائض البرکات اُن کی کے تئیں طغرا منشور فراست عالی یا عنوان مثال، بے مثالی کا کہوں، بجا ہے۔ ایزدتعالیٰ غریق رحمت کا کرے۔ برکت صحبت، فیض مَوہبت[۷]، سر حلقۂ سخن طرازان دقائق فصاحت و قابلیت، سر دفتر نکتہ پردازانِ حقائقِ لطافت و اہلیت، فہرست مجموعۂ فنونِ سخن وری و سخن دانی، بسم اللہ نسخۂ جامع قانون الفاظ و معانی، انجمن آرائے ضوابط آئینِ خوشنویسی و عبارت طرازی، چمن پیرائے شرایطِ رنگین فنِ شاعری و انشا پردازی، خطاط زبردست، صاحب کمال روشن قلم یعنی حضرت اعجاز رقم خاں صاحب کے سے کہ بیچ اِس زمانے کے اقلیم رقم علم و ہنر کے تئیں آرائش دے کر علم اُستادی کا بلند رکھتے ہیں، استفاضہ[۸] آغاز تربیت و

شاگردی کا حاصل کر کے مزاج اپنے کے تئیں اوپر شوق مطالعۂ قصہ ہائے رنگیں اور لکھنے افسانہ ہائے شیریں کے ازبس مصروف رکھتا تھا، اتفاقاً ایک مرتبہ بیچ رفاقت نواب مُبارز [۹] الملک افتخار الدولہ، جرنیل اسمتھ بہادر، صولت جنگ، سالارِ افواج انگریزی کے درمیان گنگ بہ سواری بجرہ [۱۰] ومورپنکھی" کے سفرِ کلکتہ کا درپیش آیا لیکن بہ سبب مسافت دور دراز کے بعضے وقت طوطی فارغ البال دل کی خفگی مکان کے سے بیچ قفسِ کشتی کے رُکتی۔ اُس وقت واسطے شغل قطع منازل کے ایک عزیز سراپا تمیز کہ بیچ رفاقت میری کے قُمری [۱۲] "وار حلقۂ محبت و اخلاص کا اوپر گردن کے رکھتے تھے، عندلیب زبان کے تئیں بیچ داستان سرائی حکایات عجیب وغریب کے اوقات خوش کرتے۔ چنانچہ ایک روز بلبل ہزار داستان اس حکایت دل فریب کے تئیں بھی بیچ گلزار گفتگوئے کہانی کے مترنّم کیا۔ جو ہر ایک صدائے ترنم اُس کے کی بے اختیار دل کو لبھاتی تھی، کہ سننے سے تعلق ہے، طاؤس نگارین خیال کا، بیچ دماغ خاطر کے یوں جلوہ گر ہوا، کہ اگرچہ پیشتر دو تین نسخے از قسم انشائے تحسینؔ وضوابط انگریزی وتواریخ قاسمی وغیرہ کے بقدر حوصلہ اپنے بیچ عبارت فارسی کے تصنیف کیے ہیں، لیکن مضمون اس داستان بہارستان کے تئیں بھی بیچ عبارت رنگیں زبان ہندی کے لکھا چاہیے کیونکہ آگے سلف میں کوئی شخص موجد اس ایجاد تازہ کا نہیں ہوا اور یہ کہ جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردوئے معلّٰی کا رکھتا ہو، مطالعہ اس گلدستہ بہاریں کے سے ہوش وشعور فحوائے کلام [۱۳] " کا حاصل کرے کہ واسطے علم مجلس کے لسانی زبان ہندوستان کی بیچ حق آدمی بیرون جات [۱۴] " کے خراد کندۂ ناتراش کے تئیں ہے، چنانچہ چند فقرے بیچ تفنن طبع کے شروع داستان اوّل میں نوک ریز خامۂ عجز نگار کے کیے بعد ازاں کہ جرنیل بہادر نیں وقت روانگی ولایت کے اس بندۂ عاجز کے تئیں کلکتے سے بہ سرفرازی بعضے خدماتِ عمدہ صوبۂ عظیم آباد کے ومختاری مقدمات نظامت کے امتیاز بخشے، اُس وقت بیچ تردد خدمات متعلقہ کے دماغ انشا پردازی کا معلوم، مگر منظور نظر ومرکوز خاطر کے تھا کہ اگر زمانہ چند صباح موافقت کرے تو اِس آغاز کا انجام دینا گویا بنا زندگانی کی روز محشر تلک مستحکم کرنا ہے۔ آخرش بہ مضمون اِس کے کہ کُلُّ اَمرٍ مَرھُونٌ بِاَوْ قَاتِھَا چند روز

تصنیف کرنا، اِس کا ملتوی رکھ کے داخل صوبہ کا ہوا۔ اور یہ تماشا قسمت کا دیکھیے کہ بعد ہَرج مَرج [15] مقدمہ سلطنت اور برہمی سلسلہ بندگی دودمانِ [16] تقدّس فشان خاندان تیموریہ کے وبہ سبب ارتحال والد بزرگوار اور انقلابات روزگار غدّار کے کہ فی الجملہ آئینۂ روزگار میرے کا صیقل [17] توجہات بے غایات سرداران انگریز کے سے جلا پذیر ہو چلا تھا سو بواسطہ زنگ ناتواں بینی بعضے اشخاص مختار معاملہ صوبہ کے سے مُکدّر رہوا۔ لاچار گردش فلکی سے نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن، اُس وقت چندے اشعار مرزا سودا صاحب کے کہ دادِ سخن کی دیتا ہے میرے تئیں حسب حال اپنے یاد پڑے کہ یہ سپہر رُوسیاہ ؎

در پئے رنج وتعب [18] رہتا ہے اہلِ درد کے
دکھ دھندوں کی ہوا خواہی میں دے ہے اپنی جاں
میل [19] کھینچے دیدۂ بینا میں یہ تاریک عقل
پُر کرے کحل الجواہر [20] لے کے چشمِ سرمہ داں
ابرِ دریا بار کو برساوے دشتِ یاس پر
خشک رکھے مزرعِ [21] امیدِ ہر پیر و جواں
ہنس کو موتی چگاتا ہے سدا یہ بے تمیز
پوست کھینچے ہے ہُما کا دے کے مُشتِ استخواں
آن میں اَوجِ حَسب کو پہنچے مجہول النسب
خاک ذلت پر گرے پل میں فلاں ابنِ فلاں
تا کجا کیجے بیاں اِس سفلۂ دوں [22] کا مزاج
اک وتیرے پر نہیں، گاہے چنیں گاہے چناں

اس کے تئیں پڑھتے پڑھتے ایک روز بیچ خوابِ شیرینِ فکر کے گیا ہوں کہ ایک مرتبہ مُلہمِ غیبی [23] نے اوپر دل میرے کہ الہام دیا کہ اے بے خبر آیۂ کریمہ فَاِنَّ مَعَ العُسرِ یسراً اِنَّ مَعَ العُسرِ یسراً جو تو نیں بیشتر اوقات اپنے نہایت خوش حالی وفارغ البالی سے

صرف کیے پس چندروز ایام تکلیف کے بھی بسر لے جانا مضائقہ نہیں ع

''چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند''

اوراب جو تصدیعہ [۲۴] کے تئیں اپنے مزاج پر گوارا کیا انشاء اللہ تعالیٰ بیچ تلافی اس کے عنقریب عروس تمنا کی ہم آغوش شاہد مدعا کے ہوتی ہے۔ زینہار غبار تردد اور اندیشے کا اوپر دامنِ خاطر کے نہ جھاڑ اور شیشۂ جمعیت دل کا اوپر سنگ تفرقہ کے چور نہ کر، شاید اس میں کچھ بہتر ہو۔ بہ حکم اس کے کہ فِعلُ الحکیمِ لَا یَخلُو عَنِ الحِکمۃ لیکن تدبیر اس کی یوں ملحق ساتھ تقدیر کے ہے کہ تو ں ذرۂ بے مقدار جوہر وفاداری اپنے کے تئیں اقتباس نور خورشید قدردانی اُس جناب عالی کے سے منور کر کہ اگر تخم اوصاف بزرگی اُس کے کا بیچ تختہ بندی خیابان کاغذ کے بووے تو بے شائبہ تکلف، نہال عبارت کا رونق بہار شجرِ طوبیٰ [۲۵] کی لا کے رشک گلزارِ جنت کا ہو۔ یعنی نواب مُستطاب [۲۶] معلی القاب، گردوں رکاب [۲۷]، شعاعِ شمس الضحیٰ آسمانِ جلال حیدری، جلائے بدر الدجیٰ، سپہرِ اقبال صفدری، فرازندۂ لوائے وزارت و عالی مقداری، طرازندۂ بساطِ امارت و نامداری، لعلِ شب چراغِ افسرِ حشمت و اجلال، دُرّۂ التاجِ تارَکِ [۲۸] ثروت و اقبال، فیروزۂ تاج سلطانِ ملکِ دولت و کامرانی، یاقوتِ اکلیلِ [۲۹] خاقان ولایتِ شوکت و حکم رانی، اخترِ بُرجِ شجاعت و فتوت [۳۰]، گوہرِ دُرجِ سخاوت و مروت، رکن السلطنت القاہرہ، عَضُد الدّولہ [۳۱] الباہرہ، صاحب السیف و القلم، رافع الجاہ و العَلَم، وزیر اعظم، صاحب تدبیر، مدبر معظم، روشن ضمیر، دستگیر درماندگاں، چارہ سازِ بیچارگاں، افتخار ممالک ہندوستاں، خداوندِ نعمت، قدرداں، حلیم الوضع، سلیم الطبع، عامل، عادل، فیاض، جواد، مومن، محسن، وجیہ، جمیل، خیّر، مدبّر، عالم، عابد، زاہد، مصلّی، متقی، صالح، مُصلح، امیر، کبیر، شجاع، منصور، غازی، مظفر، وزیر الممالک، عمدۃ الملک، مدار المہام [۳۲]، آصف جاہ، شجاع الملک، اعتماد الدولہ، برہان الملک، نواب شجاع الدولہ ابوالمنصور خان بہادر، صفدر جنگ ادام اللہ افضالہٗ و اجلالہٗ کہ کارپردازانِ ملاءِ اعلیٰ میں فدوی قسمت تیری کے تئیں روزِ ازل سے بیچ زمرۂ نمک چشانی خوانِ مائدہ [۳۳] فضل و کرم اُس کے کی مستفیض

کیا ہے اور دروازہ کشائش مطالب دلی تیرے کا کلید تفضلات اُسی عالی جناب کے سے کھولا۔ بارے بندہ بہ موجب حکم اُس سروش غیب کے بیچ زینت البلاد فیض آباد کے کہ فی الحقیقت نگین خاتَم مملکتِ ہندوستان کا ہے دیدہ سے قدم کرکے داخل ہوا سُبحان اللہ، ہر صفحہ اس صحیفۂ فیض کا برائے خود ایک گلشن ہے کہ ہر طرف تختہ تختہ بہار خط و خال شاہدانِ زرّیں لباس کی بیچ اُس کے رونق افزائے دیدہ نظارگیوں کے ہو رہی ہے اور ہر کوچہ اُس بلدۂ خاص الخاص کا علیحدہ علیحدہ ایک گلبن ہے کہ ہر سمت رنگ برنگ گلزار حُسن و جمال مہوشان گلگوں قبا کے فروغ بخش چشم تماشا بینوں کے ہوتی ہے۔ وسعتِ صحن قطعہ چوک کی اگر ملاحظہ کیجے تو لذت سیر قطعہ بہشت کی گوشۂ خاطر سے فراموش ہو جاوے اور جو رفعت محراب تر پولیہ [۳۴] کی دیکھیے تو ثنا پردازی بہار ارتفاع [۳۵] کمانچہ قوس وقزح کے سے زبان دل کی خاموش ہو جاوے۔ واقعی کہ شہر کیا ہے ایک تماشا قدرتِ الٰہی کا ہے۔ ایزد تعالیٰ اس دار الامن کے تئیں ہمیشہ رونق سواد دیدۂ ہفت کشور [۳۶] کا رکھے۔

زبس ہوائیں طراوت سے واں کیا ہے گزار
عقیق رنگ بدل کرکے ہے زمرّد وار
کمال فیضِ طراوت سے برسرِ ہر سنگ
شرر کے تخم سے جمتا ہے وھاں درختِ انار
گر اُس طرف سے صبا ہو کے باغ میں جاوے
درخت خشک وہیں سبز ہو کے لاوے بار

ق

ہے بے مبالغہ گر ساکنانِ جنت سے
کرے جو سیر کوئی اُس دیار کا گلزار
یقین جانیو دل میں زبس تماشے سے
بہ طور دیدۂ نرگس کے ہو رہے سرشار

جو خوب غور سے دیکھا چمن میں قدرت کے
تو رشکِ خُلد ہے، اُس قطعۂ زمیں کی بہار
کبھو نہ اُس کو گزندِ سپہر سے ہو ہرا اُس
جسے ہے مسکن و ماوا کے واسطے یہ دیار
شہر پناہ کی خوبی کا گر بیاں کیجے
کتابِ خوب پہ جدول کا جیسے ہو سنگار
شجاع گڑھ [۳۷] کی صفت مجھ سے گر کوئی پوچھے
قلعہ کی شکل زمیں پر ہوا فلک کو قرار
حَصَانت [۳۸] اُس کی حصانت سے آسماں کی زیاد [۳۹]
ہے بلکہ رشک سے اُس کے دو تا سما [۴۰] کا حِصار
خدا نے جب کیا اشرف البلاد فیض آباد
کہ سب صفت میں یہ موصوف ہے بہ عزّ و وقار
غرض میں کر نہیں سکتا ہوں اُس کی کچھ تعریف
کہ ہے وہ زینتِ ہندوستاں بہ نقش و نگار

الحمدُ للہ والمِنّة کہ بہ مجرد پہنچنے کے حضیض [۴۱] غربت سے اوپر اَوجِ عزت کے فائز ہو کر شرف ملازمت اُس عالی جناب کرامت مآب کا حاصل کیا اور اُسی وقت سے بہ مقتضائے تفضّلات کمال سے بیچ سِلکِ بندگانِ خاص کے منسلک ہوا۔ جب خورشید قدر دانی پرورش خدایگانی کا اوپر مطلعِ فیض رسانی روز افزوں کے منوّر ہو کر نخل تمنا میری کا گلِ مراد سے بارور ہوا، ایک دن تقریباً دو چار فقرے اس داستان کے کہ اوّل ذکر اُس کا بیان کر گیا ہوں، بیچ سمعِ مبارک حضرت ولی نعمت کے پہنچائے۔ از بس کہ شاہد رعنا [۴۲] اِس حکایت دل فریب کا جَلوہ گری کے عالم میں شوخ و شنگ ہے، توجہ دل سے مقبول خاطر و منظورِ نظرِ اشرف کے کر کے ارشاد فرمایا کہ از سر تا پا اِس محبوب دل پسندیدۂ دلہا کے تئیں زیورِ عبارت سے

آراستہ کر۔ اس قلیل البضاعت نیں حسب الامر جلیل القدر کے درخور حوصلہ اپنے کے اس داستان کے معشوق کو حُلّی بند [۴۳] زیب و زینت کا کر کے چاہتا تھا کہ اُس نازنیں کے تئیں نظر مبارک سے گزرانوں کہ اس عرصے میں زمانے نیں اور ہی رنگ دکھلایا اُس وقت بہ مقتضائے اس کے

جی کی جی ہی مییں رہی بات نہ ہونے پائی
آہ ٹک اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

لاچار پائے تردّد و تلاش کا بیچ دامنِ قناعت کے کھینچ کر کے بیچ کنجِ خموشی کے چُپکا ہو رہا۔

بعد از اں کہ اُس جناب مغفرت مآب کے خلف الاعظم امیر المعظم زیب دودمانِ عالی شان، فخر ہندوستان جنت نشان تاج الامارت العلیا، سراج الوزارت الکبریٰ، اعتضاد السلاطین [۴۴]، افتخار المومنین، پناہ الغریبین، ملاذ المساکین [۴۵(الف)]، شمس الضحیٰ، بدر الدجی [۴۵(ب)]، صدر العلیٰ، کہف الوریٰ [۴۶]، قرۂ باصرۂ صلابت و اقبال، غرّہ [۴۷] ناصیۂ [۴۸] شہامت [۴۹] و اجلال، مہر سپہر عظمت و کرامت، سپہرِ مہر شجاعت و سخاوت، جامع علوم دانش و فرہنگ، یعنی نواب آصف الدّولہ امیر یحییٰ خاں بہادر ہز بر [۵۰] جنگ، دام عمرہٗ و اقبالہٗ کے کہ خضرِ تفضّلاتِ بے غایات نیں اوپر جانِ ناتواں اِس ضعیف البنیان [۵۱] کے آبِ حیات سرفرازی کا چھڑکا، تب بہ مضمون اس کے کہ صرّاف [۵۲] چارسوئے عبارت گستری [۵۳] کے نقودِ الفاظ کے تئیں جب تلک اوپر سکۂ حرفِ تحسین زبانِ فصاحت بیانِ بندگان ممدوحِ جہاں کے نہ پہنچاویں، دوکان بیان کی نہ کھولیں اور جوہری، بازار مضمون شناسی کے، مروارید [۵۴] معانی کے تئیں جب تلک بیچ رشتۂ الفاظ آفریں دہانِ معجز نشان جناب مخدوم عالم کے نہ کھینچیں، قیمت رواج کی نہ بولیں، بیچ خیال میرے کے گزرا کہ شاہد اس افسانۂ موزوں کا کہ ساتھ زیور تجویز نام ''انشائے نوطرز مرصع'' کے آرائش پاتا ہے جب تک کہ طرّہ بسم اللہ دیباچہ مدح طرازیِ بندگانِ جنابِ عالی مُتعالی کا اوپر دستارِ عبارت کے رکھ کے

مورِدِ عنایاتِ خلعتِ فاخرۂ واہ واہ و سرپیچ[۵۵] تحسین وجیغۂ[۵۶] آفریں کا حضور عالی سے نہ ہووے زینت شہرت کی نہ پاوے۔ چنانچہ ایک قصیدہ درخور لیاقت اپنی کے بیچ مدح جناب عالی کے لکھ کر تیار کرتا ہوں او پر مدد ستارہ سعید اپنے کے کہ ذرّہ طالع یاور میرے کے تئیں ظہور روشنی کا پرتو تجلائے نور اُس مہرانور کے سے پایا کہ جس کے شعشعۂ[۵۷] جمال جہان آرا سے میدان وسیع شش جہت عالم کا مشرقستان نیّر اعظم کا ہو رہا ہے۔

قصیدہ

اگر مداد[۵۸] ہو دریا و ہوں قلم اشجار
نہ لکھ سکے کوئی اُس کے کمال کا طومار
پھر اب زبان مری کو کہاں یہ طاقت ہے
جو اُس کی مدح کے لکھنے کا کچھ کروں اقرار
مگر ضرور ہے اتنا کہ گر تمام صفت
نہ ہو سکے تو بھلا ایک تو لکھوں ز ہزار
کہ اُس کا وصف، مدارُ المہام ہے سو بجا
کہ ہے وہ عقل کے میدان کا بڑا سردار
امورِ سلطنت اُس کی سوائے فطرت کے
اگرچہ ہووے ارسطو نہ کر سکے زنہار
جو ہووے جلوہ فزا مسندِ عدالت پر
بدل کرے اثرِ بد زِ کوکبِ سیّار
جو اُس کے عدل کی میزان میں تُلے خردل[۵۹]
تو کیا شبہ ہے کہ ہووے برابرِ کہسار

اور اُس کی ہمّتِ عالی کی کیا کروں تعریف
ہوا ہے عرصۂ دنیا کہ جس سے گوہر بار
چمن زمانے کا شبنم سیتی رہے محروم
اگر نہ اُس کی سخاوت کا برسے ابرِ بہار
"نہیں" کا نام زمانے سے ہوگیا مفقود
زبانِ فیض ستی لفظِ "ہست" ہے دُربار
تماشا یہ ہے کہ وہ ہست و کم سے واقف نئیں
یہ فضل حق ہے کہ ہو ہست اور ہو بسیار

ق

ہے اُس کا ضبط شجاعت کا اس قدر جگ میں
نگاہِ گرم جدھر کو نظر کرے یک بار
اور اُس طرف کبھی رستم ہزار صف سے ہو
تو روح ڈرتی قالب سے ہو سکے نہ برار [۶۰]
نہ ہوئے کیونکہ شجاع ہووے جو ہزبرِ جنگ
کہ تیغ اُس کی جہاں میں ہے قاتلِ کفّار
فلیف [۶۱] تیغ جسے برق سے نہیں کچھ فرق [۶۲]
پڑے جو فرق پہ دشمن کے پا تلک ہو بغار [۶۳]

ق

کمال تیر چلانے کا یہاں تلک ہے گا
کہ جس کی تیز روی کا میں کیا کروں اذکار
جہاں خیال کا پہنچے نہ تیر جلدی سے
وہاں گزر کرے اُس کے خدنگ [۶۴] کا سُوفار [۶۵]

ق

شناوری[٦٦] میں یہ قدرت کہ قعرِ دریا ہے
اور اُس کے دل میں یہ آوے کہ اس سے ہو جیے پار
تو اُس کے علم شنا[٦٧] کی نُبک روی آگے
محال کیا ہے جو پانی سے ہو ہَوا کا گزار
نگاہِ چشم تلک بھی نہ پہنچنے پاوے
کہ اِس طرف ستی جا، اُس طرف سے پھر ہو پار

ق

یہ زور حق نے دیا اُس کے دست و بازو میں
کہ اُس کی خاطرِ اشرف میں گر ہو عزمِ شکار
تو شیر ترس[٦٨] سے بُرجِ اسد[٦٩] میں جا کے چھپے
مگر ہو بحر سے تحت الثرا[٧٠] کو رُو بہ فرار

ق

اگر طیور کی صید افگنی پہ ہو مرغوب
تو اُس شکار کی تعریف کیا کروں اظہار
جو چھوٹے دست مبارک سے چرخ پر شہباز
عقاب شمس کا مغرب میں جا چھپے درغار
وگر زمیں پہ کرے رُخ زعالم بالا
پرند کیا ہے وہ خر گوش کو کرے ہے شکار

ق

کمیت[٧١] خامہ کا اب اُس کے سیر گلگوں کو
کرے ہے صفحۂ قرطاس کے تئیں مضمار[٧٢]

بیان جلدی کا اُس کی کہاں تلک کیجے
فلک کو جس کی سواری کا عزم ہو دشوار
خیال کیجے کہ ایسے پہ کس کا ہے مقدور
کرے جو ذکر سواری کا غیر استغفار
مگر ہے راکب ۷۳ اُسی کا وہی امیر العہد
مدد ہے جس کی شہِ دین حیدر کرار
اگر وہ شرق میں چاہے کہ چھیڑ کر اُس کو
میں پہنچوں غرب تلک لفظ ہاں کا کہہ اک بار
زباں سے لب تلک آواز "ہاں" نہ پہنچنے پائے
کہ یہاں سے وہاں پہنچ اور وہاں سے پھر یہاں ہو دوچار

ق

زباں نہیں جو سواری کے فیل کی شوکت
بیان ہو سکے یا اُس کا کچھ کروں گفتار
کہ بیٹھنے میں ہے کوہ اٹھنے میں ہے ابرِ سیاہ
بلند عرش سا، چلنے میں چرخ کی رفتار
جب اُس پہ لے کے کجگ ۷۴ ہووے فیل باں ۷۵ قائم
گویا فلک پہ کیا ماہِ نو نیں ۷۶ استقرار
ستارے جھول "کے اس لطف سے چمکتے ہیں
اندھیری رات میں تاروں کی جس طرح ہو بہار
اور اُس کے ہودجِ زرّیں اُپر جناب نواب
ہے جیسے ابرِ سیہ بیچ مہر پُر انوار

جلوس وقت سواری کا کیا کہوں جو کہوں
زبس بہار سے فوجوں کی ہو رہی گلزار
صدائے ڈنکے کی ایسی ہی بجتی ہے کہ اگر
ہو دل میں جُبن[۷۸] کسی کے تو مرد ہو یکبار

ق

تجمل اُس کے عساکر کا کیا کروں تقریر
کہ موکب[۷۹] اُس کا ہے کوکب[۸۰] کی فوج سے بسیار
غلام کہنہ و دیرینہ جس کا ہے اقبال
فتح رکاب میں جس کے ہے ایک خدمت گار
تمام فوج کی تعریف تو کہاں ہووے
پر ایک بند میں تحفہ ہوا ہے یہ اسرار
کہ اس جناب میں فطرت سے اپنی ہی بے غیر
کریں ہیں ایسی ہی جرار پلٹنیں تیار
کہ ہووے گرچہ فلاطوں نہ کر سکے یہ فکر
جو ذات مظہر عالی سے ستی ہوا اظہار
بہ مرتضیٰ جو کہوں صف بہ صف کھڑے ہوویں
نظر پڑے ہے کچھ اور ہی طرح کا سیل و نہار
بطور فوج ولایت کے جب کریں ہیں فیر[۸۱]
تو آگے کوہ جو ہو اُس کو بھی کریں مسمار
صلابت[۸۲] ایسی ہی ہے توپ خانہ عالی کی
کہ جسم رعد[۸۳] کا غرش سے جس کے ہے بیزار

گرجنا اُس کا قیامت کے شور سے نزدیک
تڑپ سے جس کے عدو کا جگر فگار فگار

ق

شکوہ خیمہ کی رفعت کا گر کہوں تم سے
کہاں خیال کو طاقت کہ پاسکے وہاں بار
اُسی کے رشک سے اب تک فلک ہے گردش میں
اُسی کے بار سے ہے تختۂ زمیں کو قرار

ق

جو اُس کے مطبخ[٨٤] عالی کو پوچھیے مجھ سے
تو کیا کہوں کہ زیادہ ہے وہ ز حد و شمار
یقیں ہے حاصلِ ہندوستاں نہ ہو کافی
اگر ہو اُس کے مصارف کے واسطے درکار
زہے نواب امیرِ زماں پناہ جہاں
کہ جس کے جاہ کا حشمت کا یہ کیا اذکار
غرض کہ جس کا ہو تحسینِ جناب اس درجہ
کروں میں وصف کو اُس کے کہاں تلک اظہار
کہ وہ ہے مہر درخشاں، و میں ہوں ذرہ مثال
خدا کے واسطے ذرّہ کا یہاں ہے کیا مقدار
قلم زباں کی وہ، اور خامہ کی زباں یہ ہے کچھ (کذا)
بھلا ہو غنچہ دہانوں سے کیونکہ حرف برار
بس اب زبان و قلم ہر دو معترف بہ قصور
کہاں میں اور کہاں وصفِ وارثِ تلوار

وہ کون شخص ہے، نواب آصف الدولہ
کہ جس کی ذات سے ہے ہند کو سکون و قرار
اگرچہ کام خوشامد کے کرنے کا جگ میں
ہمیشہ سیتی چلا آتا ہے بہ ملک و دیار
ولے قسم ہے مجھے اپنے دین و ایماں کی
کہ بے مبالغہ کہتا ہوں اس کو میں صد بار
نہیں زمانے میں ایسا بہ جاہ و حشم و شکوہ
مرے نواب کا ثانی کوئی سپہ سالار
خدا رکھے اسے تب تک سلامت اور قائم
کہ جب تلک رہے سر سبز دہر کا گلزار

بارے الحمد للہ والمنۃ کہ نجم امید کا اوپر معراج مدعا کے جلوہ گر ہوا کہ فراغ خاطر سے گلدستۂ داستان کے تئیں اس رنگ سے بیچ محفل بیان کے زیب و زینت ترتیب کی دیتا ہوں۔

✓

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

آغازِ قصّہ

بیچ سرزمینِ فردوس آئینِ ولایت روم کے ایک بادشاہ تھا، سلیماں قدر فریدوں فر[۸۵]، جہاں بان، دین پرور، رعیت نواز، عدالت گستر[۸۶]، برآرندۂ حاجات[۸۷] بستہ کاراں، بخشندۂ مرادات اُمیدواراں، فرخندہ سیر نام کہ اَشعہ[۸۸] شَوارق[۸۹] فضلِ ربانی کا اور شعشہ بوارق[۹۰] فیض سُبحانی کا ہمیشہ اوپر لوح پیشانی اُس کے لمعاں[۹۱] و نورافشاں رہتا لیکن شبستانِ عمر و دولت اُس کے کا، فروغ شمع زندگانی کے سے کہ مقصد فرزند ارجمند سے ہے، روشنی نہ رکھتا تھا۔ اس سبب سے ہمیشہ غنچۂ خاطر اُس کے کا بادسموم[۹۲] اِس فکر دل خراش کے سے افسردہ رہتا اور اصلا گُلِ عشرت اُس کے کا شدت صرصر اِس غم والم کے سے بہار شگفتگی کی نہ لاتا مگر ضرورتا بہ امید اس کے کہ شاید نقش بند خاطر طراز آفرینش کا دستیاری قلم قدرت کے سے شکل اولاد کی اوپر صفحۂ روزگار کے ثبت کرے، گاہ گاہ فرخندہ سیر بیچ حریم حرم تعظیم کے کہ خاک پاک اُس کے تئیں کحل الجواہر دیدۂ قدسیاں کا کہا چاہیے قدم رنجہ فرما کے سب پردہ نشینانِ حریم حرمت اور ہودج[۹۳] گزینان تُق[۹۴] عفت سے جو کوئی مقبول خاطر اشرف والا

و پسند طبع ارفع و اعلیٰ کے ہوتی، ساتھ اُس کے داد معاشرت و داد طبع کی دیتا۔ قصہ کوتاہ ایک روز وہ خورشید بُرج خلافت کا بیچ آئینہ محل خاص سپہر [۹۵] اساس کے کہ فردوس بریں بھی تماشائے تعمیر اس کی سے عرق انفعال کا اوپر چہرہ کے کھینچے، ساتھ ایک بدر منیر اوج عصمت کے مانند ماہ و مشتری کے قِران السعدین [۹۶] تھا، اتفاقاً اس عرصہ میں نظر مبارک بادشاہ کی طرف ایک آئینہ کے کہ مقابل مکان عشرت گاہ کے نصب کیا تھا جا پڑی۔ جوں شریف اُس کا قریب پچاس سال کے پہنچا تھا وقت مشاہدۂ جمال مہر تمثال [۹۷] اور معائنہ صورتِ حال اپنے کے دیکھتا کیا ہے کہ ایک موئے سفید درمیان داڑھی سیاہ کے مانند سہیل ستارے کے بیچ آخر شب تاریک کے کہ واقعی اس نشان کے تئیں ختم عمر کا کہتے ہیں، نمودار ہوا ؎

پس دیکھتے ہی آنکھوں کو یرقاں سا ہو گیا
یہاں تک ہوا کہ ہو گیا ہر استخوان زرد

پر اُس وقت وہ ابر نیساں [۹۸] آسمان عظمت و کرامت کا طوعاً و کرہاً موتی مقصود کے تئیں بیچ صدف آرزوئے ملکہ حور لقا زیبا طلعت کے پُر کر کے بعد فراغت غسل کے اُس مکان سے اُٹھ کر، طرف خانہ باغ کے متوجہ ہوا اور اپنے دل میں غور کیا کہ ہر اوّل لشکر خزاں بہار عمر کا ساتھ فوج بے شمار گلریزی گلزار لطافت و توانائی کے شمشیر برہنہ موئے سفید کی کہ برہم زنی صف جوانی کی ہے لے کر مقابل ہوا اور اُمید زندگانی بالکل منقطع ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ باغبان قضا و قدر کے نے بیچ روز ازل کے گلشن تمنائے دلی کے تئیں گُلِ مراد سے رونق نہیں بخشی کہ بعد میرے حدیقۂ سلطنت کے تئیں سرسبز کر کے بہار افزا ہوا۔ پس آج سے ترک لذت ہَوا و ہَوس دنیوی کا کر کے بیچ ایک گوشۂ قناعت کے بیٹھا چاہیے اور اس آرزو کی حسرت میں ساتھ دلِ بریاں [۹۹] و دیدۂ گریاں کے نہایت محزون و غمگیں ہو کر کبھی گرد کلفت کی اوپر دامنِ عشرت کے جھاڑ کر بے اختیاری ملال طبیعت کے سے ہر ساعت بند اس مسدس کے تئیں اوپر زبان کے لاتا ؎

کون ہے جس سے کہوں حال دل آزاری کا
درد و بے طاقتی و رنج گرفتاری کا
باعثِ رقّت جاں سوزِ دل افگاری کا
سبب عاجزی و موجب لاچاری کا
غم جو گزرے ہے مرے دل پہ بیاں کیجے
پر جہاں بس نہ چلے، ہائے وہاں کیا کیجے

اور کبھو شبستانِ جمعیتِ دل کے تئیں آتشِ سراسیمگی و آشفتگی کے سے سوخت کر کے بے قراریٔ تشویش خاطر کے سے دم بدم بند اس شعر کے تئیں پڑھنا شروع کرتا ہے

آہ حسرت مرے دل کی نہیں بر آتی ہے
مفت باتوں میں مری عمر چلی جاتی ہے
قطع اُمید ہے اور یاس نظر آتی ہے
ہائے یہ زندگی کیا کیا مجھے دکھلاتی ہے
اس مصیبت کا بیاں کیجیے کس سے افسوس
درد اس دل کا عیاں کیجیے کس سے افسوس

یہ کہتا ہوا خراماں خراماں مضطر و متفکر خفگی طبیعت کی سے سب کار پردازان کارگاہِ خلافت کے تئیں، جواب مجرے کا فرما کے، قدم فرماں روائی و جہانداری کا بیچ دامن قناعت کے کھینچ کر ایک گوشہ میں تنہا جا بیٹھا اور ساری حلاوت و مزہ زندگانی کے سے تلخ کام ہو کے ارشاد فرمایا کہ ہرگز کوئی خویش [100] و بیگانہ سے سوائے خادمانِ درگاہ کے بیچ خلوت سرائے بادشاہی کے باریاب نہ ہو اور اضطراب شدتِ رقّتِ طبع کے سے مجنون دل، اندوہ منزل، اُس کے کا بیچ خیال جمال لیلیٰ کامرانی کے پڑھنے، اس بند مخمس کے سے مشتغل [101] تھا ہے

یا الٰہی میں کہوں کس سیتی اپنا احوال
تجھ سوا کون ہے، جس سے میں کہوں دل کا ملال
یارب اس رنج سے اب اس دل شیدا کوں نکال
تیری ہی ذات سے رکھتا ہوں میں ہردم یہ خیال

سـاز آباد خـدایا دلِ ویرانـہ را

اس طور فرخندہ سیر، چند روز، سیر تحیّر کا اوپر زانوئے تفکر کے رکھ کے متوجہ مہمّات جہانگیری و معاملات مالی وملکی کا نہ ہوا۔ اس صورت میں تخلّل [۱۰۲] عظیم بیچ ممالک محروسۂ سلطانی کے واقع ہوا اور ہر چہار طرف سے غبار فتنہ وفساد کے نیں درمیان اقلیم متصرفہ کے سر اُٹھایا۔ جب بازار بے تسلطی و بے انتظامی کا سخت جوش پر آیا تب سب خیر اندیشان دولت عظمٰی ونیک سگالان [۱۰۳] صَولتِ کبریٰ کے کہ صفحۂ باطن کے تئیں حروف اعتقاد اور اخلاص کے سے مُرتسم اور تختۂ پیشانی کے تئیں سجود بندگی وفرمانبرداری کے سے مزیّن رکھتے تھے، بیچ دیوان خاص بادشاہی کے جمع ہو کے ہر ایک اشہب [۱۰۴] تیزگام زبان کے تئیں بیچ میدان تقریب اور تمہید کے جَولاں [۱۰۵] کرتے تھے۔ آخرش پنجۂ عروس مصلحت کا ساتھ حِنا اِس تجویز کے رنگیں ہوا کہ اگر خردمند نامی وزیر کہ ظہیر سلطنت ابد مدت و مشیر تدبیر مملکت قضا سطوت کا ہے بیچ حضور اقدس خاقانی کے جا کے قفلِ سربستہ اسرار نہانی، مزاج حضرت ظلِ سبحانی کے تئیں، کلید حُسنِ قابلیت وفرزانگی سے واکر کے مرکوزِ باطنِ تقدس مواطن، ومکنونِ خاطر دریا مقاطر کا دریافت کرے، اغلب کہ باعث خلوت نشینی اور سبب گوشہ گزینی جناب مبارک خدیو [۱۰۶] کائنات کا بواقعی معلوم ہو بعد ازاں تدبیر عقل وتردد و خرد کے سے واسطے حل کرنے اُس مشکل کے کوششِ فراواں وجہدِ نمایاں بیچ ظہور کے لادیں۔

غرض کہ خردمند وزیر فرخندہ سیر کا کہ افلاطوں باوصف اس کیاست [۱۰۷] اور فِراست کے خوشہ چین فطرت اُس کی کا تھا اور ایام شہزادگی حضرت کے سے نقش عبودیت وفدویت اپنے کا منقوش خاطر ہمایوں کے رکھتا تھا، بہ موجب استصواب [۱۰۸] سب ارکان خلافت کے

اور استقرار اُس صلاح محمود العاقبت کے، واسطے مجرے ولی نعمت کے، اوپر در خلوت سرائے شاہی کے آیا اور معرفت حاضران بارگاہِ عظمت و باریابانِ بساطِ قربت کے آداب بندگانہ بہ دستور خانہ زادان موروثی کے بیچ حضور لامع النور اقدس عالی کے عرض کر بھیجا۔ جو بادشاہ خردمند کے تئیں بہ نسبت اور مقربان درگاہ کے عمدہ محرمان راز وزُبدہ[۱۰۹(الف)] مصاحبان دَم ساز کا جانتا تھا، حکم قضا توام[۱۰۹(ب)] واسطے حاضر کرنے، بیچ حضور پُرنور کے صادر کیا۔ جب وزیر حسب الارشاد ہدایت بنیاد کے باریاب خلوت مقدس کا ہوا، دیکھتا کیا ہے کہ گُلِ روئے مبارک شہریار کا مانند برگ خزاں کے مُرجھا رہا ہے اور دریا آنسو کا چشمۂ چشم کے سے جاری ہے بہ مجرد ملاحظہ اس احوال کے خردمنؔد نے جبین نیاز کی اوپر زمین ادب کے گِھس کے زبان تحیت اور ثنا کی کھولی

یا الٰہی یہ جو تیرا ہے چراغِ دولت
تا ابد اس سے منور رہے قندیلِ فلک
تا قیامت رہے مجودِ خلائق وہ جا
مسندِ جاہ کی تیری بچھے جس پر توشک

اور بعد تقدیم مراسم کورنش و تسلیم و مراتب تلثیم[۱۱۰] پایہ سریر[۱۱۱] سپہر تکریم کے بجالا کے عرض کیا کہ آئینۂ ضمیر خورشید تنویر قبلۂ عالم کا رنگ تردد اور تفکر کے سے مکدر کیوں ہے؟ بادشاہ نیں نائرۂ[۱۱۲] تاسّف اور تحیّر کا بیچ بھٹی سینہ کے مشتعل کر کے کہا:

کس سے میں کہوں دل کی گرفتاری کو یارب
کیا جانے وہ جس کو یہ سروکار نہ ہووے
جل جائے گی بُلبل، مرے سینہ سے نہ لگ بیٹھ
یاں آگ کے شعلے ہیں، یہ گلزار نہ ہووے

وزیر کہ ہمدم و دلکشائے مجلس خاص کا اور مَحرم خَلوَت سرائے وفا و اخلاص کا تھا ملتمس ہوا کہ حضرت جہاں پناہ سلامت، اگر غلام قدیم الخدمت کہ جان و مال سے تَصَدُّق[۱۱۳] فرق

مبارک کے ہے، لب بہ تحقیق رموز پنہانی کعبہ جہانی کے کھول کر دقیقہ یاب سرائر سلطانی کا نہ ہووے، پھر عقدہ کُشائے اَسرار خاطر قدسی کا کون ہوگا۔ اُمیدوار نوازشاتِ خُسروانہ عنایات بادشاہانہ کا ہوں کہ اِس فدوی جاں نثار کے تئیں مضمر ضمیر آفتاب کے سے مفصل ایما ہو کہ بندہ بھی درخور حوصلہ اپنے کے شرط نمک حلالی کی بجالاوے۔

بادشاہ نے جو وزیر کے تئیں شریک رنج راحت اپنے کا جانا، مطابق مضمون اِس شعر کے ۔

حالِ دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چُپ بھی رہا نہیں جاتا

لاچار تمام باعث کُلفت طبع مُقدس کا مُفصل ارشاد کیا اور فرمایا کہ اے رمز شناس عالمِ مزاج دانی کے جو منشی تقدیر کے نے بیچ سرنوشت "[۱۴]میری کے حرف تولد فرزند کا نہیں لکھا اور ایام زیست کے قریب الِانقضاء"[۱۵] ہیں کہ آئندہ توقع استحصال اس نعمت غیر مترقب کی پیشِ نہادِ خاطر کے رکھتا، پس اب واسطے چند روز کے کیا ضرور ہے کہ اوقات اپنی کے تئیں بیچ کاروبار اس دارِ ناپائدار کے صَرف کروں اِس سے یہی بہتر ہے کہ ترک تعلق دنیوی اور تبدیل لباس کا کر کے درمیان صحرائے لق ودق کے کہ جہاں بود ونشان انسان کا نہ ہو بیچ عبادت حضرتِ واجب الوجود کے مشغول ہوں اور آہِ سرد دلِ پُر درد سے نکال کر پڑھنے لگا ۔

دل مرا درد سے نالاں نہ ہوا تھا، سو ہوا
اس قدر حال پریشاں نہ ہوا تھا، سو ہوا
اس تمنا میں مری چشم سے روتے روتے
یاں تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا، سو ہوا

وزیر کہ ذُوالحجر دان "[۱۶] زمانہ کے سے گوئے سبقت "[۱۷] کی لے گیا تھا، ملاحظہ احوال کثیر الاختلال بادشاہ کے سے دل پر یہ ارادہ مصمم کیا کہ تمام مقدمہ سلطنت کا درہم برہم ہو

کہ ایک عالم تباہ ہو جائے گا اور ہر طرف سے مخالفان واقعہ طلب قابو فرصت کا غنیمت جان کے باعث ویرانی ممالک محروسہ شاہی کے ہوں گے، پھر بقول اِس شعر کے نوبت پہنچے گی ؎

چمن کے تخت پر جس دن شہِ گُل کا تجمّل تھا
ہزاراں بُلبلاں کی فوج تھی اور شور تھا غُل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جُز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گُل تھا

پس تقاضا دور اندیشی و خیر خواہی کا یہ ہے کہ کسو طَور سے مزاج بادشاہ کے تئیں برسرِ فسخ[۱۸] اس عزیمت کے لائے۔ بعد ایک ساعت کے مُتامل ہو کر بولا کہ اگر گستاخی و بے ادبی غلام کی معاف ہو تو کچھ عرض کرے۔ ارشاد ہوا کہ، ہوں۔ خردمند نے آداب بجالا کے عرض کیا کہ جہاں پناہ سلامت دشت پیمائی شعار و دوں ہمتانِ[۱۹] ناقص فہم کا ہے، نہ ضابطہ بادشاہان الوالعزم کا اور واقعی یوں ہے کہ عبادت حضرت معبود حقیقی کی کچھ موقوف اوپر سیر کوہ و بیاباں کے نہیں، شاید بیچ سمع مبارک کے یہ شعر نہیں پہنچا ؎

عابد و معبود ہیں تیرے ہی پاس اے بے خبر
کیوں ارادہ کر رہا ہے طوفِ[۲۰] بیت اللہ کا

اور جو خواہ مخواہ مزاج مقدس کے تئیں مصروف صحرا نوردی کے فرمایئے گا تو اولیٰ، یقین خاطرِ اقدس کے رہے، کہ یہ خرمن گروہ خلائق کا کہ بزرگان حضرت کے نیں ایک ایک خوشہ ہر متنفس کا، واسطے حصول دانۂ ناموری کے جمع کیا ہے، ایک مرتبہ آتشِ ظلم مخالفاں قابو جو کی، سے سب سوخت ہو جائے گا اور تمام محنت سالہا سال بادشاہان سَلَف کی یکلخت رائگاں و برباد ہو جائے گی، پھر بہ مقتضائے اہانت العبد و اہانت المولیٰ کے، تکلّف برطرف حرف بد نفسی کا صریح طرف حضرت کے ہے اور دوئم یہ کہ جو کافۂ[۲۱] رعایا کے تئیں ودیعت جناب احدیت و صمدیت کا کہتے ہیں، ایزد سبحانہٗ تعالیٰ نے شاہانِ عظیم الشان کے تئیں واسطے حفاظت و حراست جمہور انام کے تعین کیا ہے اور ایک سر موایذا الاحق حال، اس فرقۂ

غریب کے ہو، تو روز دیوانِ حشر کے باز پُرس اُس کی، گروہ قُدسی شکوہ اُن کے سے تعلق ہے، پس اِس صورت میں عبادت بھی اثر قبولیت کا نہیں رکھتی کیونکہ توڑنا ں ایک دل کا برابر ڈھانے سو کنگرہ عرش کے ہے، بہ مضمون اِس کے ؎

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
جوں اشک، پھر زمیں سے، اُٹھایا نہ جائے گا
کعبہ، اگر چہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ
یہ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

مگر از راہ حق پسندی و منصف مزاجی کے جو عرض غلام کی پذیرائی طبع مقدس کے ہو، صلاحِ دولت یوں ہے کہ قبلۂ عالم دستِ دُعا او پر درگاہ حضرت مجیب الدعوات کے کہ دستگیر در ماندگاں کوئے ناکامی کا و چارہ ساز بیچارگانِ عالم بے سرانجامی کا ہے، دراز کر کے اور ہر وقت منتظر فتوحات غیبی و فیوضات لاریبی کے رہ کے دن کے تئیں بیچ رَتق و فَتق [۳۲] مُہمّات سلطنت کے و نظم و نسق امورات نصفت و عدالت کے کہ انتظام و استحکام بنائے خلق اللہ اس شغلِ خطیر سے منتظم و مستحکم ہے مشغول رہیں اور شب کے تئیں اوپر استفادہ پڑھنے درود و طَواف مقابر متبرّک کہ بزرگانِ جنت نشیں کے و استفاضۂ زیارت جناب درویشانِ حق گزیں کے مزاج مبارک کے تئیں مصروف کر کے وجہ ہمّت کا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ برکت اس وسیلۂ جمیلہ کے سے یقین ہے کہ شام ناکامی کی ساتھ صبح کامیابی کے تبدیل پا کے شاہد مراد کا، نقاب تمنا کے سے چہرہ کُشا ہو اور ابوابِ بہجت [۳۳] و شادمانی کے اور اسباب مسرت و کامرانی کے اوپر روئے روزگار فرخندہ آثار خسرو [۳۴] والا تبار [۳۵] کے ہر چہار طرف سے مفتوح ہوں۔ بَس پر ہر چہ طبع مقدس اقتضا فرماوے، مبارک ہے۔

بادشاہ نے جوز رِ التماس وزیر کے تئیں اوپر محک [۳۶] رائے زرّیں کے کسا معلوم کیا طلائے [۳۷] ناب اُس کے کا بلا تشکیک کامل عیار کا ہے، عارضِ عرض معروض خردمند کے تئیں ساتھ گلگونہ [۳۸] اجابت کے رونق بخشی اور مکان خلوت کے سے اُٹھ کے اوپر تخت سلطنت و

فرمانروائی کے جلوس فرمایا اور گلزار خلافت کے کہ بہ سبب بادِ سموم بے انتظامی و ہنگامہ پردازی کے ژولیدہ ہوئے تھے، سرِنو سے ساتھ رشحات سحاب [۱۲۹] انتظام وتسلّط کے سرسبز و شاداب ہو کے صدا نقارۂ مبارکی وفرخی کی بیچ گنبدِ دَوّار [۱۳۰] سپہر کے پہنچی اور صفیر [۱۳۱] نفیر [۱۳۲] تہنیت اور شادی کی بیچ شش جہت عالم کے بلند ہوئی

دھوم ہے گھر گھر سبھوں کے، سب کے گھر میں شادیاں
عید کرتے ہیں سبھی دے دے مبارک بادیاں
یاس کی بیداد سے ویراں ہوا تھا ملکِ دل
پھر ہوئی امید کے عامل سیتی آبادیاں

بندہ ہائے فِدوِی خاص وفدویان عبودیت اَساس مَصدرِ مَراحم [۱۳۳] واختصاص بادشاہی کے ہو کے بدستور قدیم اپنے پایہ پر بیچ دربارِ معلّی کے حاضر ہوئے اور پھر مجدداً بندوبست سلطنت قدر قدرت کے تئیں یاں تلک رونق آراستگی کی پائی کہ طوطیٔ نُطق پرداز خلائق کی بیچ سبزہ زارِ رفاہت [۱۳۴] وآسودگی کے بے اختیار مطالعہ اس رباعی کے سے نغمہ سرا تھی

ایواں میں عدالت کے تمھارے اے شاہ
کب جُرم کو ہے راہ نعوذاً باللہ
شیشے کا اگر طاق سے رپٹے ہے پاؤں
پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

قصّہ کوتاہ اور عبارت مختصر آخرش بادشاہ بہ موجب صلاح خردمند وزیر کے کہ فی الواقعہ اظہار اُس کا کتابہ پیش طاق دانش وآگاہی کا تھا، دن کو اوقات خُجستہ [۱۳۵] آیات اپنے کے تئیں بیچ قبض و بسط [۱۳۶] مہمّات مملکت کے مصروف رکھتا اور شب کے تئیں واسطے، اِستِسعَاد [۱۳۷] زیارت مقابرہ پیش قدمان معرکۂ حقیقت کے وطواف جناب قافلہ سالاران شاہراہ شریعت کے تشریف فرماتا۔

ہوتے ہوتے عرصہ نو دس ماہ کا منقضی [138] ہوا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ بادشاہ موافق ضابطۂ معہود [139] کے دولت خانۂ مبارک سے نکل کر وقت نصف شب کے تن تنہا طرف برآمدہ شہر کے متوجہ ہوا اور اُس وقت ہوائے تُند نے ساتھ زور اور شور تمام کے کہ جس کے سرّ اٹے کے جھکور کے بیان سے باد پائے سخن کا لنگ ہو جاوے، چلنا شروع کیا۔ اس عرصہ میں فرخندہ سیر کے تئیں دور سے بفاصلہ فرسنگ کے ایک چراغ نظر آیا لیکن باوصف اشتداد باد صرصر کے زینہار اشتعالۂ چراغ کے تئیں سر مو حرکت نہ تھی۔ بادشاہ نے اول خیال کیا کہ طلسم شب یمانی [140] کا ہوگا، یعنی اگر پھٹکری کو گردِ فتیلۂ چراغ کے چھڑک دیجیے تو کیسی ہی ہوا چلے چراغ گل نہ ہو، بعد ازاں بقول اس مضمون کے

"چراغِ مُقبلاں ہرگز نمیرد"

ملاحظہ اس عجائبات کے سے اپنے دل میں تصور کیا کہ یہ تجلّی کسی مردانِ خدا کے کہ مکان پر متجلّی ہے، اغلب کہ چراغ آرزو میری کا اسی نور سے منور ہو اور طرف اُس چراغ کے رُخ توجہ کا فرمایا، چلتے چلتے پُر متصل پہنچا۔ دیکھتا کیا ہے کہ اوپر مزار ایک مقبول بارگاہِ لاہوت [141] کے فانوس بلوریں کے اندر شمع روشن ہے اور چار شخص، ملک سیرت درویش صورت کہ ظاہر حال خجستہ مآل اُن کا بہ ترکیب لباس فقیر کے آراستہ ہے، گرد روشنی کے جلوہ آرا ہیں لیکن غنچہ دہان اُن کے کا، سموم دل تنگی کی سے، بیچ گلزار مجلس سکوت کے بہار شگفتگی گفتگو کی نہیں لاتا۔ مُلہم غیبی نے فرخندہ سیر کے دل پر الہام دیا کہ آبیاری تفضلاتِ باغبانِ قضا و قدر کے سے، یقین کامل ہے کہ نخل امید کا ترشح فیض صحبت درویشوں کے سے، سرسبزی وشادابی پا کر بیچ باغ اس مجلس کے بارور ہوا، پر اس وقت مناسب یوں ہے کہ اپنے تئیں مخل مجلس خاص اُن کی، کنارہ کر کے ایک گوشہ میں مخفی ہو کر اِستکشاف [142] احوال، اس چہار عنصر لطیف کا کیجیے، غرض کہ بادشاہ درمیان کُنج اس مکان کے اِس طور سے کہ کسی پر اطلاع نہ ہو، پوشیدہ پنہاں جا بیٹھا اور صدفِ گوش ہوش کے تئیں واسطے پُر کرنے مروارید کلمات میمنت [143] آیات درویشوں کے وا کیا۔ اتنے میں درمیان اُن چہار درویش کے

ایک شخص نے عندلیب زبان کے تئیں بیچ گلزارِ سخن آرائی کے نغمہ پرداز کیا کہ اے یاران ہمراز واے رفیقان دمساز ہم چار شخص انقلابِ روزگارِ غدّار و گردشِ دَورِ دَوّار کے، سے حیران و پریشان وارد اس مکان کے ہوئے تھے لیکن الحمدللہ والمنۃ کہ رہبریٔ قسمت و یاوریٔ بخت ہمارے کی سے شامِ تنہائی کی نے ساتھ فروغِ شمع ملاقات ہمدیگر کے روشنی پائی مگر بالفعل کہ درازی سررشتۂ شب تارکی نے زنجیر بےخوابی کی بیچ پائے استراحت کے ڈالی ہے اس سے صلاح وقت یہ ہے کہ، واسطے شغل بیداری کے، ہر ایک قفل گنجینۂ زبان کے تئیں ،ساتھ کلیدِ تشریح و تفصیل قصہ سرگزشت واقعی اپنے کے کھولے، کہ اِس وسیلہ سے متاع فوائد صحبت سراپا برکت یکدیگر کے بیچ کیسۂ تمنا کے حاصل کریں۔ یارانِ دیگر نے انگشت قبولیت کی ،اوپر دیدۂ رضا و رغبت کے رکھ کے کہا کہ کیا مضائقہ،اول آپ ہی صورتِ حال اپنی کے جو کچھ بہ چشم یقین کے و دیدۂ حقائق بیں کے دیکھا ہو اوپر صفحۂ اظہار کے کھینچ کے گوشِ رفیقانِ ہمدم کے تئیں گرانبار گوہر منت کا کریں۔

چنانچہ رفیق اول نے غزال رعنائے اس داستانِ ندرت بیان و واردات احوالِ صدق مقال اپنے کے تئیں بیچ چراگاہِ مجلس کے یوں جولاں گرعرصۂ تقریر کا کیا ؎

دوستاں دل سے سُنو حال دل افگار کے تئیں
شرح افسانۂ غم عشق کے بیمار کے تئیں

حالتِ گریۂ اِس دیدۂ خونبار کے تئیں
قصۂ بے سروسامانی اِس خوار کے تئیں

تم کو شفقت ستی پاتا ہوں جو غم خوار اپنا
پس بجا ہے کہ کروں درد کا اظہار اپنا

کہ اے یاران غم گسار، مولد متوطن اِس سرگشتۂ [۱۴۴] بادیۂ [۱۴۵] آشوب وفتن [۱۲۱] کا بیچ خطۂ پاک یمن کے ہے اور والد اس عاجز کا مَلِکُ التُّجار، نامی نہایت مالدار و آسودہ

روز گار، پیشہ تجارت کے سے، اس قدر گنج وافر بیچ بساطِ جمعیت کے موجود رکھتا تھا، کہ شاید صرّاف سپہر کا بھی بیچ صندوق کہکشاں کے خزانہ ستاروں کا جمع نہ رکھتا ہوگا، اُس سے دو فرزند تولد ہوئے تھے۔ ایک یہ عاجز اور دوسری ہمشیرہ کہ اُس کے تئیں قبلہ گاہ نے، بہ حِین [۱۴۷] حیات اپنی کے ساتھ ایک سوداگر بچہؔ، عمدہ خاندان کے منکوح کیا تھا۔ القصہ یہ فقیر عہد خوردگی سے بیچ ناز و نعمت کے پرورش پا کے اور فکر و افکار دنیا کے سے کچھ سروکار نہ رکھ کے، بہ شغل کودکاں بازی، عیش و عشرت کے مشغول رہتا۔ جب مہتاب عمر میری کا بدرجہ چہاردہ سالگی پہنچا روز روشن سُرور و ابتہاج [۱۴۸] اِس تیرہ بخت [۱۴۹] کا تاریک تر شب یلدا [۱۵۰] سے ہوا یعنی پیمانہ زندگی مادر و پدر بزرگوار کا شراب خوشگوار حُظوظ [۱۵۱] نفسانی کے سے لبریز ہو کے، اُسی سال میں صدمہ دستِ قضا کے سے ڈھلا۔ وقوع اِس واقعۂ جانگداز و سانحۂ ہوشربا کے سے عالم بیچ آنکھوں میری کے تاریک نظر پڑ کے دود آہ و فغاں کے نے سرغبار کا فلک تک کھینچا اور نہایت غم والم سے لباس سیاہ بیچ بدن کے کر کے چہرۂ حال تباہ اپنے کے تئیں ساتھ ناخنِ مصیبت کے نوچا۔ سچ کہتے ہیں ؎

اس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گُل کی، تو موسم ہے خزاں کا

بعد از چند روز کے خویش و اقربا نے رسم تعزیت و دلداری کی بجالا کے کشتیٔ دل شکستہ میری کے تئیں گرداب غم سے اوپر کنارہ صبر و شکیبائی کے پہنچایا۔ جس وقت اِس ماتم زدہ نے رسمیات سوگواری سے فراغت پائی، مالیت باپ کی سے اوپر مبلغ خطیر و گنج وافر کے قابض و مُتصرِّف ہوا اور نہایت خوشحالی و فارغ البالی سے محرمان خلوت سرائے وفا و اخلاص کے تئیں بیچ عشرت کدہ اپنے کے جمع کر کے بساط نشاط کی آراستہ کی، و دوستاں ہم پیالہ و ہم نوالہ نے بیچ بزم مسرت و انبساط کے داد خوش وقتی و خورسندی [۱۵۲] کی دی۔ اس طور سے ایک مدت فجر سے شام تک استفادہ خدمت بزرگوں کی سے روپوش اور شام سے فجر تک خمار نشۂ اوباشی کے سے مدہوش رہنا، اختیار کر کے دست اِسراف بیجا کا اوپر مال مفت کے

دراز کیا اور نقد عمر عزیز کے تئیں بیچ قمار بازی لہو ولعب روزگار ناہنجار کے کھوتا۔ آخرش یہ حالت پہنچی کہ سوائے ایک کلاہ اوپر سر کے اور آہ بیچ جگر کے کچھ باقی نہ رہا اور رفیقانِ جو فروش گندم نما نرد [۱۵۳] رفاقت کے تئیں بیچ ششدر بے وفائی کے چھوڑ کر مانند کافور کے غائب ہو گئے۔ پھر ہر چند دست تأسف کا دندانِ ندامت سے کاٹا اور جتنا کہ خونِ جگر کا کھایا کچھ فائدہ نہ دیکھا۔ اُس وقت میرے تئیں یہ شعر حسب حال اپنے یاد آیا ؎

اس زیست سے بہتر ہے اب موت پہ دل دھریے
جل بجھیے کہیں جا کے یا ڈوب کہیں مریے
کس طور کٹیں راتیں کس طرح سے دن بھریے
کچھ بن نہیں آتا ہے حیران ہوں کیا کریے
کیا کام کیا دل نے دیوانہ کو کیا کہیے

جو بیچ اُس شہر کے بدوضعی، میری سے سوائے قرصِ [۱۵۴] آفتاب کے شکل نان کی دیکھنا ممکن نہ تھا، لاچار بُرقع بے حیائی کا اوپر چہرے کے ڈال کر، بیچ خدمت ہمشیرہ کے، کہ بعد وفات قبلہ گاہ کے اِس بدبخت نے کبھی اِستفسار احوال اُس کے کا، نہ کیا تھا بلکہ پیغام اُس کے کا، جواب بھی نہ دیتا۔ اُفتاں وخیزاں [۱۵۵] پہنچا۔ وہ مُشفِقہ مہر پرور دلنواز نے بہ مقتضائے شفقت وعطوفت کے سرورِ ملاقات میری کے سے مثل گُل کے شگفتہ وسُرخ رنگ و دریافت احوال سراپا ملال، میرے کے سے، مانند غنچہ کے دل تنگ ہوئی اور اِس سرگردانِ دشتِ کوہ حیرانی کے تئیں بیچ ایک مکان مطبوع ودلکش کے جائے سکونت کی دے کے ملبوسات زیبا و فاخرہ ولوزیات [۱۵۶] لطیف و بامزہ واغذیات خوب وخوش ذائقہ کے تئیں لا کے حاضر کیا، جو اس بے سروساماں کے تئیں عالمِ تباہی میں بیچ سیر وتماشائے جہاں کے صورت گندم کی سوائے گندمی رنگ چہرۂ خوبوں کے اور شکل گُنجُد [۱۵۷] کی سوائے خالِ رخسارۂ محبوبوں کے ایک مدت سے نظر نہ پڑی تھی، ایک مرتبہ بہ سبب مہیا ہونے، سب اسبابِ جمعیت کے دوگانہ شکر کا بہ درگاہِ حضرت واہب [۱۵۸] العطایا کے کہ فضل وکرم اُس کا مرہم ناسورِ دل

دردمندوں کا ہے، ادا کیا اور چند روز قدم اُس آرام گاہ سے باہر نہ دیا۔ رفتہ رفتہ ایک روز، اُس کانِ مروت کی نے، نزدیک میرے آ کے بعد، از ذکر اذکار اور طرف کے مصلحتاً فرمایا کہ اے نورِ باصرہ بصیرتِ ہمشیرہ کے اگرچہ ہنوز آتش غم مفارقت کی آبِ زُلال سَیری مواصلت تیری کے سے کماحقہٗ مُنطفی نہیں ہوئی اور دیکھنا تیرا ہر دم باعث زندگانی اس عاجزہ کا ہے، لیکن مَردوں کے تئیں خانہ نشین ہونا سبب پریشانی گونا گوں اور علاوہ اس کے مطعونی[۱۵۹] خاص و عام کے ہے، خصوصاً بے جہت استقامت اس شہر کے سے خویش و بیگانے مظنّہ[۱۶۰] اور پرناخلفی و بے ہُنری و دوں ہمتی تیری کے لے جا کے زبان طعنے کی دراز کریں گے، اس صورت میں واسطہ خفت و ندامت میری و تیری کا اور بدنامی و گمنامی مادر و پدر کا ہے، پس صلاح دولت یہ ہے کہ ارادہ سفر کا اوپر دل اپنے کے مصمم رکھ، انشاء اللہ تعالیٰ اس وسیلۂ جمیلہ سے یقین ہے کہ شب ظلماتِ صعوبت خانہ خرابی کی ساتھ صبح نورانی اور شادمانی کے مُبدّل ہو۔ فقیر نیں در جواب التماس کیا ؎

کہ میرے واسطے خاطر میں جو ترے آوے
وہی ہے خوب مرے حق میں جو تجھے بھاوے

پس اندرون گھر کے جا کر، پچاس توڑے اشرفی کے، آگے میرے لا کے رکھے اور کہا کہ ایک گروہ تجار کا تہیہ سفرِ دمشق کا پیش نہاد خاطر کے رکھتا ہے لازم کہ اس زر سے متاع تجارت کی خرید کر کے جماعت تُجّار سے حوالہ ایک شخص کے کر کے اور دستاویز مکمل اُس سے حاصل کر کے تو بھی رہ نوردِ سرزمین دمشق کا ہو۔ بعد از پہونچنے منزل مقصود کے تمام جنس بہ جنس تیرے تئیں پہنچے گی اور ایوانِ گلہائے مُنفعت بے شمار کے بیچ چمنِ شغلِ سوداگری تیرے کے بہار افزا ہوں گے۔ بندہ نے ارشاد ہدایت بنیاد اُس مظہرِ عاطفت و مکرمت کے تئیں ذریعہ سعادت اپنی کا جان کے بہ موجب اِستصواب اور اِستصلاح[۱۶۱] اُس غمخوار غمگسار کے مال تجارت کا خرید کر کے، حوالہ ایک شخص سوداگر کے کیا، بعد از روانہ ہونے جہاز تجارت کے، چند روز پیچھے بندہ نے بھی تیاری چلنے کی خشکی کی راہ سے کی۔ اُس وقت سوائے

نوازش زرِتجارت کے ایک خلعت زری کا کہ ہر تار اُس کا خجلت [۱۶۲] دہ خطوطِ شعاعی خورشید کا تھا اور ایک گھوڑا باد رفتار برق آہنگ کہ جس کی تیز روی وجلد بازی کے بیان کی سرپٹ سے اشہب تیز گام زبان کا بیچ میدان تقریر کے غلطاں و پیچاں ہے اہاہاہا کیا گھوڑا! ؂

گاہ آجاوے نظر گاہ نظر سے غائب
کہ ہوا بیچ وہ شبرنگ ہے جگنو کی چمک

روبرو سے اگر آئینہ کے اُس گلگوں کو
پھینکتا چڑھ کے جو میں شرق سے لے غرب تلک

اتنے عرصہ میں پھر آتا وہ کہ بے شبہ وشک
عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پاتا منفک [۱۶۳]

اور ایک توڑا [۱۶۴] اشرفی کا بہ تقریب زادِ راہ کے علاوہ عنایات بے غایات [۱۶۵] اول کے تواضع کر کے خوشی وخرّمی تمام سے، میرے تئیں رُخصت کیا اور فاتحہ خیر کی پڑھ کے پادر رِکاب [۱۶۶] ہوا اور رہبریٔ بدرقۂ [۱۶۷] فضل الٰہی کے سے شبانہ روز مانند مہر و ماہ کے سریع السیر ہو کے سب رفقائے ہمراہی سے بعد طے مراحل وقطع منازل کے گرد نواح دمشق کے جا پہنچا۔

جب طائرِ زرّیں بال آفتاب کے نے رُخ بیچ آشیانۂ مغرب کے کیا اور بیضۂ سیمیں ماہتاب کا بطن مرغِ مشکیں شب تار کے سے نمودار ہوا، مُستحفِظان [۱۶۸] ومختار رسان شہر کے نے کہ بموجب حکم والی اس دیار کے مامور تھے، دروازہ شہر پناہ کا مسدود کر کے راہ آمد و رفت صادر و وارد کی بند کی۔ ہرچند کہ عاجز نے ساتھ کمال لجاجت وسماجت کے زبان عجز و نیاز کی واسطے درآمد ہونے شہر کے کھولی، اصلاً عرض میری کے تئیں پیرایہ اِجابت کا نہ بخشا، لاچار بیچ پناہ دیوار کے استقامت کر کے مزاج کے تئیں واسطے شغل بیداری وشب گزاری کے اوپر تماشا برجِ حصار کے کہ رَفعت عمارت اُس کی ہمسر چرخ بریں کی تھی مصروف کیا۔ جس وقت

زلف خاتون شب کی کمر تک پہنچی اور چشم خلائق کی خمار نشۂ غنودگی کے سے سرمست خواب غفلت کے ہوئی یکایک صندوق چوبیں[۱۶۹] فراز دیوار حصار کے سے مانند خورشید کے برج حمل[۱۷۰] کے سے جلا بخش دیدۂ تماشابیں کا ہوا۔ فقیر واردات اس عجائبات کے سے کمال متعجب ہوا کہ آیا یہ خیال طلسمات کا ہے یا مُسبّبُ الاسباب[۱۷۱] حقیقی نے اوپر بیکسی، اس بیکس کے نظر ترحم کی فرما کے، خزانہ غیب کے سے، دولت عمر غیر مُترَقّب مرحمت کی اور بعد یک لحہ کے نشست گاہ سے اُٹھ کے صندوق کے تئیں ایک گوشہ میں لے جا کر کھولا، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک نازنین پری چہرہ حور لقا خورشید طلعت ماہ سیما بلکہ آفتاب بھی فروغ[۱۷۲] جمال صبح اس کے سے کباب آتش حسرت کا تھا اور ماہتاب شُعشۂ حُسن ملیح اُس کے سے داغ رشک کا بیچ سینے کے رکھتا تھا، مانند بسملان شمشیر نگاہ محبوبوں کے زخم ہائے کاری سے مجروح و بیخود، درمیان صندوق کے چشم بند کیے ہوئے، پڑی تڑپتی ہے اور آہستہ آہستہ زبانِ نرم بلبل زبان اُس کی یوں سخن پرداز ہے کہ اے دوست بے وفا، و اے جوفروش گندم نما، و اے کمبخت جفاکار، وائے بد بخت دل افگار، عوض اس نیکی کا اور تلافی اُس مہرورزی[۱۷۳] کا یہی تھا کہ تجھ سے ظہور میں آیا ؎

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہماری لاش کو تشہیر ہے ضرور
آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے

یہ کہہ کے بعد ایک لحہ کے عالم بے ہوشی میں نقاب اوپر چہرے کے کھینچ کر رُخ توجہ کا نہ فرمایا۔ فقیر نے ملاحظہ احوال سراپا درد و ملال اس شمس الضحیٰ بُرجِ حُسن و جمال کے سے نہایت متحیر ہو کے کہا کہ واللہ اعلم کس سنگ دل بیدرد نے سنگ بے مہری کا اوپر سینہ کے رکھ کے خنجر ظلم کا اوپر بدن اِس گلبدن کے مارا کہ اس پری چہرہ کے تئیں ہنوز شبہ مصاحبت اُس کی کا بیچ خیال کے ہے اور یہ شعر بے اختیار اوپر زبان کے گزرا ؎

تڑپتی ہے پڑی بُلبُل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

جس وقت کلمات محبت آمیز، زبان میری سے بیچ گوش ہوش اُس محبوب مرغوب کے پہنچے ایک مرتبہ پردہ اغماز کا دروازہ چشم نرگسیں کے سے اُٹھا کے میری طرف متوجہ ہوئی۔ سُبحان اللہ ؎

برقع کو اُٹھا چہرہ سے وہ بُت کہ بر آیا
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

جب نگاہ اُس جادو نگاہ کی ساتھ نگاہ میری کے ہم نگاہ ہوئی، واللہ کہ اپنے تئیں مقدور نگاہ رکھنے کا نہ پایا ؎

نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جب لڑیاں
یکا یک کُھل گئیں دونوں طرف سے دل کی گل چھڑیاں

لیکن از بس کہ تاب جمال اُس کے کی نہ لایا، مانند اُس مجروح دل خستہ کے زخم تیغ چشم اُس کی سے بے حس و حرکت ہوا۔ بعد ایک لمحہ کے، دماغ کے تئیں نسیم ورق گلاب رُخسارہ اُس گلستان خوبروی کے سے معطر کر کے کہا کہ اے نو بہارستان ملاحت کی، سچ کہہ کہ توں سرو خراماں کس چمن کی ہے، و اے روشن چراغ شبستان نزاکت کی توں شمع شب افروز کس انجمن کی ہے، باعث اس واردات کا کیا ہے اور قصہ سرگزشت تیری کا کیوں کر ہے، جو وہ نازنین شدتِ درد جراحت ہائے کاری کے سے تاب گفتگو کی نہ رکھتی تھی۔ نہایت آہستگی سے پستہ دہان کے تئیں شیریں زبانی سے شکر آمیز کر کے بولی ؎

یا چشم تر ہوں یا رگِ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں
گریاں بشکل شیشہ و خنداں بطرزِ جام
اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

اے عزیز، از بس بے طاقتی سے، اس مجروح بے طاقت کے تئیں طاقت گزارش احوال پُرملال کی نہیں۔ اغلب کہ کوئی لحہ میں، طائرروح کا قفس تن کے سے بلند پرواز عالم فنا کا ہو، اگر تو بہ مقتضائے حمیت و جواں مردی کے مزاج اپنے کے تئیں اوپر استفسار بے فائدہ حال تباہ میرے کے تئیں مصروف نہ کرکے اور برائے اللہ اس بَرگشتہ طالع کے تئیں بیچ ایک گوشۂ صحرا کے مدفون کرے تو باعث نجات اس تیرہ بخت کا، ملامت زبانِ خلائق کے سے کہ فی الحقیقت سوادالوجہ فی الدارین کا ہے ہووے اور اقدام اس امر خیر کے سے توں بھی داخل ثوابِ عظیم کے ہو کر جزا اس نیکی کمال کی بارگاہ کبریائے حضرت عالم السّرِ وَ الخفیات کے سے حاصل کرے۔ یہ کہہ کر خاموش ہوئی۔ جو وقت شب کے عالم بیکسی میں کچھ چارہ نہ تھا لاچار صندوق کے تئیں خواب گاہ اپنی پر اٹھا لاکے بے اختیار روتا تھا اور پڑھتا تھا ؂

شبِ غربت میں یار و گریہ وزاری ہے اور میں ہوں
جھپکتی ایک پل نئیں آنکھ، بیداری ہے اور میں ہوں

غرض تمام شب گریہ وزاری و ستارہ شماری سے بسر لے جاکے اس فکر میں تھا، الٰہی کب مرغ صبح خیز شمس کا بیچ قفس مشرق کے منقار شعاع کے سے صدا روشنی کی بلند کرے گا اور کب عابدِ شب زندہ دار [۱۷۴] ماہ کا تسبیح ستاروں کے تئیں، بیچ سجادۂ سپہر کے رکھ کے متوجہ آرام گاہ مغرب کے ہوگا کہ میں داخل شہر کے ہو کر تدبیر معالجہ کی کروں۔ اس عرصہ میں شاہ زرّیں کلاہ خورشید کا اوپر تخت زمرّدیں افلاک کے جلوہ آرا ہو کے تجلی بخش ساحت [۱۷۵] سرزمین دمشق کا ہوا۔ بندہ نے اُس وقت قید انتظار کی سے مخلصی پا کر دوگانہ شکرانہ کا، بیچ جناب حضرت کارساز حقیقی کے ادا کیا اور صندوق کے تئیں درمیان خورجین [۱۷۶] گھوڑے کے کس کے داخل شہر کے ہوا اور ہر ایک متنفس سے مُستَفسِر [۱۷۷] و مُتلاشی مکان کرایے کا تھا۔ آخرش بعد تفحص و تجسسِ بسیار کے، ایک حویلی خوش تعمیر و خوش اسلوب کہ جس کے دیکھتے ہی غنچہ دل کا کھل جاوے، کرایہ لے کر اُس ماہ جبیں کے تئیں درمیان کنج خانہ کے مکان محفوظ میں، مانند حرف یاد الٰہی کے بیچ نقطۂ سویدائے [۱۷۸] دل واصلان درگاہ کبریائی

کے او پر بچھونے نرم کے کہ ملائم تر رخسار سیمیں[۱۷۹] عذاران کے سے تھا، چھوڑا و معتمدان ہمراہی کے تئیں بیچ خدمتگاری اس نازنین کے تعین کر کے آپ واسطے تحقیقات مکان جراح کے حویلی سے باہر آیا۔ چنانچہ زبانی ایک شخص کے معلوم ہوا کہ عیسٰی نامی ایک جراح بہ کمال کسب طبابت و جراحی کے، کہ اگر مُردے کے تئیں بھی چاہے تو عنایت الٰہی سے زندہ کرے، فلانے محلہ میں رہتا ہے۔ فقیر اس گلبانگ[۱۸۰] بشارت اندوز سے بسان[۱۸۱] گل کے شگفتہ وخنداں ہو کر پوچھتے پوچھتے او پر دروازہ جراح کے کہ مثل دل بیدار دلوں کے کشادہ تھا، جا پہنچا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ وہ متبرک ذات خضر صفات بیچ دہلیز گھر کے رونق افزا ہے۔ فقیر نے مصلحتاً بعد آداب سلام کے التماس کیا کہ اے مرد نیک سیرت، خجستہ طلعت یہ غریب مسافت بعید سے معشوقہ اپنی کو کہ مدار زندگی میری کا، او پر مشاہدۂ جمال مہر تمثال اُس کے ہے، ساتھ لیے بہ تہیہ روزگار تجارت پیشگی کے اس طرف کو آتا تھا، جب بفاصلہ ایک فرسخ اُس طرف شہر کے پہنچا، عروس شفق کی نیں کاکل مشکیں شام کی او پر چہرے کے کھینچی جو اپنے تئیں ملک بیگانہ میں اصلاً منزل شناسی کی اطلاع نہ تھی، لاچار وقت شب کے حرکت کرنا، اس جگہ سے امر محال جان کے، وہیں زیر سایہ درخت کے استقامت کی قضایا وقت نصف شب کے ایک گروہ رہزنوں کا مستعد و مسلح او پر سر میرے کے آٹوٹا اور جو کچھ مال متاع بیچ بساط جمعیت میری کے تھا بالکل لوٹ لیا، علاوہ اُس کے اُس گل اندام عطر بخش مشام زندگانی اس ناتواں کے تئیں بہ طمع زیور کے جراحت ہائے کاری سے رشک تختۂ شقائق کا کیا۔ جو مرضی الٰہی سے کچھ چارہ نہیں، باقی شب اللہ اللہ کر کے بسر لے گیا۔ علی الصباح داخل شہر کے ہو کے ایک حویلی کرایے کی میں اُس آرام خاطر کے تئیں چھوڑ کر رہبری طالع سعید کے سے مستفید خدمت فیض موہبت تیری کا ہوا ہوں۔ جو حکیم علی الاطلاق[۱۸۲] نے تیرے تئیں داد رس ملہوفان خدنگِ[۱۸۳] بلا کا کیا ہے، بہ مقتضائے غریب پروری و عاجز نوازی کے اگر کلبۂ احزاں[۱۸۴] میرے کے تئیں قدوم[۱۸۵] میمنت لزوم اپنے سے منور کرے، بندۂ بے درم خریدہ ہوتا ہوں۔ بارے جراح نے او پر حال تباہ میرے

کے نظر ترحم کی فرما کے، غریب خانے تک قدم رنجہ فرمایا و بعد ملاحظہ زخموں کے نہایت دلنوازی سے اوپر درد سر میرے کے صندل تشفّی کا لیپ کے کہا کہ اگر فضل الٰہی شامل حال فرخندہ مآل اس پری تمثال کے ہے، انشاء اللہ تعالیٰ چالیس روز کے عرصہ میں غسل شفا کا کراتا ہوں وصحت کامل نصیب اس عنصر لطیف کے ہوتی ہے۔ غرض اُس مردِ نیک ذات، خضر صفات نے بعد از کلمات مہر انگیز کے یَراق[۱۸۶] اپنے سے ایک ڈبیا مرہم کافوری کی، کہ فی الحقیقت بیچ حق اُس سکندر طالع کے آبِ حیات تھی نکال کے پھاہے اُس کے جا بجا اوپر زخم ہائے کاری کے لگائے اور بہ مقتضائے کمال مہر ورزی و دلنوازی کے اقرار خبر گیری دو وقتہ کا کر کے سوال رخصت کا کیا۔ جو میرے تئیں تشریف فرما ہونا اُس مرد بزرگ کا باعث جہاں جہاں نشاط اور سبب عالم عالم انبساط کا تھا، جان و مال سے بیچ خدمت اُس پیر مرد کے رسم تعظیم و تواضع کی بجالا کے مرخص[۱۸۷] کیا۔ بارے چند روز میں توجہات باطنی سے جراح نے ایفا وعدہ کر کے اس قمر طلعت کے تئیں غسل شفا کا کرایا۔ میں نے اُس وقت خوش وقتی اس مَعراج طالع اپنے کے تئیں تسخیر ہَفت اقلیم کے سے نسبت دینا غلط فہمی ابنائے روزگار کی جان کے دوگانہ شکرانے کا بیچ بارگاہ شافی مطلق کے ادا کیا اور اُس سیمیں بدن کے تئیں فرش قالین و قاقُم[۱۸۸] کا بچھا کے اوپر مَسند جاہ و حشمت کے رونق افروز کر کے جو کچھ نقد و جنس سے بیچ بساط جمیعت کے موجود رکھتا تھا نثار اُس گل عذار[۱۸۹] کے کیا اور اپنے تئیں مانند عندلیب شیدا کے اس نرگسیں چشم پر جان و مال سے فدا کر کے بندگی اس کی کے تئیں افتخار کونین کا جانا۔ سبحان اللہ جب خورشید جمال اس مہر تمثال کا گسوف رنج و ملال جراحت ہائے مالا مال سے نکل کے اوپر مطلع صباحت و وجاہت کے درخشاں ہوا، بے شائبہ تکلف آفتاب، تاباں مانند مہتاب کے تاب حُسن اُس کے کی نہ لا کے تاب سے بے تاب ہوا ؎

حُسن ایسا کہ جگر ماہ کا ہو جاوے داغ
اُس کی تشبیہ سے جب اُس کو تجاوز دے فلک

رنگ سے چہرہ کے شرمندہ ہو کندن کی دمک
آ گے غبغب[۱۹۰] کے خجالت زدہ سونے کی ڈھلک
قامت ایسا ہے کہ ہنگامِ خرام اُس کے اگر
آ گے آ جاوے قیامت تو یہ بولے کہ سَرَک
زرق و برق ایسی ہے پوشاک میں اُس کی کہ جسے
کوند بجلی کی کہوں یا کہوں شعلے کی جھلک
جیسی ہو سج سے گلے بیچ حمائل گُل کی
ویسی ہی عطر کی بو، وِتنی ہی سوندھی کی مہک
غرض اس شکل سے آئے جو نظر وہ یارو
کہا میں دل کے تئیں دیکھ کے، اللہ مَعَک[۱۹۱]

قصہ مختصر یہ فقیر بہ مُقتضائے[۱۹۲] محبت عاشقانہ کے شبانہ روز کمر اطاعت کی بیچ خدمت، اُس زیبا طلعت کے محکم باندھ کے حاضر و مستعد رہتا لیکن وہ، از بسکہ غرور حُسن و ریاست کا بیچ دماغ کے رکھتی تھی، میری طرف بہ نظر الفت شاہدانہ کے رُخ توجہ کا نہ فرماتی اور اکثر اظہار کرتی کہ اگر تیرے تئیں دلداری ہماری منظور ہے، زینہار بیچ حرکات وسکنات ہمارے کے، دخل تفتیش کا نہ کرنا۔ خبر شرط ہے مگر پاس مروّت دلنوازی کا بیچ تلافی حقوق خدمت گزاری کے، البتہ ملحوظ خاطر رکھتی، چنانچہ فقیر بھی اِسترضائے[۱۹۳] اُس کی سے سرمو تجاوز نہ کرتا بلکہ اتنی بھی مہرورزی کے تئیں محض یاوری بخت اپنے کی جانتا اور ایک مدت تک ،فرمائش اُس کی کے تئیں بسر وچشم بجالاتا۔ آخرش نقل مشہور ہے، زر کار کُند و مرد لاف زند۔ جو یہ عاجز اثاث البیت[۱۹۴] سے تا متاع و اِنتِفاع[۱۹۵] جہاز تجارت تک جو کچھ بیچ قبضہ اختیار اپنے کے رکھتا تھا، نثار اس مایۂ ناز کے کر چکا اور ملک بیگانہ میں کوئی تفقّد[۱۹۶] طرازِ احوال بے حال اپنے کا نہ دیکھا، اس سبب سے بہ مضمون اس کے کہ بے زر بے پَر، طاقت توانائی میری کے طاق اور خواب بیچ چشم میری کے خواب ہوئی اور چہرہ میرا کہ عکس پذیرائی شعاع

مہر لقائے اس نور الٰہی کے سے مانند بدرِ منیر کے تاباں ہوا تھا، جا نگاہی فکرِ اخراجات لابدی کے سے مثل ہلال کے حقیر ہوا۔ رفتہ رفتہ ایک روز اس دانائے عصر نے ذکائے طبیعت کے سے، ماہیت احوال میری کی، دریافت کر کے کہا کہ اے عزیز، حقوق خدمت گزاری تیری کا، بیچ خدمت ہماری کے اس قدر ثابت ہے کہ تلافی اس کی سے عہدہ برآ ہونا[197] ممکن نہیں لیکن واسطے اخراجات ضروری کے غبار تردد او پر اندیشے کا بیچ دامنِ طبیعت کے نہ جھاڑ، بفضل الٰہی سب آسان ہووے گا۔ پر ایک پرچہ کاغذ کا اور روشنائی و قلم حاضر کر۔ بندہ نے اُس وقت عقل سے معلوم کیا کہ شاید کسی ملک کی بادشاہزادی ہے کہ اس دماغ سے باتیں کرتی ہے اور بہ موجب حکم کے سامان لکھنے کا حاضر کیا۔ چنانچہ اُس نازنیں نے ایک رقعہ بقلم اعجاز رقم کے کہ اگر پیر عطارِد[198] جو دبیر فلک کا کہلاتا ہے، قطع نظر تمام ملاحظۂ خط مشکیں اور عبارت رنگیں اُس کی سے اگر صرف یک الف پیشانی اُس کے کا کہ بجائے بسم اللہ کے لکھتے ہیں، دیکھے تو محنت سیاہہ[199] نویسی دفتر روزگار کے سے کہ پُشتِ دَوتا[200] اور نہایت ضعیف ہو کر دل تپاں ہے، بکمال خوش وقتی سے عصائے پیری اپنے کا، جان کے قوت نوجوانی کی حاصل کرے، لکھ کر حوالے میرے کیا اور فرمایا نزدیک ترپولیہ قلعہ کے فلانے کوچے میں ایک عمارت عظیم الشان واقع ہے اور مالک اُس کا شیدی بہار نامی ایک شخص ہے، تو جا کر اس رقعہ کے تیئں اُس مکان کے مالک کو دے۔ فقیر حسب الارشاد رخصت ہو کے رقعہ کے تیئں لے کر او پر منزل مقصود کے جا پہنچا اور زبانی ایک دربان کے حقیقت ابلاغ حکم کی کر بھیجی، بہ مجرد سُننے اس بات کے ایک حبشی نوجوان سبز رنگ نہایت وجاہت اور صباحت میں ممتاز ایک پھیٹا[201] بسنتی، سجے ہوئے حویلی سے برآمد ہوا، اللہ اللہ

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہِ طور کا
پڑھیے درود حُسن صبیح و ملیح دیکھ
جلوہ ہر ایک پر ہے محمدؐ کے نور کا

پس ملاحت اُس حُسن ملیح کی اور پھبن بسنتی پھینٹے کی بھی خاطر سے فراموش نہیں ہوتی، جیسا ہی سبز رنگ چہرہ کا تھا ویسا ہی سبز رنگ پھینٹے کا، گویا عالم اس شعر کا اُس پر ختم ہے ؎

حُسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

نکلتے ہی دروازے سے بے حرف و حکایت پھر اندرون محل سرا کے جا کے بعد ایک ساعت کے گیارہ کشتی سر بہ مہر زَربفت کی، تورہ پوشوں [۲۰۲] سے چھپی ہوئیں، غلامان غلمان سرِشت کے سر پر، لے کے باہر آیا اور کہا کہ ہمراہ اس جوان کے جا کے کشتیوں کے تئیں پہنچا اور بارے میں اُس اسم با مسمّٰی سے رخصت ہو کر پیچ خدمت اُس بدیع الجمال کے پہنچا اور غلاموں کے تئیں دروازہ سے رخصت کر کے کشتیاں سر بہ مہر پیچ نظر مبارک ملکہ ماہ سیما کے گزرانیاں۔ بعد ملاحظہ کے میری طرف مخاطب ہو کے فرمایا کہ بالفعل [۲۰۳] گیارہ توڑے اشرفیوں کے لے اور سرانجام ضروریات سے جو کچھ کہ چاہے اسباب درست کر، آگے خدا رزّاق مطلق ہے، بقول اس کبت کے ؎

جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو، جب دانت دیے، کا اَنّ نہ دیہے
جو جل میں تھل میں پنچھی پُش کی سُدھ لیت، سو تیری ہو لیہے
کاہے کو سوچ کرے من مؤرکھ، سوچ کرے کچھ ہاتھ نہ ایہے
جان کو دیت، آ جان کو دیت، جہان کو دیت، سو تو ہُو کو دیہے

اور مرزا عبدالقادر بیدلؔ فرماتے ہیں ؎

چرا خود را اسیر غم ز فکر بیش و کم داری
کہ نہ گزارد ترا محتاج ایزد تا کہ دم داری
مشو بے دست و پا از مفلسی و بے کسی ہرگز
مگر نشنیدۂ بیدلؔ خدا داری چہ غم داری

بارے فقیر نیں حسب الارشاد اس خجستہ طالع کے زر کے تئیں لے کے رفع احتیاج ضروری کا کیا اور مرض محتاجگی کے سے کہ، بے ہوش اور بدحواس تھا، فی الجملہ افاقت میں آیا لیکن یہ عقدہ بیچ خاطر میری کے اُگرہ [۲۰۴] ہوا اور معمّہ اس بات کا بیچ دل میرے کے لاحل رہا کہ بارے یہ کیا خیال تھا کہ بہ مجرد دیکھنے پرچہ کاغذ کے ایک شخص نا آشنا صورت نیں بے حرف و حکایت مبلغ خطیر حوالے میرے کیے۔ پر اس نازنیں نیں جو میرے تئیں روز اوّل تفحص اور تجسّس حرکات و سکنات اپنی کے سے منع کیا تھا، اس باعث سے مجال دم مارنے کی نہ تھی۔ رفتہ رفتہ بعد ایک ہفتہ کے اُس پری چہرہ نیں میری طرف مخاطب ہو کے فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نیں جس بشر کے قامت رعنا پر، خلعت انسانیت اور مروّت کا آراستہ کیا ہے، اُس کے تئیں لباس کہنہ سے، حرف اوپر شخصیت کے نہیں لیکن بہ نظر ظاہر پرستی کے معیوب ہے۔ پس توں دو توڑے اشرفیوں کے ہمراہ لے کے درمیان چارسو سے بازار کے بیچ دوکان یوسف نامی ایک سوداگر بچہ کے جا اور قدرے جواہر گراں بہا اور دو خلعت فاخرہ و زیبا خرید کر کے لا۔ یہ عاجز بہ موجب ارشاد اُس زلیخائے مصر نزاکت اور لطافت کے سوار ہو کر بیچ چارسوئے بازار کے، اوپر دوکان سوداگر بچّہ کے جا پہنچا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک نوجوان فرشتہ طلعت خورشید لقا کہ ایک عالم گرد اس ماہ تاباں کے بسانِ ہالہ [۲۰۵] کے حلقہ مار کے مستعد ہے کہ بیچ چاہ زنخداں اُس کی کے ڈوب مرے، لباس زعفرانی پہنے ہوئے اوپر مسند خوبروئی کے جلوہ افروز ہے، واقعی ؎

ہے جھوٹ کہ حُسن کا تھا بانی یوسف
رکھتا تھا کہاں یہ نوجوانی یوسف
یہ کہنے کی باتیں ہیں کہ یوں تھا ووں تھا
شاید کہ نہ ہوگا اُس کا ثانی یوسف

قصہ مختصر یہ عاجز، دیوانگی شوق دیدار اُس کی سے مانند مجذوبوں کے نزدیک جا کر رسم صاحب سلامت کی بجالایا اور اوپر حسن خداداد اُس کے ہزار ہا تحسین و آفریں کر کے بعد

اِختلاط گرمیٔ محبت کے سامان مطلوبہ درخواست کیا، جو فحوائے کلام میرے کے تئیں اُصلا زبان دمشق کی سے کچھ مناسبت نہ تھی، اُس جوان خوش طبیعت زیبا طلعت نے بھی خیال اپنا اوپر گفتگوئے دلچسپ میری کے مصروف کر کے کہا کہ آنچہ در بُغد اداست گردسر خلیفہ۔ لیکن جب سررشتۂ محبت اور مَودّت[۲۰۶] جانبَین[۲۰۷] کے نے اِنضباط و اِستحکام تمام پایا پھر اِخفائے راز و نیاز طَرفین کا بعید شرط اخلاص کے سے ہے۔ پس مَولد و مَوطِن شریف سے اس مخلص یکرنگ کے تئیں مطلع کرنا از جملہ واجبات ہے اور اطلاع سبب استقامت ملک بیگانہ کے بھی بہ مقتضائے یک جہتی کے ضرور۔ جو میرے تئیں نشوونما کرنا اپنا بیچ اُس شہر کے منظور نہ تھا اور اس وقت کی راست گوئی کے تئیں صرف وبال گردن کا جانا، اس واسطے بقول کلام بزرگوں کے کہ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز، نظر بہ اصلاح وقت کے جو کچھ مناسب جانا اظہار کیا اور بعد حصول مطالب کے سوال رخصت کا درپیش لایا۔ نوجوان از بس کہ سلیقہ دل پر چاونی[۲۰۸] کا زیادہ رکھتا تھا روکھا ہو کے بولا کہ، اے عزیز، اگر تیرے تئیں پیچھے سے چراغ محبت کا آستین بے وفائی کی سے گل کرنا تھا، بس کیا ضرور تھا کہ تو اوّل بڑی گرمی سے رسم صاحب سلامت کی بجالایا، خیر۔

بیت

جو ایسا جاؤں جاؤں کرتے ہو تو سدھارو
اس دل پہ کل جو ہوئے، سو آج ہی وہ ہُولے

میرے تئیں ایک ادا سے اس بات کا ادا کرناں اُس کا نپٹ ہی دل کوں بھایا اور انسانیت میری مقتضی اس حرکت کی نہ ہوئی کہ یک مرتبہ چشمِ مروّت کی بند کر، بے رضائے خاطر اُس کی اُٹھ کھڑا ہوں، پاس خاطر اُس کے ایک دم اور بھی ٹھہر کے یہ شعر زبان پر لایا ؎

یہ جو کہتے ہو قدم چھوڑ کہاں جاؤں گا
تجھ سا میں یار وفادار کہاں پاؤں گا

بارے اتنی بات سے اُن نے بھی ہنس دیا اور کہا کہ اگر آج بیچ مہماں سرائے میری کے قدم رنجہ فرمایئے تو بزم نشاط کی آراستہ کر کے چند ساعت سرور خاطر سے گزرانوں اور لوازم اُکل وشُرب کا ترتیب دے کے فیض نعمت صحبت تیری کے سے بہرہ عشرت کا حاصل کروں۔ اس عاجز نیں بخیال تنہائی اُس نازنین کے ہر چند کہ عذر اقبال ضیافت کا چاہا قبول نہ کیا اور جتنی کہ معذرت کی، مبالغہ اُس کا کم نہ ہوا۔ لاچار بہ وعدہ پہنچا آنے جواہر کے اقرار حاضر ہونے کا، بیچ مہماں سرائے اُس یگانۂ زمانہ کے کر کے، دوکان سے اُٹھ کر جواہر کے تیئں بیچ خدمت ملکہ خورشید لقا کے لایا۔ جس وقت ملکہ نیں حقیقت قیمت جواہر کی اور وضع اور عادت جوہری کی استفسار کی، قصہ سرگزشت اپنی کا سرنو سے التماس کیا۔ فرمایا کہ اے جواں مرد، آدمی کے تیئں ایفائے وعدہ کا نہایت ضرور ہے، پس توں میرے تیئں حافظ حقیقی کوں سپرد کر کے اَلکَرِیمُ اِذا وَعَدَ وَفا، کوں کام فرما اور جوہری کے ڈیرے جا کر اجابت دعوت کی کر، کہ سنت نبویؐ ہے۔ حالانکہ جدائی اُس پری پیکر کی ایک لحمہ میرے تیئں برابر ہزار سال کے تھی اور تقاضا ادب کا بھی نہیں کہ تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں لیکن بحکم اَلاَمرُ فَوقَ الاَدَب کے چاروناچار او پر دوکان جواہر فروش کے کہ چشم انتظار کی بیچ رہگزر میری کے دوچار رکھتا تھا، جا کر وعدے کوں وفا کیا۔ وہ جوان نہایت تپاک سے ہمدست ہو کے میرے تیئں اُس مکان سے اُٹھا کر، بیچ ایک باغ کے کہ طَراوَت ونَزاہت[۲۰۹] میں روضۂ رضواں سے دلکشا تھا اور گلزار ہمیشہ بہار اُس کی نظارت ریاض جنت کی سے فرح افزا تھی لے گیا اور لباس زیبا او پر قامت اپنے کے راست کر کے، بعد ایک ساعت کے زینت آرائے مجلس کا ہوا، واقعی اُس پوشاک نے کیا ہی اُس قامتِ زیبا پر بہار زیبائش کی دی تھی کہ یہ شعر بے اختیار زبان پر گزرا ؎

سودا یوسف کا زلیخا ہی تلک ہو گزرا
پھرتے ہیں سر کو لیے تیرے خریدار کئی

اس بات کو سُنتے ہی اور بھی، خوش ہو کر بولا کہ، صلاح یہ ہے کہ آپ بھی تبدیل لباس کا

کر کے رونق افروز مجلس کے ہوں، چنانچہ فقیر واسطے دلداری کے یوں ہی عمل میں لایا۔ غرض کہ اُس عزیز نے نہایت تکلف سے مجلس ضیافت کی آراستہ کی اور اسباب عیش وطرب کا جیسا چاہیے تیار کیا۔ کبھی نکتہ ہائے شیریں سے بیچ گوش سامعانِ مجلس انبساط کے موتی لذت کے پروتا اور کبھی لطیفہ ہائے رنگیں سے غنچۂ خاطر حاضران مجلس نشاط کے تئیں شگفتگی عشرت کی دیتا۔ جب کاسہ دماغ کا شراب خرمی کے سے لبریز ہوا اُس وقت چار امرد سادہ روغلمان سرِشت مانند ماہِ شب چہاردہم کے زلفِ مسلسل او پر رخسارے کے مثل سنبل کے گُلِ یاسمیں پر پیچیدہ کیے زینت بخش محفل کے ہوئے اور ساز خوش آواز چھیڑ کر کے ایسی خوش الحانی سے نغمۂ تہنیت آمیز شروع کیا کہ ایک مرتبہ اُس کے سننے سے داؤدؑ بھی وجد میں آجاوے اور جو آواز اُس کی بیچ سرزمیں ہند کے پہنچے تو بے شائبۂ تکلف اودھو نائکؔ اور تان سینؔ سبق تربیت کا بیچ دبستانِ شوق کے پڑھیں۔ اس عرصہ میں اُس جوان نے دو چار اشک کے قطرے دیدۂ پُرآب سے نکال کر میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ رازِ پنہانی دوستانِ جانی سے چھپانا کسی مَشرَب میں شایان یک جہتی کے نہیں اِس واسطے بے تکلفانہ اظہار کرتا ہوں کہ، اگر اجازت ہو تو معشوقہ اپنی کے تئیں بھی، بیچ اس مجلس کے بُلوا کر تسکین دل بیتاب کی کروں کہ اُس کے فراق میں ایک بند مخمّس کا حسب حال میرے بے اختیار زبان پر گزرتا ہے۔

نہ مجھ کو شرم عالم کی، نہ ننگ و نام کی خواہش
نہ دن کو چین ڈھونڈوں ہوں، نہ شب آرام کی خواہش
نہ مجھ کو مے خوش آتی ہے، نہ مجھ کو جام کی خواہش
پر اک رہتی ہے، مجھ کو ساقئ گلفام کی خواہش
جو آجاوے تو جی جانا، جو اُٹھ جاوے تو مر جانا

میرے تئیں اُس کے مبالغہ سے نہایت شوق دیکھنے کا زیادہ ہوا اور اُس جوان سے کہا

کہ واہ واہ اس سے کیا بہتر ہے

گر مری آنکھوں پہ رکھ دیوے قدم وہ نازنیں
خارِ ہر مژگاں مرا ہووے ابھی رشکِ چمن

بہ کشادہ پیشانی بُلوائیے اور چشم منتظر مشتاقوں کے تئیں جمال فرحت آثار اُس کے سے منور کیجیے۔ بارے اس جوان نیں اشارہ درِ پردہ کے کیا، بعد ایک ساعت کے دیکھتا کیا ہوں کہ ایک رنڈی کریہہ منظر بدہیئت کہ جس کے دیکھتے روح بیچ قالب کے جذب ہو جائے، چڑیل کے سے ہاتھ پاؤں لے کے، برابر اس جوان کے آ بیٹھی

بس اُسے دیکھتے ہی ہوش مرا بھول گیا
باغِ مجلس میں کوئی اور ہی گل پھول گیا

میں اس واردات سے اپنے دل میں بہت محظوظ ہوا کہ الٰہی وہ یہی محبوب دل پسند اُن کی ہے کہ جس کی تعریف اس مبالغہ سے تھی، پھر جو سوچا تو یہی ہے گوشت خر و دندانِ سگ۔ مُقَصَّر [۲۱۰] یہ کہ تین روز کامل ہنگامہ بزم نائے و نوش کا گرم رہا اور فقیر بیچ خواب غفلت کے بد مست و مدہوش ہو کے کچھ خبر آپ سے نہ رکھتا تھا۔ روز چہارم جب کیخسرو سیمیں بخت ماہ کا بیچ شبستان مغرب کے گیا اور شہسوار زریں لباس آفتاب کے نے بیچ میدان اُفق کے قصد ترک تازی کا کیا، جوان نے گراں خواب بیہوشی سے میرے تئیں بیدار کیا اور صدائے نوشانوش [۲۱۱] کی گرم کر کے مشغول عیش و طرب کا ہوا۔ ایک لمحہ پیچھے معشوقہ پسندیدہ اپنی سے کہا کہ اس سے زیادہ تکلیف ضیافت کی دینا بعید رسم مہمانداری کی سے ہے، پس اب تخفیف تصدیعہ مہمان عزیز کے سے راضی ہونا، شرط دلداری و میزبانی کی ہے۔ آخرش دونوں ہم دست مجلس سے برآئے اور میں اجازت و دستوری اُس جوان سے لے کر سبکدوش اُٹھا اور جلدی پوشاک قدیم اپنی پہن کر روانہ غریب خانے کا ہوا۔ جو ابتدا سے کبھی اتفاق جدا رہنے کا، اُس ملکۂ جادو ادا سے نہ ہوا تھا اس سبب سے خجالت زدہ و محجوب ہو کر زبان معذرت کی، بیچ خدمت اُس شیریں دہن کے کھولی اور قصہ ضیافت کا مفصل نقل کیا۔ بفضل الٰہی وہ کہ

دانائے عصر تھی، میرے تئیں نہایت دلداری سے فرمایا اگر دو تین روز مہمان خانہ میں اتفاق رہنے کا ہوا، کچھ مضائقہ نہیں کہ مشہور ہے رفتن بہ ارادت و آمدن بہ اجازت۔ توں گرد انفعال بیجا کی چہرہ حال کے سے جھاڑ کر اس کے ہر گز تشویشِ بیچ خاطر کے نہ لا لیکن تیرے تئیں بھی اسباب ضیافت اُس کے کا ترتیب دینا از جملہ واجبات ہے، پر عدم سرانجام ضروری سے کچھ فکر اندیشہ نہ کر، یہی کہ جوان مرد جواہر فروش کے تئیں اپنے ساتھ لے آوے اور یہاں خدا کے فضل سے ایک دم میں سب لوازمہ ضیافت کا آئین شائستہ سے زیب ترتیب کی پاوے گا۔ فقیر نے بہ موجب امر کے اُسی وقت جواہر فروش سے جا کے کہا کہ جو یہ عاجز فرمانے تیرے کے تئیں بسر و چشم بجالایا، پس بہ مقتضائے مہر و محبت کے اگر توں بھی نور قدوم بہت لزوم اپنے کے سے شبستان آرزوئے مشتاق کے تئیں منور کرے، گنجائش رکھتا ہے۔ غرض کہ اُس کے تئیں نہایت مبالغہ سے ہمراہ لے کر ڈیرے کو آتا تھا اور بے مائیگی اپنی سے یہ خیال جی میں لاتا تھا ؎

مفلسی سب وقار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے

اگر آج میرے تئیں مقدور ہوتا تو سرانجام دعوت کا اس سے بہتر تیار کرتا اور اب جو بے اختیاری سے اُس کو لے کر مکان میں جاتا ہوں خدا جانے کہ کیا اتفاق درپیش آوے اس خیال میں مضطر و متفکر چلا جاتا تھا۔

جب مسافر جہاں پیمائے آفتاب کا قطع مسافت گیتی کا کر کے بیچ منزل گاہ مغرب کے پہنچا آخر روز نزدیک غریب خانے کے آ کر ایک مرتبہ دیکھتا کیا ہوں کہ کوچہ حویلی کا از بس آرائش لوازم ضیافت کے سے رشک افزائے گلستان فردوس کا ہو رہا ہے اور میدان جلو خانے کا جاروب کشی کی رخت [۲۱۲] وروب [۲۱۳] سے خجلت دہ صفائی رخسارہ محبوبوں کا ہو گیا۔ فقیر نے اس واردات سے مانند آئینہ کے پشت او پر دیوار حیرت کے رکھ کے غور کیا کہ یارب یہ عالم طلسم کا ہے یا خواب و خیال ہے یا غلطی سے، راہ گھر کی فراموش کر کے، والیٔ شہر کی دولت

سرا پر پہنچا ہوں کہ اس مرتبہ انبوہ مردم کا صف بہ صف مستعد تیاری جشن شاہانہ کے ہے۔ آخرش آثارِ علامات سے نشان گھر کا معلوم کر کے اندرون دروازہ کے داخل ہوا تو کیا نظر پڑتا ہے کہ آب پاشی صحن دیوان خانہ کی نے ترشح شبنم گلزار کے تئیں بے آب کر رکھا ہے اور شفافی فرش چاندنی کی نیں رنگ چہرہ چاندنی کے تئیں سفید کر دیا ہے ایک طرف جماعت مُخدّرات [۲۱۴] چراغاں کی بیچ نقاب ٹٹی ابرق کے نور افزائے دیدۂ نظارگیوں کی ہو رہی ہے اور ایک طرف نوعروسان شمع کے بیچ چھپان فانوسوں کے جلوہ آرا ہو کر فروغ بخش چشم مشتاقوں کی ہوتے ہیں۔

زبس کیا ہے مرصع اُسے جواہر سے
ہے کان لعل سے خالی گہر ستی دریا
ہر ایک حلقۂ زنجیر سقف [۲۱۵] میں اُس کے
عجب ہی لطف سے ہر قمقمے کو نصب کیا
بیاں میں کیا کروں اس لطف کے تئیں جیسے
بندھا ہے زلف میں معشوق کے دل عاشق کا

کہیں صدا تان ترنگ کی و آواز ترانۂ موزوں ارباب وآہنگ کی سُرنائے گلو مطربان خوش نوا نغمہ سنج کے سے بہ نحو حالت درمست و دیوار مست کے بندھ رہی ہے اور کہیں ساقیان خوش لقا جادو ادا باز لف دل آویز و تبسم شکر ریز کے مے گلگوں کے شیشہ سے جام مرصع پُر کر کے مشغول مراسم تواضع ولوازم مہمانداری کے تھے کوئی حُسنِ نمکین سے نمکدانِ گزک بیچ ہاتھ نازنین کے لے کر نمک شوق کا او پر کباب دل سوختگان محبت کے چھڑکتا اور کوئی غبغب شیریں سے شیریں نُقل ہائے میوہ کے بیچ ،خوانچہ سیمیں کے رکھ کے ذائقہ شکر خوارں عالم مَودّت کے تئیں حلاوت لذت کی دیتا۔ بارے مہمان کے تئیں اوپر صدر مجلس کے بٹھایا اور اسباب لوازم ضیافت کا بیچ خدمت اُس کی رجوع کر کے، آپ واسطے تلاش ملکۂ نازنیں اپنی کے اُٹھا۔ تماشا یہ کہ، جہاں دیکھتا ہوں اصلا نشان اُس کے سے سُراغ

نہیں۔ رفتہ رفتہ متصل مطبخ کے پہنچا، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ پری پیکر بیچ گنج ایک مکان کے چادر سفید سر پر کھینچے ہوئے، محنت تیاری سامان دعوت کے سے عرق عرق اور تر بہ تر ہے۔ اُس وقت کے پسینہ کی بہار میں دو شعر بے اختیار زبان پر گزرے ؎

عرق گرتا ہے تیری زلف سے اور دل سہمتا ہے
شب تاریک ہے اور ٹوٹتے ہیں دم بہ دم تارے

اور ایک یہ عرض کرتا ہوں ؎

عرق ہے مکھ پر ترے یا گلاب ٹپکے ہے
عجب ہے مجھ کو کہ شعلہ سے آب ٹپکے ہے

اور روبرو آکے پیشانی اُس کے کے تئیں بوسہ دیا اور قربان ہو کر اوپر متانت رائے و رزانت فکر و جوہر فطرت و سلیقہ و قابلیت اس کے ہزار تحسین و آفرین کر کے کہا ؎

کیوں نہ ہو ناز زمانے کو تری ذات سے آج
اس قدر جس کو دیا حُسن لیاقت حق نیں
ختم ہے تجھ پہ فراست کے کمالات کے کام
دی تجھے جوہر اول کی نیابت حق نیں

اس بات کے سُننے سے ملکہ نے در جواب فرمایا کہ استغفر اللہ یہ حُسن ظن تیرا ہے وِلّا، یہ بشر سے وے وے کام سرانجام پائے ہیں کہ جس کے خیال کی رفعت میں مرغ تیز رو وہم و قیاس کا کیا قدرت کہ بال پرواز کے کھول سکے اور اس کا تو کیا ذکر ہے۔ لیکن میرے تئیں تیری لَستانی خوش نہیں آتی، کہیں یہی رسم زمانے کی ہے کہ مہمان کے تئیں تنہا چھوڑ کر، آپ بہ فراغت باتیں بنائے۔ پس تو وہیں جا کے رسم تواضع و مدارات کی بجالا اور اُس کی معشوقہ پسندیدہ کے تئیں بھی بُلوا کر مسند علیحدہ بیچ مجلس کے آراستہ کر کے بٹھلا۔ فقیر بہ موجب امر کے مجلس میں آکر حاضر ہوا اور جو کچھ واجبات مہمان داری کے تھے تعظیم و تکریم سے ادا

کر کے کسی خدمت سے مقصر نہ رہا اور فی الفور ایک خواجہ سرا کے تئیں، واسطے طلب اُس عجائب المخلوقات کے بھیجا۔ جب معشوقہ سیاہ فام شب کی نے اِس طرف کی پٹی سے اُس طرف کو کروٹ لی، وہ تحفہ عِلّت بیچ چھپیاں مُکلّف کے سوار ہو کر آن پہنچی۔ بارے فقیر اُس کے ساتھ لوازم استقبال واحترام کے بجالا کے نہایت تپاک سے پیش آیا اور برابر مہمان کے نپٹ اعزاز واکرام سے اوپر مسندِ زرّیں کے بٹھلایا۔ جوان جمال اُس کا دیکھ کر از بس خوش وقتی سے بیچ پیرہن کے نہ سمایا اور وہ بھی آتے ہی بلائے ناگہانی سی جوان قمر طلعت سے یوں چپٹ گئی جیسے چاند کو گہن گھیر لیتا ہے اور تماشا بین مجلس کے انگشت حیرت کی، دندانِ حسرت سے کاٹ کر لاحول کے پڑھنے سے یوں غوغا کر رہے تھے، جس طرح سے صدقہ لینے کوں بھنڈریے [۲۱۶] گرہن کے روز شور کرتے ہیں، لاحول ولا قوۃ۔ واللہ باللہ، جان صاحب کیا آئیں، گویا ایک سُوانگ آیا، جدھر دیکھتا ہوں اُدھر سے آدمی، سب مجلس کے تماشا تیاری و آرائش ضیافت کا چھوڑ کر اُسی طرف متوجہ ہیں اور بے اختیار ہنس ہنس کے پڑھتے ہیں ؎

کیا ہے عشق کے سودے نیں کیا کام
کہ ہوتا ہے ہُما اُلو سے بدنام

اور ایک عزیز ایک گوشے میں کھڑے ہوئے جُدا ہی کہہ رہے ہیں کہ یارو عشق کو ساتھ عقل کے کیا مناسبت ہے کہ متحیر ہو رہے ہو ؎

عشق کا مکڑ جدھر آ کر کے کج رفتار ہو
عقل کی مکھی کی کیا قدرت وہاں بھنکار ہو

پر فقیر ایک گوشے میں واسطے تقدیم خدمات مہمانداری کے موافق حکم ملکہ کے حاضر و مستعد ہو کر دم بخود تھا۔ ہر چند کہ مہمان مالک گھر کا میرے تئیں جان کے بیچ مدارات ہم پیالہ و ہم نوالہ ہونے کو مبالغہ کرتے تھے۔ میں اصلا مزاج اپنے کے تئیں طرف کھانے پینے کے یا سیر تماشے کے مائل نہ رکھتا تھا۔ اس حالت میں سہ شبانہ روز گزرے شب چہارم

مہمانوں نے میرے تئیں نزدیک بُلوا کر نپٹ[۲۱۷] ہی گرمجوشی سے کہا میاں

آدمی کے تئیں کچھ گرمیٔ صحبت بھی ہے شرط
وہ بھی انسان ہے دنیا میں جو اتنا ہو خنک

گو ترا وضع زمانہ سے ہے دل افسردہ
پر ہم آئے ہیں ترے گھر میں ادھر دیکھ تنک[۲۱۸]

ایسے مہمان کی لازم ہے کہ خاطر ہو عزیز
بادہ بھر شیشے میں، رکھ لا کے نمکداں میں گزک

آج وہ دن ہے کہ جس جا میں تو دیکھے اس میں
کہیں تو ہوتا ہے سنگیت کہیں ہے اولک[۲۱۹]

یاں تلک شیخ و برہمن ہیں طرب کے مصروف
دیر میں بجتی ہے مِردنگ حرم میں ڈھولک

بادہ کو ہاتھ سے ساقی کے نہ پیوے مُلّا
پر یہ راضی ہے کہ کپڑوں پہ جو چھڑکے تو چھڑک

پھر تو ہی بادۂ گلگوں سے رہے کیوں محروم
پاس لے بیٹھ ہمیں سب کو چھکا، آپ بھی چھک

اور جو باوصف اس گفتگو کے پھر حرف انکار کا اوپر زبان کے لائے گا واللہ کہ ہمارے تئیں توقف ایک ساعت کا حکم عنقا (کذا) کا رکھتا ہے۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر درصورت اِغماض کے غبار کدورت کا بیچ خاطر مہمانوں کے بیٹھے کچھ لطف نہیں، لاچار پاس خاطر اُن کے بساط نشاط کی آراستہ کر کے ہنگامہ بزم بادہ و پیمانہ کا گرم کیا آخرش کثرت نوشانوش کی سے اہل مجلس سرشار ہو کے سرمست خواب غفلت کے ہوئے۔

روز چہارم جس وقت مُغبچہ [۲۲۰] مخمور خورشید کا مُخانہ مشرق کے سے گلابی صبح کی ہاتھ میں لے کر واسطے شکست خمار کے طرف ساغر گُل کے کہ شراب صبوحی شبنم کی سے پُر تھا متوجہ ہوا، یہ فقیر خمار خواب مستی کے سے بیدار ہو کر دیکھتا کیا ہے کہ آثار تشریف شریف ملکہ مہر طلعت اور تیاری اسباب ضیافت کے سے کچھ نشان نہیں اور وہ دونوں شخص سر از تن جدا درمیان ایک گلیم [۲۲۱] کے لپٹے ہوئے پڑے ہیں۔ معائنہ اس حال کے سے لشکر غارت گر وحشت کا بیچ اقلیم طبیعت میری کے تاخت [۲۲۲] لا کے متاع حواس کے اس قدر غارت کیا کہ بیچ شبستان دل کے چراغ عقل کا روشن نہ رہا۔ اتنے عرصہ میں اوپر بالیں میرے کے، ایک خواجہ سرا صورت آشنا کہ بیچ تیاری سامان ضیافت کے حاضر تھا، نظر آیا۔ میں نے اُس کے دیکھنے سے فی الجملہ افاقت حاصل کر کے، استفسار احوال اس ماجرے کا کیا۔ اُس عزیز نے در جواب کہا کہ تیرے تئیں دریافت حقیقت اس سرگزشت کے سے کچھ سروکار ہے کہ اتنا تفحص کرتا ہے؟ میں نے جو غور کیا تو واقعی

ع مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت

ایک لمحہ خاموش ہو کر کہا کہ خیر، لیکن یہ فرمایئے کہ وہ شمع شبستان نزاکت کی کس مکان پر جلوہ افروز ہے؟ کہا کہ البتہ جو کچھ معلوم ہوگا بیان کروں گا، پر جائے تعجب ہے کہ تجھ سا شخص باشعور بے استرضائے خاطر مبارک اُس کی سرمست شراب خود پسندی کا ہو یعنی بزم نشاط کی مُخلا [۲۲۳] بالطبع آراستہ کرنا اور دوستان دوروزہ سے بے دھڑک ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو جانا کیا معنی؟ فقیر اپنے کیے پر سخت نادم ہو کر بولا کہ اَلاِنسانُ مُرَکَّب مِنَ الخَطاءِ والنِّسیَانِ، اب کرم کر کے معذور رکھیے ؎

خدا کے واسطے، جانے بھی دو، ہوا سو ہُوا
بُھلا دو غصّے کو، آؤ چلو، ہُوا سو ہُوا

بارے خواجہ سَرا نے کچھ خدا ترسی سے اُس کان ملاحت کے مکان کے سے نشان دیے اور آپ واسطے تجہیز و تکفین اُن دونوں مقتول کے رہ کے، میرے تئیں رخصت کیا۔ بندہ

نیں اولاً بہ شوق وصال اس بدیع الجمال کے اور دوئم بہ خیال اُس کے:

ع مبادا ہو کوئی میرا اگر گریباں گیر

فرصت کو غنیمت جان کے اپنی راہ لی اور اُفتاں و خیزاں، شام کے وقت بیچ کوچۂ محبوب دلنواز کے پہنچ کر متصل دروازہ محل سرائے کے ایک گوشہ میں تمام شب، بیچ گرمی شوق ملاقات اُس کی کے بیقرار تھا اور صبح تک سوائے بادصبا، کوئی واقف واقعی اس تپش درونی کا نہ پایا، لاچار اس صورتِ بے کسی میں ایک مسدس کے دو بند کہ حسب حال اُس وقت کے تھے ، رو رو کر پڑھتا تھا ۔

کس ستی، جا کے کروں، درد کا اظہار اپنا
جا دکھاؤں، میں کسے، دیدۂ خوں بار اپنا
غمِ دل کس کو سناؤں، کہ نہیں یار اپنا
جُز خدا، کوئی نہیں، مشفق و غم خوار، اپنا
پس کروں، کس ستی احوال کو، اپنے اظہار
کہ کرے عرض مری جا کے، صنم کے دربار

اے نسیم سحری جا کے کہہ اُس یار ستی
باعث درد ستی، موجب آزار ستی
سبب گریہ ستی ، ظالم خونخوار ستی
بت بے رحم ستی، شوخ ستم گار ستی
کہ فلانا تیرے ہجراں میں پڑا مرتا ہے
سر کو پتھر پہ پٹک شور و فغاں کرتا ہے

علی الصباح جب خاتون مہر افروز شب کی نیں نہاں خانہ خاور کے سے سر برلا کے اوپر کرسی زمردیں سپہر کے جلوس فرمایا، وہ خورشید لقا اوپر مکان بالا خانہ کے جلوہ آرا ہو کر

دریچہ کی راہ سے میری طرف متوجہ ہوئی۔ سبحان اللہ ایک صبح کیا دو صبح ہوئیں بعد ایک لحہ کے ایک خواص نیں نزدیک میرے آکے کہا کہ تو فلانی مسجد میں جا کر قیام کر، اَغلب کہ شام کے وقت عروس مراد تیری کی نقاب حجاب کا درمیان سے اٹھا کر چہرہ کشا ہو۔ فقیر بہ موجب ایما اُس کے مسجد میں جا کر نرگس چشم انتظار کے تئیں مانند چشم نرگس کے اُس نوگل خنداں چمن نزاکت کی طرف دو چار رکھتا تھا اور رو رو کے پڑھتا تھا ؎

ملائم ہوگئیں دل پر بِرہ کی ساعتیں کڑیاں
پھر کٹنے لگے اُن بن، نہ کٹتیں جن بناں گھڑیاں

جس وقت زاہد صَومعہ دار [۲۲۴] روز کا، قرص آفتاب کے تئیں، بیچ حلق شفق کے فرو لے گیا وہی خواجہ سرا کہ اول روز رہنما مکان ملکہ کا ہوا تھا، مسجد میں آ کر دیکھتا کیا ہے کہ احوال فقیر کا:

ع چوں گوش روزہ دار بر اللہ اکبر است

بعد ایک لمحہ کے نماز مغرب کے سے فراغت حاصل کر کے اس محرم اسرار نے میرے تئیں بکمال دلداری سے ہمراہ لا کر درمیان ایک باغیچۂ دلکشا کے بٹھلایا اور کہا کہ جب تک غنچۂ آرزو تیرے کا شگفتہ نہ ہوئے، یہیں کوئی دم بیچ سیر تماشائے کیفیت چاندنی کے مشغول ہو اور آپ اجازت رخصت کی لے کر، واسطے طلب اُس قمر طلعت کے متوجہ ہوا۔ سبحان اللہ، بیچ تعریف نور افشانی بہار چاندنی اُس رات کی کہ شب برأت عاشقوں کی کہا چاہیے، ماہتابی وہاں کی شعاع زبان سے روشنی بیان کی بلند نہیں کر سکتی۔ ایک طرف فراش ماہتاب کے نے شامیانہ چاندنی کے تئیں اوپر چبوترہ خیابان باغ کے رونق افزا خاطر عاشقوں کا کر رکھا تھا اور ایک طرف مَشاطۂ [۲۲۵] جوئبار کے نیں شاہد آبشار کے تئیں، زیور رنگین الماس کا پہنا کر جلوہ پیرا دل مشتاقوں کا کیا تھا لیکن جب تک کہ وہ ماہتاب سپہر حُسن و لطافت کی جلا بخش دیدۂ منتظر کے نہ ہوئی تھی بہ مضمون اس کے ؎

گُل بے رُخ یار خوش نہ باشد
بے بادہ بہار خوش نہ باشد

گلزار، بیچ خاطر، میری کے خار تھی، اور لیلۃ القدر بیچ خیال میرے کے شب تار۔ اس وقت فی البدیہہ یہ غزل حضرت تحسینؔ صاحب کی بے اختیار زبان میری سے دُرریز ہوئی ؎

کس مزے کے رنگ سے، بن بن کے آتی ہے بہار
حُسن کو اپنے عجب سج سے دکھاتی ہے بہار

چاندنی ہے سیر ہے اور بادۂ گلرنگ ہے
گر نہیں ساقی، تو کس کافر کو بھاتی ہے بہار

ماہتابی کے مزے میں، حیف وہ مہتاب نیں
ہائے اُس کے ہجر میں کیا مفت جاتی ہے بہار

جھومتی، جھکتی، جھلکتی، جھلجھلاتی چاند سی
چاندنی کے رنگ میں کیا دل لبھاتی ہے بہار

واہ واہ تحسینؔ نپٹ یہ مصرعۂ موزوں ہوا
جو وہ گُلرخ پاس نیں، کس کو خوش آتی ہے بہار

شکر بدرگاہ حضرت مُقلِبُ القُلوب کے کہ کشش دل بیتاب کی نیں اوپر دل اُس ماہرو کے جنبش دی، یعنی اُس خواجہ سرا نیں جاتے ہی یہ کبت، کبؔ دیو کا بیچ خدمت اُس کے گزارش کیا ؎

چاندنی سے آنگن بچھونا بچھے، چاندنی سے پھیل رہی چاندنی سہائے دیو بھوم بھوم
تو ہے بن پھیکی لگت جل چندمکھی، تیرے چرن چر چت جھک چوم چوم
آلی آن دیکھو کیسو راکھو ہے چندوا تان تاتین سکھ داں تو برہ کرے گھوم گھوم
چھنے چھنے چھائیں سے جو بنائے جھگی جھلکت ہے جل میں جھالریں جھک رہیں جھوم جھوم

بارے مضمون اس کبت کے اوپر دل اُس ماہ جبیں کے اثر کر گئے کہ بعد یک لمحے کے

وہ ماہ شب چار دہم رونق افزا حدیقہ فردوس پیرا کی ہو کر اوپر مسند زربفت نقرہ کے جلوہ آرا ہوئی۔ واہ جی واہ جس وقت وہ قمر طلعت داخل باغیچۂ نمونۂ جنت کے ہوئی، عطر گلاب رخسارۂ زلیخائے شبِ مہتاب کا، تقویت بخش دماغ تماشائیوں کا ہو کے، زینت آرا بزم کامرانی کا ہو گیا اور یوسف عکس بیاض نگینہ ہائے الماس انجم کا، اوپر خاتم مینا رنگ سبزۂ ریاض خُلد آئین کے زیب افزا دیدۂ نورانی کا ہوا

کتنے کیا خرام چمن میں کہ اب صبا
لاتی ہے بوئے ناز سے بھر بھر کے جھولیاں

نوعروسان شبّو [۲۲۶] کیں اوپر فرش چاندنی کے لباسِ نُقرہ سے بہار افروز بزم دل فریبی و دلربائی کی تھیں اور ماہ رویان نُسترن کیں اوپر بساط چمن کے خلعت سیمیں سے رونق افروز خوبروئی و خوشنمائی کی تھیں

جوں ہی آئی بزم میں وہ ماہرو سیمیں عذار
ہو گیا مہتاب پر کچھ اور ہی نور آشکار
کیا قیامت شکل تھی، مہتاب جس کے حُسن کو
دیکھتا تھا دور ہی سے آنکھ اپنی پھاڑ پھاڑ
کیا کروں تعریف اس کی نقرئی پوشاک کی
موج دریا میں ہو جیسے ماہ تاباں کی بہار
زیورِ الماس میں دیکھا چھپے نور جمال
ماہ کی ہووے جھلک، جوں درمیان آبشار
واقعی کیا سپر ہے تحسیں کہ کچھ کہنا نہیں
جب میسر ہو کبھی، اس جی کو کر دیجئے نثار

بہ مجرد [۲۲۷] جلوہ آرا ہونے اُس شمع شبستان حُسن و جمال کے یہ فقیر مانند پروانے کے تصدق [۲۲۸] ہو کر بصورت بندہ ہائے جاں نثار کے روبرو آ کے حاضر ہوا۔ اس عرصہ میں

خواجہ سرا بیچ سفارش میری کے کچھ کلمۂ خیر بولا۔ فقیر نیں اُس وقت طرف خواجہ سرا کے مخاطب ہو کے کہا، کہ میاں ؎

جو گزری مجھ پہ اُسے مت کہو، ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ، جو ہوا سو ہوا

نازنیں ازبس کہ غبار کدورت کا میری طرف سے بیچ خاطر کے رکھتی تھی، ایک بد دماغی سے میری طرف متوجہ ہو کے بولی کہ اب صلاح وقت یہی ہے کہ سو توڑے دینار سرخ کے زادِ راہ لے کر وطن مالوف کو سدھاریے۔ فقیر کہ سوختہ آتش عشق و محبت کا تھا، سنتے ہی اس بات کے، آہِ سرد دلِ پُر درد سے بَرلایا۔ جو وقت تلف ہونے حق کے سوائے چارہ ساز حقیقی کے کوئی دادرس اس بیچارے کا نظر نہ پڑا۔ لاچار نائرہ تاسف کا بھٹی سینہ کی سے مُلتہب[۲۲۹] کر کے اس شعر کے تئیں بے اختیار پڑھ کر رویا ؎

داد کو پہنچا نہیں فرہاد ناحق مر گیا
دیکھ لی ہم نے خدا تیری خدائی واہ واہ

اور اُس کی خدمت میں گزارش کیا کہ یقین خاطر عالی کے رہے اگر اس عاجز کے تئیں طمع دینار و درم کی ہوتی تو جان و مال سے تصدّق فرق مبارک کے نہ ہوتا لیکن افسوس کہ زمانے سے مَراتب حقوق شناسی کے اُٹھے، جب معشوق خانہ خراب نیں اس قدر بے مہری کو کام فرمایا تب کسی عاشق کمبخت نے یہ واسوخت تحریر خامۂ سوز و گداز کا کیا ہے کہ جس کا یہ بند حسب حال اپنے پڑھتا ہوں ؎

تم سے امید یہ تھی، دل کو مرے شاد کرو
نہ کہ اُلفت کے تئیں چھوڑ کے بیداد کرو
خانہ کاری مری ناحق تو نہ برباد کرو
کچھ تو اس فدویت اگلی کے تئیں یاد کرو

کہ کوئی مجھ بغیر اُس وقت خریدار نہ تھا
حالتِ غم میں کوئی مونس و غمخوار نہ تھا

اس بات کو گوش کر کے اُس شیریں زبان نے برہم ہو کے کہا۔ چہ خوش، مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔ اے عزیز تو دیوانہ ہوا ہے کہ اندازہ سے قدم باہر رکھ کے سودائے حال بیچ سرِ بے مغز کے پکاتا ہے، از برائے خدا اس گفتگو بے معنی سے درگزر۔ اگر اور کسی سے یہ ادائے خارج عمل میں آتی، واللہ کہ مارا جاتا، پر تجھ سے کچھ کہنا نہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اب آپ اپنی راہ لیجیے کہ بیچ لوحِ تقدیر کے آب و خورد تیری ہمارے پاس یہیں تک لکھی تھی۔ اس وقت یہ فرہاد دشت بلا کا آنکھوں میں آنسو بھر لا کے بولا۔ اگر بیچ دیوانِ مشیت کے منشورِ ناکامی کا میرے ہی نام پر ثبت ہے، تو خیر ؎

واجب القتل ہیں ہم لائق تلوار ہیں ہم
ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہگار ہیں ہم

وہ لیلیٰ ناقہ[۳۰] بد دماغی کی اس بات کے سننے سے اور بھی خفا ہوئی اور کہا کہ رمز و ایما کی بات چیت اپنے تئیں خوش نہیں آتی۔ یہ اشارہ اور کنایہ کسی اور سے کر، اختلاط پیش از آشنائی چہ معنی ؎

یہ بھی کوئی طرز ہے، کہنے کی کسی سے ناداں
دردِ سر زیادہ نہ کر، چپ ہو، بس اب زیادہ نہ بک

یہ کہہ کر عالم خفگی میں خراماں خراماں متوجہ دولت سرا کے ہوئی۔ پھر میں نیں ہر چند سر پٹکا، اس طرف رُخ توجہ کا نہ فرمایا۔ لاچار یہ مجنوں صحرائے بیخودی کا ساتھ دل بریاں و دیدہ گریاں کے اس مکان سے مایوس ہو کے اُٹھا اور اسی ساعت سے چالیس روز تک شبانہ روز حیران و پریشان بیچ عالم دیوانگی کے کوچہ گردی و صحرا نوردی میں بے خواب و خور[۳۱] مانند مجذوبوں کے یہ مخمس حضرت تحسینؔ صاحب کا کہ بعینہٖ حسبِ حال فقیر کے تھا، پڑھ پڑھ کے

روتا پھرتا تھا:

مخمس

ارے قاصد تو جا کر یار کے کوچے میں کہہ آنا
کہ تحسینؔ عشق میں تیرے سدا رہتا ہے دیوانا
تری حسرت میں اُس کو رات دن رہتا ہے غم کھانا
یہ حالت ہو گئی اُس کی نہیں جاتا ہے پہچانا
لبوں پر جان ہے اُس کی کہ جیوں لبریز پیمانا

شبِ فرقت میں تیری سخت بیتابی سے روتا ہے
نہ دن کو چین ہے اُس کو نہ دُکھ سے رات سوتا ہے
نہ اُس کو کچھ دوا سے ہو، نہ کچھ افسوں سے ہوتا ہے
نپٹ ہی گریہ و زاری سے اپنے جی کو کھوتا ہے
تجھے لازم ہے اُس تک ایک دن تشریف لے جانا

کبھی سودائیوں کی طرح سیتی آہ بھرتا ہے
کبھی دیوانگی سیتی گریباں چاک کرتا ہے
کبھی مجنوں صفت گھر چھوڑ کر صحرا میں پھرتا ہے
کبھی فرہاد کی صورت لگا تیشے کو مرتا ہے
کبھی مانند پروانہ کے خاکستر ہو جل جانا

کبھی گھبرا کے اشک آنکھوں میں بھر لاتا ہے رقّت سے
کبھی سوزِ درونی سے جلے ہے غم کی حدّت سے
کبھی جھنجھلا کے جی دینے پر آجاتا ہے دقّت سے
کبھی مرنے کی رکھتا ہے تمنا دکھ کی شدت سے
کبھی مجذوب کی صورت سے سنگِ کودکاں کھانا

کوئی کہتا ہے سودا ہے اسے، فَصّاد [۲۳۲] کو لاؤ
کوئی کہتا ہے، کچھ آسیب ہے، سیانے کو دکھلاؤ
کوئی کہتا ہے عاشق ہے، کہیں واں اس کو لیجاؤ
طبیبِ عشق کی دوکان کوئی اس کو بتلاؤ
علاج اس کا یہی ہے شربتِ دیدار پلوانا

نہ اس کو چین سے مقصد، نہ ہے آرام کی خواہش
نہ کچھ مینا سے مطلب ہے، نہ اس کو جام کی خواہش
نہ کچھ رسوا کے ہونے سے غرض، نے نام کی خواہش
دوا نہ ہو کے رکھتا ہے، سدا دشنام کی خواہش
مگر حاصل ہے اس کو عمر سے ساقی کا آجانا

جسے گزری نہیں، رازِ دلِ بیتاب کیا جانے
جگر جلنے کی لذّت آگ پر، سیماب کیا جانے
مراتب دوستی کے، تارک الاحباب، کیا جانے
کوئی بے مہر، حالِ دیدۂ پُرآب، کیا جانے
عبث ہے داستانِ غم تجھے رو رو کے سمجھانا

جو مدارِ زندگی انسان ضعیف البنیان کا محض اوپر اُکل و شُرب [۲۳۳] کے ہے، لاچار عالم بے طاقتی میں حرکت مَذبوحی [۲۳۴] سے بھی معذور ہو کر زیرِ دیوار اُسی مسجد کے جا پڑا اور آہستہ آہستہ وے اشعار مخمس کے زبانِ حال کی سے پڑھتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز اسی خواجہ سرا نے بہ تہیہ نمازِ جمعہ کے اُسی حالت میں اوپر سر میرے کے گزر کیا۔ ہر چند فقیر حالت بیخودی میں اصلاً صورت اپنی بحالت اصلی درست نہ رکھتا تھا لیکن از بسکہ آثار حزن و ملال کا پڑھنے اشعار درد آمیز کے سے اوپر چہرے میرے کے آشکار تھا۔ خواجہ سرا نے احوال میرا ملاحظہ کر کے نہایت خونِ جگر کا کھایا اور بہ مقتضائے رحم دلی کے نپٹ ہی دلسوزی سے میری طرف

خطاب کر کے کہا ؎

دیکھا تھا اُن دنوں میں یہ چنگا بھلا غریب
عاشق ہوئے سے پہنچ گیا مرگ کے قریب
یاں کون درد رس ہے ترا اور کہاں طبیب
اس مرض سے لکھا تھا، جو مرنا تو یا نصیب
عاشق تو کیوں ہوا تھا سزا ہے تری یہی

تب میں نے کہا کیا کیجیے ؎
جان اُس کا ہے، دل اُس کا ہے، جگر اُس کا ہے
تیرِ بیداد جدھر رُخ کرے، گھر اُس کا ہے

چنانچہ مطابق اُس کے ایک کَبِت بھی یاد ہے:

کَبِت

نار نار کیوں نہ تجوں، نین نین کیوں نہ تجوں، سیس سیس کیوں نہ تجوں، جاوے یا ہی تن تیں
تن کیوں نہ جر جاؤ، جر کیوں نہ جھاڑ ہو جاؤ، جھاڑ کیوں نہ اُڑ جاؤ برہا کی پَوَن تیں
یہ حال، یہ جیو، تھ بن، آوے جبھ بنواری آویں، یا آوے وا ہی بن تیں
رنگ جاؤ، روپ جاؤ، جے لے ہوے سو ہی جاؤ مادھو جی کی ہُیت نہ جاؤ میرے من تیں
اور ایک مضمون موافق اس کے اور پڑھا:

عشرت سے دو جہاں کی، یہ دل ہاتھ دھو سکے
اُس کے قدم کو چھوڑ سکے، یہ نہ ہو سکے

آخرش بعد تاسف تمام کے ایک شخص کے تئیں نزدیک میرے چھوڑ کر آپ واسطے ادائے نماز کے متوجہ مسجد کا ہوا، اور وقت معاودت کے فقیر کے تئیں درمیان ایک میانے کے سوار کر کے ہمراہ اپنے بیچ خدمت اُس تخت نشیں کشور غرور کے لے جا کے چلوَن کے

باہر بٹھلایا۔ اگرچہ شکل فقیر کی شباہت قدیم سے البتہ تجاوز کر گئی تھی لیکن ملکہ نے باوصف اُس کے کہ میرے تئیں ایک مدت بیچ مصاحبت اپنی کے ممتاز رکھا تھا، ازروئے اغماض کے دیدہ ودانستہ خواجہ سرا سے استفسار احوال میرے کا کیا۔ اُس پاک طینت نے عرض کیا کہ یہ وہی گنہگار ہے کہ موردِ عتاب ملکہ کا ہوا تھا، اُسی ساعت سے اس فلک زدہ کی یہ نوبت ہے کہ جہاں کہیں آتش عشق اُس کے کی بہار اشتعال سے گل کرتی ہے، شعلہ عرقِ انفعال کا اوپر چہرے کے کھینچتا ہے اور جس جگہ کہ سیلاب اشک اس کے کا طوفان ریزش کا لاتا ہے، دریا حرف خجالت کا اوپر صفحۂ خاطر کے لکھتا ہے، ملکہ نے از راہ تمسخر کے خواجہ سرا سے کہا کہ استغفر اللہ قریب یک ماہ کے ہوتا ہے کہ اُس شخص کے روانہ ہونے کی خبر وطن مالوف کوں میرے تئیں مُخبران صادق سے پہنچی ہے، خدا جانے کہ یہ کون شخص ہے اور کس کا ذکر ہے، اُس وقت خواجہ سرا نے جبیں نیاز کی اوپر زمین ادب کے گھس کر عرض کیا کہ اگر گستاخی معاف ہو تو التماس کروں فرمایا کہ کہو۔ کہا کہ

جب مسیحا دشمنِ جاں ہو، تو کب ہو زندگی
کون رہ بتلا سکے، جب خضر بھٹکانے لگا

اے مہر سپہر قدردانی از برائے خدا نقاب حجاب کا درمیان سے اُٹھا دے اور اوپر بیکسی اس بیکس کے نظر ترحم کی فرما کے حرف ناحق شناسی کا لوح دل سے دھو ڈال کہ اجر اس مہر ورزی و دلنوازی کا ضائع نہیں ہوگا، آگے جو کچھ مرضیٔ مبارک میں ہو عمل میں لایئے۔ ملکہ نے متبسم ہو کے کہا کہ خوب، بالفعل اس کے تئیں بیچ دارالشفا کے بھیج کے فکر صحت کا کر۔ بعد ازاں استفسار احوال کا بھی ہووے گا۔ عرض کیا کہ جان قربان، جب تلک اُس کے اوپر گلاب پاشی دست مبارک کی نہ ہوگی، تب تک طپش درونی، اُس کی مُنطفی[۲۲۵] نہیں ہونے کی۔ ملکہ اس بات کو سُن کر خاموش ہو گئی۔ پھر خواجہ سرا نے لاچار ہو کے گزارش کیا کہ تکلف برطرف:

کم بولنا بھلا ہے ہر چند پر نہ اتنا
مُند جائے چشم عاشق، تو بھی تو لب نہ کھولے

اندازہ سے زیادہ خموشی بعید شرط اہلیت کی سے ہے۔ اُس نیک بخت نے اس پر بھی اصلا زبان کے تئیں جواب سے آشنا نہ کیا۔ اُس وقت فقیر کہ اپنی زندگی سے عاجز تھا، از بس سوزشِ سینہ اور سوختگی دل سے یہ دو شعر بے اختیار پڑھ اُٹھا ؎

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت کا جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں
اے اُلفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

تب ملکہ نے خدا ترسی سے نظر ترحم کی فرما کے باریابان بساطِ قربت کے تئیں حکم کیا کہ مُعالجانِ حاذق کے تئیں حاضر کرو۔ انھوں نیں آتے ہی تشخیص مرض کی کر کے شربت دیدار بتلایا اور واسطے رفع نقاہت وضعف دل کے یہ مفرّح دلکشا کہ آگے اَطِبّاءِ حکمت اساس و حکماء مزاج شناس نیں از روئے قانون عقل کے تالیف کر کے خستہ دلانِ بیمارستان شوق کے تئیں تناول اس کا ترغیب فرمایا ہے، تجویز کی نسخہ:

سنبل الطیب گیسو	پرسیاؤشانِ[236] ابرو	بادام چشم	مرزنگوشِ گوش
گلِ سرخ رخسارہ	عنبر اشہب خال	مُشک سیاہ کاکل	ابریشم مقرض زلف
یاقوت لب	مروارید دنداں	پستۂ دہن	سیب ذقن[237]
ورق نقرۂ بدن	پشم سفید سینہ	حجر الیہود[238] دل	مرجان پنجہ
	فندق[239] سرانگشتاں	سقنقور[240] ساق[241]	

اِن اجزا کے تئیں دوکان رستہ بازارِ حُسن کے سے تفحّص کر کے بعد ترتیب کے تھوڑا عرق بید مشک رخسارہ کا اور قدرے شکرِ خندہ اضافہ کرے اور آتشِ نرم جوشی سے آہستہ آہستہ پختہ کر کے بقدر دسترس مُدَاوَمت[242] کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ جلد شفائے کامل حاصل ہو۔

بارے نازنیں نے پنجہ التماس حکماء حاذق الزماں کا ساتھ حنائے اِجابت کے رنگیں کیا۔ یہ بیمارِ عشق کا بہ توجہاتِ دلی اس شفا بخش کے ایک ہفتہ کے عرصہ میں استعمال اُس

یاقوتی روح افزا کے سے افاقت میں آیا۔ بعدازاں نازنین نے کارپردازان حضور کے تئیں ارشاد کیا کہ اس جوان کے تئیں بعد فراغت حمام کے تبدیل پوشاک خاصہ کا کر کے لے آوٗ۔ چنانچہ عاجز موافق حکم کے لباس فاخرہ زیب قامت کا کر کے بیچ خدمت ملکہ کی حاضر ہوا۔ اُس وقت نازنین پری چہرہ نے نہایت تپاک سے متوجہ ہو کے فرمایا کہ کمبخت شعلہ عشق تیرے کا دامن عصمت میرے کے تئیں آتشِ رسوائی سے ملوث تو کر چکا، پھر اب کیا کہتا ہے جو کچھ مرکوز خاطر تیرا ہو صاف صاف اظہار کر۔ تب تو بندہ دوگانہ شکرانہ کا بیچ درگاہ حضرت کارساز حقیقی کے بجالا کے ازبس خوش وقتی سے بیچ پیرہن کے نہ سمایا اور حالت بشاشت میں نقد جان عزیز کے تئیں تصدق فرق مبارک اُس کے کر کے، یہ شعر زبان پر لایا

فرد

آج سب مِل کے کہو لوگ مبارک مجھ کو
شکر لِللہ مرا یار مہربان ہوا

اور بیچ خدمت اُس خورشید طلعت کی عرض کیا کہ تقصیر معاف بیچ حوصلہ اس رنج و مشقت کے امیدوار تَفَضُّلات دلربایانہ کا ہوں کہ اس جاں نثار کے تئیں بیچ شرف مناکحت اپنی کے سرفراز کیجیے۔ آخرش گھڑی دو ایک الخاموشی نیم رضا[۲۲۲] کی ٹھہری۔ بعدازاں اس گلعذار نے عارضِ عرض میری کے تئیں ساتھ گلگونہ قبولیت کے رونق بخشی اور جس وقت کہ نوجوان شاہد بادلہ پوش ماہتاب کا ساتھ عروس زریں لباس مشتری کے قران السّعدین تھا، قاضی قضا کے نیں بہ حکم زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ کے عقد ازدواج کی منعقد کی الحمدللہ والمِنۃ کہ آرزوئے دیرینہ برآئی اور نقش مراد کا اوپر کرسی حصول مدعا کے بیٹھا:

فرد

صندلی رنگ نیں بوسہ نہ دیا تھا سو دیا
دردِ سر کا مرے درماں نہ ہوا تھا سو ہوا

لیکن جس طرح نقش آرزوئے مناکحت ملکہ کا اوپر خاتم دل میرے کے منقش تھا، اُسی

طرح سے دریافت کرنا معنی اس مضمون کا بھی، عین تمنائے خاطر تھا کہ دراصل وہ نازنین روشن چراغ کس شبستان کی ہے اور حبشی سبزہ رنگ نیں مبلغ خطیر کس وجہ سے بہ مجرّدملاحظہ، ایک پرچہ کاغذ کے حوالے میرے کیے اور سامان ضیافت کا اس تکلّف سے ایک پہر کے عرصہ میں کیوں کر ہوا اور بیچ قتل ہونے اُن دونوں مقتول کے کیا بِسر[۲۴۴] تھا، اور باعث خفگی مزاج مبارک کا اس عاجز کی طرف سے کس واسطے ہوا۔ چنانچہ فقیر بعد رسم مناکحت کے ایک ہفتہ تک تکلّفات عرفی سے مُتعذّر[۲۴۵] رہا۔ آخرش ملکہ اس واردات سے متحیر ہوئی بلکہ ایک گونہ سوئے مزاج ہو کے فرمایا کہ یا بہ آں شوراشوری و یا بہ ایں بے نمکی! اس کو کیا کہتے ہیں۔ بندہ نے اُس وقت بلا تصنع ظاہر کیا کہ صاحبۂ عالم سلامت، اگر صحیح جانیے تو منصفی سے نہ گزریے۔ کہا، معلوم ہو کہ کس بات کا انصاف چاہتا ہے۔ عرض کیا کہ اشتیاق میرا بیچ استحصال نعمت غیر مترقب مواصلت تیری کے مسلّم، لیکن جس بشر کے تئیں استقلال طبیعت کا درست نہیں اس کو انسان نہ کہا چاہیے۔ کہا کیوں کر، عرض کیا کہ عاجز نے اپنے دل میں اقرار کیا تھا کہ بعد مراسم مہرورزی صاحبہ زمانہ کے بعضے عقدۂ مشکل کے کہ استکشاف اُس کا بے توجہ عالیہ کے نہیں ہو سکتا جب تک بیان دُرِبیان سے بیچ خاطر میری کے حل نہیں ہونے کے، بیچ کسی امر کے اقدام نہ کروں اور سچ بھی ہے کہ اگر شمع زبان بشر کی بیچ شبستان دل اپنے کے فانوس صِدق مَقال میں جلوہ پرداز نہ ہو تو اور کسی کے تئیں عکس فیض اُس کے سے استفادہ روشنی ہدایت کا معلوم۔ بقول شخصے کہ مصرعہ۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند، پس توں اوپر مستقل مزاجی میری کے آفریں کر کے کلمۂ چند اُس عبارت سے کہ معنی مراد کے تئیں موافق پڑے، فصاحت کلام سے بیان کر۔ وِالّا ممکن ہے کہ دانہ تسبیح دل کا بیچ رشتہ محبت زبان کے کہ کلید گنجینۂ نطق کی ہے، سرگرداں نہ ہو کے ایک جان دو قالب نہ رہ سکے۔ ملکہ نے چیں بہ جبیں ہو کے کہا کہ تیرے تئیں یاد ہو گا کہ میں نے اول مرتبہ منع کر رکھا ہے کہ توں بیچ حرکات اور سکنات میری کے زِنہار مستفسر و متلاشی نہ ہو جیو۔ پس اب خلاف معمول بات کہنا کیا لطف ہے۔ فقیر نے ہنستے ہنستے ملکہ سے کہا کہ جیوں اور بات خلاف

معمول معاف ہوئی، اتنی یہ بھی سہی۔ ملکہ اُس وقت جل کر اور بھی آتش کا پرکالہ بن گئی اور نپٹ ہی خفگی سے کہا کہ معقول! یک نہ شد دو شد، چل اپنا کام کران باتوں سے کیا چاہتا ہے:

بیت

دل کے تیں سوخت نہ کر، زخم پہ چھڑکا نہ نمک
اتنا بھی بیہودہ گوئی ستی احمق نہ بہک

میں نے کہا تقصیر معاف، زمانے میں کوئی راز مخفی تر سَتر سے نہیں اور جب اسرار اُس کا دوسرے پر منکشف ہونا روا رکھا ہو تب بہر صورت محرمیت ہر سرّ کی طرفین پر واجب جاننا چاہیے اور انکشاف نہ کرنا اُس کا صریح رُسوائی جانبین کا ہے۔ جب ملکہ نے فحوائے کلام میرے کے تئیں، بیان واقعی اور نفس الامر [۲۴۶] جانا، کہا خیر، لیکن اتنا ہی پس و پیش ہے کہ مبادا اگر اس مبتلائے بلا کا راز برملا ہو تو خوب نہیں۔ میں نے کہا کہ استغفر اللہ، زِنہار یہ خطرہ مَخطور [۲۴۷] خاطر خطیر کے نہ رکھیے اور میرے تئیں محرم خلوت سرائے وفا و اخلاص کا جان کے بہ کشادہ پیشانی حقیقت سرگزشت اپنی کے سے ہمراز کیجیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ سرّ فاش نہیں ہونے کا، قول مرداں جاں دارد۔

قصہ مختصر اس پری چہرہ نے جو دیکھا کہ یہ عزیز درپے استفسار ماجرائے احوال میرے کے ہے اور بغیر کہے گریز نہیں، لاچار طوطی زبان کے تئیں پیچ سبزہ زار گفتگو کے یوں مترنم کیا کہ ہر چند افشائے راز کا کرناں موجب قباحت چند در چند کا ہے لیکن دوش ہمت اپنی کے تئیں بھی بار حقوق تیرے کے سے سُبک سار کرنا ضرور ہے اس واسطے قصہ سرگزشت اپنی کا پاس خاطر عزیز تیری کے بیان کرتی ہوں، پر خبر شرط ہے ؎

اس بات کو گر اور سے ارشاد کرو گے
یہ یاد رکھو ہم کو بہت یاد کرو گے

آگے مختار ہو۔

✓



قصۂ سرگزشت ملکۂ عالی جاہ

ملکہ نے صدف زبان سے سُرخی حکایت سَرگزشت اپنی کے تیئں اوپر قرطاس بیان کے اس طور سے دُرریز[248] کیا کہ میں دختر، والی اس ملک یعنی سوادِ اعظم سرزمین ولایت دمشق کی ہوں اور وہ بادشاہ ذی جاہ ازبس رَفعت وثروت ومنزلت سے ظلِّ افتخار کا اوپر فرقِ فرقداں کے رکھتا ہے، جو سوائے میرے اور فرزند بیچ مشکوئے[249] خلافت کے نہیں، عہد خوردگی سے درمیان مہدِ ناز ونعمت کے زیر سایۂ عاطفت و پرورش مادر و پدر بزرگوار کے بسر لے جاتی اور ہمیشہ بزم عیش ونشاط کی آراستہ کرکے، بیچ اکل وشُرب شراب وکباب کے ساتھ صحبت محرمانِ ہمراز ومصاحبانِ دمساز کے مشغول رہتی۔ مُقَصَّر اسی نوع سے حدّ بلوغ کو پہنچی اور اُس وقت سے اپنے تیئں مائل جمال گل رخاں عشوہ ساز وپری پیکراں نغمہ پرداز کے رکھ کے بیچ تماشائے رقص ارباب طرب کے اوقات صَرف کرتی اور تمام لذّت جہان کی سے مُرفع الحال وفارغ البال ہوکے ہر حال دوگانہ شکرانہ کا بیچ جناب حضرت کارساز حقیقی کے بجا لاتی۔ اتفاقاً ایک مرتبہ بسبب بعضے عوارض جسمانی کے مُصاحبت ہمدماں جانی کے سے طرح

مُباعَدَت [۲۵۰] کی پڑی۔ اس صورت میں مجلس نشاط کی مانند کلبہ [۲۵۱] تیرہ [۲۵۲] روزوں کے اسباب شادمانی کے سے تہی تھی اور جام شراب کا مثل کاسۂ چشم حریفوں کے بادۂ کامرانی سے خالی ہوا اور ترک عادت معہود سے غلبہ سودا کے تئیں یہاں تک بیچ دل میرے کے راہ پائی کہ زلیخائے طبیعت کے تئیں یوسف استراحت کا بیچ خواب کے دیکھنا مشکل پڑا۔ جو آرام خاطر میرے کے تئیں سب خادمان حضور کے دل سے چاہتے تھے، ہر ایک ارکان دولت بقدر حوصلہ اپنے بیچ جستجوئے معالجہ و چارہ سازی مرض میرے کے تگاپو [۲۵۳] کرتے۔ قضایا [۲۵۴] یہی خواجہ سرا کہ اُس وقت بھی محرم اسرار و ہمدم غمخوار میرا تھا، میل اپنا طرف شربت ورق الخیال کے بیشتر رکھتا تھا مجھ سے کہنے لگا کہ اگر ملکۂ جہاں شیرۂ ورق الخیال [۲۵۵] کے تئیں بطور شربت کے نوش جان فرماویں تو زنگ کلفت کا کہ اوپر آئینہ ضمیر منیر تیرے کے بیٹھا ہے، ساتھ صیقل سرخوشی کے دور ہو جاوے۔ میرے تئیں اُس کے مبالغہ سے رغبت شربت ورق الخیال کی زیادہ ہوئی اور کہا حاضر کرو۔ خواجہ سرا باہر جا کے ایک صُراحی شربت ورق الخیال کی ایک لڑکے کے ہاتھ میں لے کر آیا۔ میں نے بے تامل ایک جام بھر کے اُسے نوش کیا اور لذت اُس کی جو کچھ خواجہ سرا نے بیان کی تھی ہو بہو پائی۔ اُس وقت عوض اُس حُسن خدمت کے خواجہ سرا کے تئیں ایک خِلعت فاخرہ مرحمت کیا اور مورد عنایات بے غایات کا کر کے اُس جام زَمرّدیں کی پروانگی ہر روز کی دی۔ خواجہ سرا بلا ناغہ صراحی شربت کی موافق قاعدۂ مُستَمِرّہ [۲۵۶] کے اُس لڑکے کے ہاتھ لے آتا اور میں اُس کے تئیں نپٹ خوشدلی سے پی جاتی۔ جب طاؤس نگاریں خیال، میرے کا بیچ سبزہ زار نشہ اُس کے کے جلوہ گر ہوتا واسطے تفنن طبع کے کوئی گھڑی اُس لڑکے کے ساتھ کہ بیچ شیوۂ ہَزل و اِستہزا [۲۵۷] کے شہرۂ آفاق تھا اور حُسن و جمال میں یوسف ثانی کہا چاہیے، خوش طبعی سے اوقات صرف کرتی وہ بھی کمبخت لطیفہ ہائے رنگیں ونکتہ ہائے شیریں سے نقل ہائے عجیب اور ذکر ہائے غریب، ایسی چرب زبانی سے ادا کرتا کہ کاسۂ دماغ میرے کا شراب خوشگوار حظوظ نفسانی کے سے بے اختیار لبریز ہو جاتا۔ غرض کہ بیچ تلافی اُس خوش وقتی کے ہر روز جامِ آرزو اس کی کے تئیں مالا مال جواہر گراں بہا

کے کرتی۔ اور اوقات میرے بیچ تماشا بازی و ظرافت اُس کی خوش گزرتے لیکن باوجود اس قدر عنایات و انعامات کے بظاہر حال لڑکے کا روز بروز تباہ نظر آتا اور وہ تبدیل لباس کثیف کا نہ کرتا۔ میں نے ایک روز تفحص [۲۵۸] حال اُس کے کا کیا کہ توں باوصف اس قدر غایات جواہر و زر کے حالت اپنی پریشاں کیوں رکھتا ہے اور یہ زر خطیر کہاں صرف کیا کرتا ہے۔ لڑکے نے جو دلجوئی اور دلنوازی میری مصروف حال اپنے کے پائی آبدیدہ ہو کر بولا کہ جو کچھ تفضلات پیش گاہ ملکہ جہاں کے سے ہوا، اُستاد بے مہر نے بہ مقتضائے بے رحم دلی کے ایک دام بھی اُس سے میرے تئیں عنایت نہ کیا۔ اس سبب سے بیچ تبدیل لباس کے معذور ہوں۔ میرے تئیں اس کی غریبی پر سخت رحم آیا اور خواجہ سرا کے تئیں فرمایا کہ تو اس لڑکے کے تئیں کِسْوَت [۲۵۹] لطیف تیار کر کے اپنی صحبت میں تربیت کر اور زنہار اس کا مجوّز نہ [۲۶۰] ہو کہ مانند لڑکوں عوام الناس کے بیچ لہو لعب کے مشغول رہے، بلکہ بیشتر استرضائے عالیہ کی یوں ہے کہ بیچ خدمت باریابان حضور ہماری کے حاضر رہے، خواجہ سرا کہ، رضامندی میری کے تئیں، سب چیز پر مقدم رکھتا تھا، موافق ارشاد کے بجالایا۔ غرض کہ چند روز میں بہ سبب مہیّا ہونے اسباب جمعیت کے رنگ و روپ لڑکے کا کچھ اور ہی ہو گیا ؎

جس نے دیکھی شکل اُس کی کہا سُبحان اللہ
قدرتِ حق سے نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

قصہ مختصر میں اس کے تئیں لباس فاخرہ و زیورات مُکلّف سے آراستہ کر کے مُصاحبت اس کی تئیں، سرمایۂ حیات سرمایۂ جاودانی کا جانتی اور روز و شب بیچ دلداری و غمخواری اُس کے کی سعی کر کے ایک لحظہ نظارۂ جمال دلفریب اُس کے سے چشم مشتاق کے تئیں معطل نہ رکھتی۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ اگر ایک لمحہ بھی مفارقت اس کی پیش آوے، تو از بس گرمی آتش شوق کی سے مانند سیماب کے بے قرار ہو جاؤں۔ چنانچہ اسی حالت میں سبزۂ عنفوان شباب اُس کے کا بیچ چمن بہار عمر کے نورستہ ہوا اور غنچۂ سنِ طفولیت اُس کے کا نسیم عہد جوانی کی سے شگفتگی بلوغیت کی لایا۔ آخرش مثل مشہور ہے کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن، بعد چند

روز کے بسرّ اس بات کا اوپر سب ملازمان سرکار کے وحاضران دربار کے شائع وآشکار ہوا۔ اُس وقت محرمان بسر اوقات عصمت کے بہ مقتضائے دوراندیشی کے آنے اُس کے کہ تئیں بیچ حرم سرائے خاص کے باعث رسوائی خاص و عام کا جان کے ممانعت سے پیش آئے۔ میرے تئیں کہ بغیر اُس کے ایک دم آرام وقرار وخواب وخیال نہ تھا، یہ سانحۂ ہوش رُبا سخت قیامت گزرا لیکن کیا کیجیے زمیں سخت آسماں دور۔ لاچار خواجہ سرا کہ ہمراز میرا تھا، اس کے تئیں بلا کے حکم کیا کہ جو میرے تئیں پرداخت اس کی ہر طرح منظور ہے، پس بالفعل صلاح وقت یوں ہے کہ اس جوان کے تئیں دس ہزار اشرفی سرمایہ دے کر بیچ چارسوئے بازار کے دوکان جواہر کی مرتب کردے اور نزدیک محل سرا خاص کے ایک خوش تعمیر آراستہ کر کے اسباب خانہ داری کا از قسم غلام وکنیزک کے بقدر مطلوب و بروفق[۲۶۱] مقصود اُس کے مہیّا کر کہ اُس مکان میں چشم بدنا تواں بینوں کی سے محفوظ رہ کر جو کچھ متاع تجارت سے انتفاع بہم پہنچا دے صرف مایحتاج[۲۶۲] اپنے کا کرے۔ بارے خواجہ سرا یوں عمل میں لایا۔ بعد چند روز کے اُس جوان نے فیض دوکان تجارت کے سے نقد شہرت کا بیچ کفِ مُراد کے اس قدر جمع کیا کہ، جو کچھ جواہر گراں بہا وملبوسات زیبا ومصارف سرکار والی شہر کے ہوتا، دوکان اُس کی سے آتا تا بہ حد کہ آوازہ نام آوری اُس کے کا بیچ چاردانگ عالم[۲۶۳] کے بلند ہوا اور بدولت شغل جواہر فروشی کے گوہر فوائد کلی کا بیچ دامن آرزو کے فراہم لایا۔ حاصل کلام یہ ہے

خدا کسی کا کسی سے دل آشنا نہ کرے
اگر کرے تو کبھی اُس سے پھر جدا نہ کرے

میرے تئیں مفارقت چندروزہ اُس کی نپٹ ہی شاق گزری۔ اس واسطے بہ صلاح خواجہ سرا کے، ایک نقب دولت سرائے خاص سے اُس کے محل سرا تک تیار کی اور یہ اَسرار خواجہ سرا اور دو دایہ کے کسی پر منکشف نہ تھا۔ جس وقت خسرو آفتاب کا متوجہ خلوت گاہ مغرب کے ہوتا اور کاسہ چشم مقربان بساط قرب کا بادۂ نوم[۲۶۴] بے خبری کے سے لبریز ہوتا، خواجہ سرا اُس جوان کے تئیں نقب کی راہ سے نزدیک میرے لے آتا اور میں تمام شب بیچ

صحبت اُس کی کے بادہ پیمائے پیمانہ عشرت کی رہتی۔ کبھی وہ بہارِ حُسن میری کے سے گل ہائے کامرانی کے چُنتا اور کبھی میں چشمہ جمال اُس کے سے آب زُلال کامیابی کا پیتی۔ جب مؤذن صبح خیز شمس کا اوپر مصلّی خاور کے بانگ نماز فجر کی دیتا، خواجہ سرا اُس جوان کے تئیں نقب کی راہ سے بیچ مکان اُس کے پہنچا آتا۔ اسی طور سے ایک مدت بسر لے گئی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر کرتی ہوں کہ جس وقت عُروس مہر کی بیچ حُجلۂ مغرب کی سدھاری خواجہ سرا موافق ضابطہ کے واسطہ طلب اُس جوان کے گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ وہ عزیز گرفتگی طبع سے مانند غنچہ کے دل تنگ ہو رہا ہے، خواجہ سرا نے جو سبب اس کا پوچھا تو بلبل زبان اُس کے کی بیچ قفس سکوت کے آکر نغمہ پرداز نہ ہوئی۔ لاچار خواجہ سرا نے اس بات کے تئیں بیچ عرض پرستاران حضور کے پہنچایا۔ اس بندی کے تئیں، جو اغواء شیطانی خوار کیا چاہے، ہوائے محبت اُس کی نے پروانہ دیا کہ قلابہ [۲۶۵] پیار اُس کے کا بیچ گریبان خاطر عشق پسند اپنے کے قائم کر کے زیب گلوئے فہمید ناقص اپنے کا جانا استغفر اللہ اگر یہ جانتی کہ آتش بے قراری کی خان ومان [۲۶۶] ناموس کا یوں جلا دے گی تو واللہ میں زنہار اسیر دامِ بلا کی نہ ہوتی۔ آخر عشق کمبخت وہ بد بلا ہے کہ شیشہ حیا کا، اوپر سنگ رسوائی کے ٹوٹے ہی ٹوٹے، ہائے ؎

آنکھ اپنی طرف اُس کی جب میل نہ کرتی تھی
ٹکڑوں سے مرے دل کے دامان نہ بھرتی تھی
قینچی کی طرح دل کے پُرزے نہ کترتی تھی
جب عشق نہ تھا یارو کیا خوب گزرتی تھی
کیا کام کیا دل نے دیوانہ کو کیا کہیے

اور اگر سچ پوچھیے تو واقعی یوں ہے ؎

دل کی تقصیر نہیں آنکھوں کا سب ہے یہ فساد
اوّل اس کام کے بنیاد کے یہ ہیں اُستاد

نین نمکین دل کے نصیبوں کے گویا ہیں جلاّد
طرفۃ العین[۲۶۷] میں کر دیتے ہیں دل کو برباد
از گرفتاری چشم است گرفتاریِ دل
سبب چشم بود موجب لاچاریِ دل

کہ تجھ تک نوبت کہنے سُننے کی پہنچی، والّا کہاں تو اور کہاں میں۔ خیر، اس کو کہاں تک کہیے۔ غرض اُس کے تئیں پیغام پہنچایا کہ جو میں باوجود اس قدر و منزلت کے کہ محک امتحان جوہر انسانیت کا ہے اور تاکید مختار سان سلطنت کے ممکن نہیں کہ آسکوں، پس اگر تو بھی نہیں آنے کا تو یقین جانیو کہ تیرے واسطے کیا کچھ مطاع گراں بہا امتیاز و حرمت کی بیچ سیلِ غفلت کے نہ بہہ جائے گی، اور کیا لعلِ قیمتی اعتبار و عزت کا صدمۂ سنگ بے قدری کے سے چور نہ ہوگا۔ یعنی میں بہ مقتضائے اس کے کہ زلف تیری نے بیچ ہر حلقہ کے سوکمند بلا کی لٹکا کر دل میرے کے تئیں پھنسا رکھا ہے، اُفتاں و خیزاں آہی پہنچوں گی لیکن اس صورت میں نتیجہ اس کا تیرے حق میں بھی خوب نہیں۔ اُن نے جو اشتیاق میرا نپٹ بے قراری سے اپنی طرف پایا اور غرض اُس کی اسی میں منظور تھی، بہ ہزار ناز و نیاز آیا۔ میں نے پوچھا کہ دل تنگی و آزردگی تیری کی کیا وجہ ہے کہ اتنی شوخی سے پیش آیا۔ عرض کیا کہ میں جو خاک بر داشتہ اس جناب کا ہوں بحکم اس کے۔ مصرعہ: ناز برآں کن کہ خریدار تست۔ نظر او پر دلداری ملکۂ جہانیاں کے بتوقع عفو تقصیر و امید اجابت التماس کے واقعی بے ادبی سے پیش آیا پر اب سے

بیت

بہ جان و دل ستی تقصیر وار[۲۶۸] حاضر ہے
ذبح کرو اسے یا چھوڑ دو ہوا سو ہوا

میں کہ کُشتۂ تیغ نگاہ اس کے کی تھی، حرکت اُس کی سے دیدہ و دانستہ اغماض کر کے بولی

کہ کیا وہ شکل ہے کہ جس کا حل ہونا اس قدر مشکل ہے، جوان نے عرض کیا کہ میں بیچارہ خاک برداشتہ اور محتاج اس آستانۂ[۲۶۹] دولت کا ہوں۔ اس سبب سے میرے تئیں بہ قول اس مضمون کے بہرطور مشکل ہے ؎

نے زر کی اُسے قدرت، نے زور کی ہے طاقت
نے عجز سے کچھ حاصل، نے کام کرے منّت
کس طرح سے کاٹوں میں، کٹتی نہیں یہ زحمت
کیا فکر کروں اُس کا، لا حول ولا قوۃ
کیا کام کیا دل نے دیوانہ کو کیا کہیے

اور آپ بفضل الٰہی ملکۂ زماں اور مالک الملک ہیں، اس واسطے بقول اس مضمون کے سب طرح آسان ہے :

مخمس

حاتم کو نہیں قدرت، ہمت کو تری پاوے
منہ کس کا سخاوت کے آگے جو ترے آوے
قاروں کے خزانے کو، اک دم میں جو لٹواوے
اس دل کی بھی مشکل کو آساں تو ہی کرواوے
کیا کام کیا دل نے دیوانہ کو کیا کہیے

آخرش بعد گفتگوئے بسیار کے فحوائے کلام اُس کے سے معلوم ہوا کہ ایک باغ خوش تعمیر نہایت شگفتگی و طراوت میں روح افزا متصل محل سرا اُس جوان کے اور اُس کے شامل ایک کنیز مغنّیہ کہ، علم موسیقی میں کم و بیش مہارت رکھتی ہے، اس طرح سے جیسے اونٹ کے ساتھ بلّی، یعنی اگر باغ لیجیے تو لونڈی بھی ساتھ ہی، کوئی شخص فروخت کرتا ہے اور مزا یہ کہ مثلاً قیمت اونٹ کی ایک روپیہ، تو بلّی کی قیمت سو روپیہ پر جگ[۲۷۰] نہ چھوٹے علیٰ ہذا القیاس قیمت باغ اور لونڈی کی کہا چاہیے۔ غرض وہ عزیز از بس بے اختیار مائل خریداری اُس کے کا ہے، لیکن

بسبب عدم سرانجام زرِ قیمت کے دستِ آرزو اُس کے کا گل چیں مراد کا نہیں ہو سکتا اس سبب سے غنچۂ خاطر اُس کے کا افسردہ ہو کے بہارِ روئے اُس کے کی مانند برگِ خزاں رسیدہ کے بے رونق کر رہا ہے۔ میرے تئیں کہ دلداری اُس کی ہر وقت منظورِ نظر و ملحوظِ خاطر کے تھی۔ اُسی وقت خواجہ سرا کے تئیں حکم کیا کہ صبح پیش از طلوعِ آفتاب قیمت اُس کی مُشخّص [۲۷۱] کر کے کلیدِ تصرف اُس کے کی بیچ قبضۂ اختیار اُس جوان کے چھوڑ۔ بارے اس بات کے سُننے سے جوان نے غبارِ تفکر کا کہ اوپر چہرۂ جمال اُس کے بیٹھا تھا، دامنِ تشفی کے سے پاک کیا اور تمام شب نظارۂ جمال میرے کے سے اُس کو اور اُس کے سے میرے تئیں، ہمدوشِ شادمانی کے و ہم آغوشِ کامرانی کے رہنا اتفاق ہوا۔ علی الصباح جس وقت تذرو [۲۷۲] آفتاب کا بیچ سبزہ زارِ سپہر کے خراماں ہوا، کار پردازان [۲۷۳] حضور کے یوں ہی عمل میں لائے۔ چند روز اس واردات کو گزرے تھے ایک روز اتفاقاً موسمِ بہار میں کہ مکان بھی دلچسپ تھا اور ابر بھی زور طرح سے ہو رہا تھا اور بجلی بھی یوں کوند رہی تھی جس طرح بینجنی [۲۷۴] پوشاک پر کناری چمکتی ہے اور ہوا بھی خوب ہی موافق پڑی تھی اور چھوٹی چھوٹی بوندیوں کے ترشح نیں عجب مزا کر رکھا تھا اور ستھری ستھری گلابیاں [۲۷۵] شرابِ ارغوانی سے بھری ہوئیں، اس ڈول [۲۷۶] سے رکھیاں تھیں کہ یاقوت کا جگر اُس کی جھلک کی حسرت سے خون ہو جاوے۔ چاہتی ہوں کہ ایک جام اُس بادۂ مُروّق [۲۷۷] سے نوش کروں کہ یکا یک ایک شعر بے اختیار زبان میری پر گزرا ؎

چمن ہے، ابر ہے، عیش و طرب ہے، جام و صہبا ہے
پر اک باقی ہے مجھ کو، ساقیِ گلفام کی خواہش

اور اُسی حالت میں میرے تئیں اشتیاق سیرِ باغِ نوخرید کا سلسلہ جُنباں ہوا [۲۷۸]۔ چنانچہ ایک دایہ کے تئیں ہمراہ لے کر نقب کی راہ سے اُس کی حویلی تک اور وہاں سے طرف باغ کے متوجہ ہوئی۔ دیکھتی کیا ہوں کہ واقعی باغ بڑی ہی بہار سے گوئے سبقت کی روضۂ رضواں سے لے گیا ہے۔ ایک ادنیٰ کیفیت اس کی بیان کروں کہ ترشح سے تقاطر [۲۷۹] کے باغ کے

درختوں پر یہ عالم ہو رہا تھا کہ گویا چتر زمرّدیں پر موتیوں کی جھالر جھلکتی ہے اور سُرخی گل ہائے شقائق [۲۸۰] دریا حین کی شام کے وقت بدلی میں یہ لطف دیتی تھی کہ جیسے رنگریز قدرت کا ابر کے وصلیچے [۲۸۱] شفق میں پھیلا رکھتا ہے، بوٹا کاری و رنگ طرازی نقش و نگار بنگلوں کی نے، نگار خانہ ارژنگ [۲۸۲] کے تئیں پرے کر رکھا تھا اور شفافی آب زُلال حوضوں کی نے، صفائے تختۂ آئینۂ حلبی [۲۸۳] کے تئیں بے آب کر دیا۔ سخن مختصر میں بہ تلاش اُس جوان کے خراماں خراماں باغ میں سیر کرتی پھرتی تھی کہ اس اثناء میں طاؤس مُرصّع دُم آفتاب کا اوپر دیوار شفق کے جلوہ گر ہوا اور کویل مشکیں بال شب کی آشیانہ مغرب کے سے بلند پرداز عرصہ روزگار کی ہوئی کہ ناگاہ وہ عزیز خیاباں کی طرف سے نظر پڑا خدا جانے اُس کو آگے ہی سے میرے آنے کی اطلاع تھی یا کیا تھا کہ میرے تئیں دیکھتے ہی نپٹ تپاک سے پیش آ کے ہم دست ہو کر متوجہ بارہ دری کا ہوا۔ سُبحان اللہ وہاں کا جو عالم دیکھا تو شام کی بہار پر بھی کچھ فوقیت رکھتا تھا اور از روئے انصاف کے کہیے تو تماشے کے عالم میں رات نہ تھی گویا شبِ برأت تھی۔ اگر چراغاں کی کیفیت کا ذکر کروں تو دل مانند قمقمۂ محفل سرا بستان ارم [۲۸۴] کے تجلی بخش دیدۂ بصیرت اَرباب ذوق کا ہو جاوے اور کنول چمن کے روشنی کا بیان کیجیے تو غنچہ دل کا مانند گلریز کے ہَوائے محبت اُس کی گل کی صورت میں پکھڑی پکھڑی ہو کے جھڑ جاوے۔ ایک طرف انار کے جھاڑ نے مانند جھاڑ درخت چنار کے گلہائے آتشیں سے صحن باغ کے تئیں گل انار کر رکھا تھا۔ گھونگچی [۲۸۵] کے گلدستہ نے گلدستۂ شقائق و ریاحین [۲۸۶] کے تئیں اپنی روشنی کے شعشہ سے اُس کے جگر کو حسرت سے داغ داغ کر دیا تھا۔ ہوائی [۲۸۷] نے اپنی بلند پروازی کے روبرو ہوا کے تئیں بے بال و پر کر رکھا اور پٹاخے نیں اپنی غُرّش [۲۸۸] کے آگے بادل کی گرج کو صمّ بکمّ [۲۸۹] کر دیا۔ ہتھ پھول کے پھول کا جو لطف کہوں تو بے شائبہ تکلف جس طرح کرن پھول خورشید کا بیچ بنا گوش عروس صبح کے جھلکتا ہے اور پھلجھڑی کی گل افشانی کا جو ذکر کروں تو بے تصنّع جیسے قمر کے نوشہ [۲۹۰] کے مکھ پر کرن کی جوت مُقیّش [۲۹۱] کے سہرے میں جھلملاہٹ کرتی موتی کی لڑی جھمکتی ہے، اس عرصہ میں آتش باز فلک کے نے ماہتابی

ماہتاب کے تئیں روشن کیا یعنی اس وقت ابرِ سیاہ میں یکا یک چاند نکلا تب کچھ اور ہی تماشا نظر آیا گویا نافرمانی لباس سے کسی ماہرو نے نقاب چہرہ سے اُٹھا کر جلوہ دکھلایا۔ غرض چاندنی کے نکلتے ہی جوان میرے تئیں اوپر بالا خانہ بُرج باغ کے لے گیا۔ از بس کہ بُرج باغ کا دیوار شہر پناہ کے سے اتصال رکھتا تھا، میرے تئیں اُس کی بلندی پر اپنے حُسن کے روبرو تمام چراغانِ بازار شہر کا، یوں معلوم ہوتا تھا، جس طرح آفتاب کے آگے ذرّے چمکتے ہیں اور میں اُس عالم میں جوان کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے خوش وقت تھی۔ اس عرصہ میں ایک کنیز بدہیئت ایک شیشہ آتشیں شراب دوآتشہ سے لبریز کہ جس کے چند قطرہ میں انسان حیوان بن جائے، ہاتھ میں لیے مانند کُسُوف [۲۹۱] کے خورشید جمال میرے کے تئیں دابتی ہوئی آئی، جو از بس کریہہ منظر تھی، میرے تئیں آنا اُس کا، دل کو نہ بھایا اور اُس جوان سے پوچھا کہ یہ تحفہ معجون کہاں سے بہم پہنچائی۔ تب نہایت خوشامد سے لگا کہنے کہ یہ وہی کنیز مغنیہ ہے کہ آپ کی عنایت سے خرید ہوئی۔ خیر، جو میرے تئیں معلوم ہوا کہ جوان نے اُس کے تئیں نپٹ خواہش سے خرید کیا ہے، شاید کچھ گوشہ خاطر کا بھی طرف اُس کے مصروف رکھتا ہو، لاچار پاس خاطر اُس کی، سنگ آمد و سخت آمد، جان کر خاموش ہو رہی لیکن مزاج اسی وقت سے منغّض [۲۹۳] ہوا۔ تس پر قیامت یہ کہ اس بدبخت نے بہ مقتضائے اس کے کہ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز، ساقی اُسی ناپاک کو مقرر کیا۔ اُس وقت جیسے طوطی کو ساتھ زاغ [۲۹۴] کے بند کرتے ہیں، نوبت میری گزری، نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن۔ قصہ مختصر جو اُس کی نفس امارہ [۲۹۵] جوش پر تھی، علی التواتر دو چار جام شراب کے بیچ صُراحی حلقوم [۲۹۶] جوان کے ڈھالے اور ایک آدھ پیمانہ بیچ گلابی غنچہ دہاں میرے کے۔ آخرش رنڈی [۲۹۷] کچھ بدمست سی ہو کر جوان کے ساتھ عشوہ سازی [۲۹۸] و غمزہ پردازی میں آئی اور وہ بھی کچھ چنچلا [۲۹۹] سا حالت مستی میں بے لحاظ ہو چلا۔ اُس وقت میری یہ حالت ہوئی کہ اگر زمین پھاٹے تو سما جاؤں۔ لیکن میں احمق جب بھی بتوقع حرف وفا اُس بے وفا کے یہ دو بند واسوخت کے پڑھ اُٹھی

ع

کیوں رہے بے مہر تجھے یاد ہے وہ اگلی چاہ
ایک دن میری جدائی کا تجھے تھا سو ماہ
تو جو اخلاص کا اپنے نہیں کرتا ہے نباہ
کہہ تو اب کون سا اثبات کیا مجھ پہ گناہ
غیر سے سامنے میرے تو لڑاتا ہے نگاہ
اس قدر ہم سے تو بیزار ہے سبحان اللہ

گر بظاہر بہ کسے خلق نکو خواہی کرد
شوخ ہا ما تو چہ کردی کہ بہ او خواہی کرد

اس قدر چشمِ مروت کا اُٹھا مت یکبار
چھوڑ کر حق کو نہ کر کفر کی باتیں زنہار
خوبرویوں میں تجھے کن نے بنایا سج دار
ورنہ خوباں میں کوئی تجھ کو نہ کرتا تھا شمار
بلکہ پھرتا تھا تو ہر ایک کے گھر سو سو بار
اپنی مجلس میں نہ دیتا تھا کوئی تجھ کو بار

ایں زماں جائے تو در دیدۂ مردم شدہ است
روئے زیبائے تو از دیدۂ ما گم شدہ است

آخرش وہ جو کہتے ہیں کہ ''تربیت نا اہل راچوں گردگاں بر گنبد است''۔ یہ سب گفتگو یوں ہوئی جیسے بھینس کے آگے بین باجے یعنی اُس قمار باز قمار خانۂ بے حیائی کے نیں نقد ہوش و عقل اپنے کے تئیں کھیل ڈالا اور خزینۂ سینہ کا متاعِ الفت و محبت میری کے سے خالی کیا اور اسی وقت بہ مقتضائے بے غیرتی کے ہوائے نفسانیت جوان کی نیں دامن شرم گاہ کنیزک [300] کے تئیں مانند گریبان غنچہ سیاہ دھتورے [301] کے چاک کیا اور اُس کنیز بے تمیز

نیں بیچ عالم بدمستی کے خمخانۂ ملاقات جوان کے سے ساغرِ مراد کا پیا۔ ہنگامۂ نازو نیاز کا گرم ہوااور پیمانہ بوس و کنار کا لبریز۔ اُس وقت ؎

نہ اُس بے وفا کو وفا سے اثر
نہ اُس بے حیا کو حیا سے نشاں

تب کاسہ دماغ میرے کا مانند دیگ کے آتشِ جنوں سے جوش میں آیا اور معنی اَلخبیثاتُ لِلخبیثینَ کا مطابق حال اُن دونوں نابکار کے جان کے حالت غضب میں سخت کہتی ہوئی اُٹھی۔ جوان نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ملکہ ناخوش اُٹھی خدا جانے کہ صبح کیا قیامت نازل ہوگی، پس اس کے تئیں یہیں فیصل کیجیے۔ بارے یہ ارادہ کر کے موافق صلاح اُس فاحشہ کے اول مکروتزویر [۳۰۲] سے میرے تئیں پھسلا پر چا بٹھلایا اور اُس بادۂ ہوش رُبا کے دو چار جام متواتر سے میرے تئیں مدہوش کیا۔ جس وقت دُزد [۳۰۳] غفلت کے نے اوپر قافلہ حواس میرے کے شب خوں کیا، اُس بے رحم سنگ دل نے سنگ ستم کا اوپر سینۂ الفت کے رکھ کے اِس بے گناہ کو ساتھ تیغ بے دریغ کے زخم ہائے کاری سے رشک گلہائے ارغواں [۳۰۴] کا کیا۔ میں کہ کشتۂ تیغ ابروئے خمدار اس کے کی تھی، اُس وقت بھی اپنی محبت سے نہ چوکی کہ باوجود اس حرکت کے جوان کی طرف مخاطب ہو کے کہا ؎

مُبادا ہو کوئی قاتل ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

اور ایک رباعی مرزا سودا صاحب کی کہ حسب حال اُس وقت کے تھی، پڑھی ؎

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہماری لاش کو تشہیر ہے ضرور
آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے

یہ کہہ کر خاموش ہوئی پھر میرے تئیں خبر نہیں۔ شاید بعد اس ماجرے کے اُس قصاب نے اپنی دانست میں میرے تئیں بے جان سمجھ کر درمیان اُس صندوق کے کہ تو واقف ہے، زیر دیوار شہر پناہ کے لٹکایا لیکن اگر اوقات آدمی کے مَرج مَرنجان[۳۰۵] سے گزرتے ہوں گردش فلکی سے اُس کے حال پر اگر رتی ظلم کی کبھی دراز بھی ہو تو اُس کے حق میں حَبْلُ المتین[۳۰۶] عنایات فضل الٰہی کی عروۃُ الوُثقیٰ توفیقات فیض نامتناہی کی ہو جاوے۔ واقعی سچ ہے تو یہ ہے دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست، قدرت خدا کی دیکھیے کہ اُس وقت اپنے فضل و کرم سے تیرے تئیں بھیجا کہ باعث شفا کا ہوا:

قطعہ

وہ جناب کبریا ایسا ہے جس کی حمد میں
ہو سکے آدم کی خلقت سے کوئی رطب اللساں
اتنی ہی ہے آرزو میری کمال عجز سے
اپنے بندوں پر رہے یونہی سدا وہ مہرباں

ہر چند مقتضا حیا کا نہیں کہ باوجود اس رسوائی کے اپنے تئیں سلامت رکھوں لیکن کیا کروں، رشتہ حیات کا زبردست تھا:

ع جو جو خدا دکھاوے سو لاچار دیکھنا

قصہ کوتاہ بعد از ظہور صورت شفا کے تیرے تئیں بے خرچ دیکھا، وہ رُقعہ شیدی بہار نامی اپنے خزانچی کو لکھا تھا کہ میں خیریت سے بالفعل جلوہ افروز فلانے مکان کی ہوں تو خبر میری بیچ جناب سرِّ اوقات عصمت حریم بادشاہی کے پہنچا دیجیو اور بہ مجرد ملاحظہ شُقہ[۳۰۷] کے گیارہ توڑے اشرفیوں کے حوالہ اس عزیز کے کیجیو اور جب تیرے تئیں واسطے خرید کرنے جواہر و خلعت کے اوپر دوکان یوسف سوداگر بچّے کے بھیجا، اصل یوں ہے کہ میرے دل میں تھا کہ تیرے تئیں مرد اجنبی جان کے اغلب کہ تکلیف دعوت کی کرے گا۔ چنانچہ تصور میرا درست پڑا کہ وہاں بہ موجب خیال میرے کے عمل میں آیا اور یوں تو اُس کے تئیں متوقع

ایفائے وعدہ کا کر کے واسطے اِسترضا میری کے آیا۔ جو یہ بات بہ موجب تخیل میرے کے ہوئی بہ خیال اس کے کہ جب تو نقل اِجابت کا خوانِ دعوت اس کے سے تناول کرے گا شاید کہ وہ بھی، اگر توں بَجد [۳۰۸] ہوتو شرابِ ضیافت تیری کی سے مخمور ہو، رخصت تیری اُس وقت مَقرون [۳۰۹] بہ صلاح جانی۔ بعد سہ شبانہ روز کے توں جو مہمانی سے فراغت کر کے نزدیک میرے آیا اور بہ سبب اس غیر حاضری کے عرق انفعال کا اوپر چہرہ کے لایا، اُس وقت میں نے تیری تشفی کے واسطے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں رفتن بہ ارادت و آمدن بہ اجازت، توں زِنہار دامنِ اطمینان کے تئیں غبار وسواس کے سے آلودہ نہ کر لیکن تیرے تئیں بھی اُس کی ضیافت کی تیاری از جملہ واجبات ہے۔ توں حُسبِ الحکم میرے واسطے طلب اُس جوان کے گیا۔ پر میں جو دیکھتی ہوں تو کچھ اسبابِ ضیافت کا تیار نہیں۔ جو ایامِ سَلف [۳۱۰] سے رسم و آئین مقرر ہے کہ سلاطین اس مملکت کے نہہ ماہ تک بیچ مُہمات مالی و ملکی کے مشغول رہتے ہیں اور باقی موسمِ برسات میں بیچ دار الخلافت عالیہ کے رونق افزا ہوتے ہیں، اتفاق حَسنہ یہ کہ اس وقت دو چار ماہ پیشتر سے والد بزرگوار یعنی خسرو عالی تبار والی اس دیار کا موافق قاعدہ مُستمرہ کے بیچ گرد و نواحِ ممالک دمشق کے متوجہ بہ نظم و نسق اُمورات سلطنت کے ہوا تھا اور شبستان دل میرے کے تئیں آتشِ غضب خشمگیں کی سے خوف جلا دینے کا تھا، جب تک کہ تو معاوَدت [۳۱۱] کرے، میں فرصت کو غنیمت جان کے بیچ جناب بادشاہ بیگم کے کہ مادرِ مہربان تھی، سوار ہو کر پہنچی جو ستارِ حقیقی نے وصف ستارِ عیوبی کا بیچ حق مادر بزرگوار کے عطا فرمایا ہے، ابتدا سے انتہا تک قصہ سَرگزشت اپنی کا اور حقیقت گناہ و بے گناہی کی مفصل نقل کی۔ معلوم ہوا کہ مادرِ مہرپرور نے میرے غائب ہونے سے بہ مُقتضائے دور اندیشی کے سنگ شہرت کا اوپر دیوار رسوائی کے نہیں مارا، کہ آخرش یہی سنگ اُلٹ کر تمام خاندان کے ننگ و ناموس کا سر ٹکڑے کرے گا لیکن مخفی تلاش تھی۔ اس عرصہ میں زبانی شیدی بہار خزانچی کے رقعہ کے رو سے خبر معلوم ہوئی۔ بعد از اں میں جا پہنچی۔ تب اوپر حال میرے کے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ کمبخت توں نے جو دیدہ دانستہ شیشہ ننگ و ناموس سلطانی کا رسوائی کے

پتھر پر توڑا، یہ کیا کیا۔ ہزار حیف۔ علاوہ اُس کے پیمانۂ عمر اپنی کے تئیں بادۂ زندگانی سے خالی کیا، توبہ واستغفار کر۔ خوب ہوا سو ہوا ؎

تقدیر کے لکھے کو امکان نہیں دھونا
تقصیر نہیں دل کی قسمت کا بدا ہونا

پر اب مطلب تیرا کیا ہے؟ تب میں نے کمال مَجوبی [۳۱۲] سے عرض کیا کہ جو کلک [۳۱۳] کے قضا نے بیچ دیوان مَشِیّت کے مجھ سیہ اختر کے حق میں یوں رقم کھینچا ہو کہ اس خواری اور بدنامی سے بیچ زمانے کے بسر لے جاؤں، اس سے یہی بہتر کہ تن قضا کو دوں اور نقد جاں کے تئیں حوالہ متقاضی اجل کے کروں لیکن ستم یہ ہے کہ وہ دونوں نابکار میرے ہاتھ سے نجات پا کے چاشنی لذت کی خوان زندگانی کے سے حاصل کریں اور میری آتش حسرت تلافی کی دل کی دل ہی میں سرد ہو، پس امیدوار ہوں کہ اگر کار پردازان کارگاہ حضور عالیہ کے تئیں ارشاد ہو تو سامان ضیافت کے تئیں، آئین شائستہ سے بیچ غریب خانہ کے زیر ترتیب کا دیویں کہ میں بہ حیلہ ضیافت کے اُن دونوں سیہ بختوں [۳۱۴] کو بُلوا کر بہ پاداش نکوہیدہ عمل کے انتقام اپنا لوں یعنی رحیق حیات کی ایاغ وجود ناپاک اُن کے سے اوپر خاک عدم کے ڈالوں، بارے کچھ تو تلافی مافات [۳۱۵] کی ہو۔ مادر سراپا مہر بہ تقاضائے عَطُوفت [۳۱۶] مادری کے عیب میرے کے تئیں مستور کر کے سب لوازمہ ضیافت کا ہمراہ اُسی خواجہ سرا کے کہ عالم صِغرسِن [۳۱۷] سے محرم اسرار میرا ہے، بھیجا اور باری داران حضور کے تئیں اپنے اپنے عہدہ پر بدستور محفل سلطانی کے آراستہ کیا جب فرّاشِ سپہر [۳۱۸] کے نے اَسپک [۳۱۹] نیلگوں شب کو بیچ عرصۂ شام کے استادہ [۳۲۰] کیا تو اُس جوان جواہر فروش کے تئیں ہمراہ لے کر داخل میہمان خانہ کے ہوا۔ جو میرے تئیں اُس کی معشوقہ کو بھی بُلوانا منظور تھا، تیرے تئیں واسطے طلب اُس کے تقیُّد [۳۲۱] کیا۔ چنانچہ وہ بھی آتے ہی بادہ پیما پیمانۂ عشرت کی ہوئی۔ جس وقت کمیں داران [۳۲۲] مستی کے اوپر بدرقہ ہوشیاری اُن بے ہوشوں کی تاخت لائے اور تو بھی مانند قالب بے جان کے دست و پا دراز کر کے مست شراب غفلت کا ہوا میں نے ایک قلماق [۳۲۳]

کے تئیں حکم کیا کہ ان دونوں ناپاک کے تئیں ساتھ تیغ بے دریغ آبدار کے اوپر بستر فنا کے آرام سے سُلا دے۔ چنانچہ اُس نے بہ موجب اجازت میری کے سر اُن دونوں بے حیاؤں کا مانند گوئے [۳۲۴] او پر زمین نیستی کے لوٹایا، تو جو مورد عتاب میرے کا ہوا تھا، اُس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے تیرے تئیں اجازت تیاری لوازمہ میہمان داری کی دی تھی نہ کہ برخلاف مرضی میری کے دل جمعی سے آشنائے دو روزہ کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو جائے۔ یہ حرکت البتہ میرے تئیں خوش نہ آئی اور واقعی جب توں از خود بے خود ہوا، پھر شرط رفاقت کی کہاں رہی لیکن سوابق [۳۲۵] حقوق تیرے نے گردن میری کے تئیں اس قدر زیر بار منّت کا کر رکھا تھا کہ اَلماضی لَایُذکر کو کام فرمایا۔ قصہ کوتاہ و سخن مختصر، اے عزیز طوطی نُطق پرداز، حکایت سرگزشت میری کی اس قدر گویا تھی کہ بیچ چمن گفتگو کے نغمہ سرا ہوئی۔ پر اب آرزو دل کی یہ ہے کہ جو میں پاس خاطر تیری کے تئیں بجالائی پس تو بھی حرف زبان میری کے تئیں گزِلک [۳۲۶] اِغماض [۳۲۷] کے سے محو نہ کر یعنی اب قدم سکونت کا بیچ اس دیار کے قائم رکھنا صلاح وقت نہیں، آگے مختار ہے۔

اے یاران غمگسار، ملکہ جَدْوَل کلام کی اوپر صفحۂ بیان کے یہاں تک کھینچ کر خاموش ہو رہی۔ اُس وقت میں کہ مُقیّد سلسلۂ عشق و گرفتار دام محبت اُس کی کا تھا، رضائے خاطر اُس کی کے تئیں سب چیز پر مقدم جان کے بولا ؎

ہے پرورش سخن کی تری مجھ کو یاں تلک
چلنا زمیں کا کیا ہے اُڑوں آسماں تلک
بے مرضیٔ شریف کروں گا نہ کام کچھ
تنگی سے گر ہو چاک گریبانِ جاں تلک

زیادہ اس سے کیا کہیے۔ تب ملکہ نے میرے تئیں رفیق دل سوز اپنا جان کے حکم کیا کہ دو باد پا [۳۲۸] سُبک رَو سُبک خرام اصطبل بادشاہی سے طلب کر کے مستعد تیاری روانگی کا رہو۔ چنانچہ بندہ نے حسب الحکم ملکہ کے دو گلگوں [۳۲۹] برق رفتار جلد بازی و سُبک خرامی میں

ایسے ہی خوب کہ بے مبالغہ ہوائے مجسّم کہنا چاہیے ؎

چمن میں صنع[۳۳۰] کے اُن کی سُبک روی آگے
کبھو نہ ایک قدم چل سکے نسیم بہار
غرض وہ گرم عِناں[۳۳۱] ہو کے جب چمک جاوے
نہیں پہنچتی ہے برق اُن کی گرد کو زنہار

لا کر حاضر کیے، جس وقت باج[۳۳۲] بہادر ماہتاب کے نے روپ متی زہرہ کے تئیں اوپر اَشہب خوش خرام سپہر کے سوار کر کے مسافت چند گُروہ کی طے کی تھی، چار گھڑی شب باقی ماندہ تھی یہ فقیر ملکۂ قمر طلعت کے تئیں اوپر شبدیز[۳۳۳] شبرنگ[۳۳۴] کے لباس مردانہ سے سوار کر کے اور آپ بھی کُمَیت[۳۳۵] تیز رفتار پر ہمراہ ہو کر مانند باج بہادر و روپ متی کے چلا و شبانہ روز بہ طرزِ مہر و ماہ کے سَریع السَیر ہو کے تھوڑے عرصہ میں مسافت چند روزہ کی طے کر آیا۔ کوئی گھڑی میں راہ کاٹنے کے واسطے موتی آبدار حکایات دلچسپ کے نثار حُسن مَسَامع[۳۳۶] اُس مایۂ ناز کے کرتا اور کوئی ساعت پھول کلمات دلفریب کے گلزار وہاں اُس کے سے بیچ چمنِ سمع اِس سراپا نیاز کے جھڑتے۔ اسی طور سے ہنستے کھیلتے باتیں کرتے چلے جاتے تھے۔ ہر ایک روز عید تھا اور ہر ایک رات شب برأت۔ ہر منزل میں کنول دل کا نہایت بالیدگی سے یوں کھل رہا تھا جیسے دِہ[۳۳۷] میں کنول پھول رہتا ہے اور ہر مقام میں غنچہ خاطر کا ازبس شگفتگی سے یوں پھول رہا تھا جس طرح موسم بہار میں شگوفہ کھل رہتا ہے لیکن میرے تئیں اس سپہر[۳۳۸] بے مہر کی کج روی پر آتا ہے کہ یکایک عشرت کے لفظ سے شین کے نقطے دور کر کے سین کے حرف کو پیش پہنچایا کہ عشرت کے لفظ کا بے نقطگی سے بازار گرم ہوا اور تو کیا کہوں، دل جلے پر یہ شعر مرزا سودا صاحب کے، زبان سے بے اختیار اُس کے حق میں نکلتے ہیں ؎

مستعد اتنا ہے یہ افعی[۳۳۹] گزند[۳۴۰] خلق پر
پیچ اُس کے چال کا دیکھا تو ہے شکل دہاں

خوان پر اُس روسیہ کے مت سمجھ تاروں کو نُقل[۳۴۱]
چمکے ہیں تودے میں خاکستر کے یہ چنگاریاں
ختم اُس پر ہو چکی بد خلقی و بد خصلتی
پھر نہ آیا اپنے گھر اُس کے گیا جو میہماں
کام عالم کا بسانِ جوئے تصویر اُس کے ہاتھ
بند رہتا ہے بمعنی گر بصورت ہو رواں
جب تلک ہرگز نہ کھولے کار بستہ سے گرہ
تانہ باندھا چاہیے محکم کر اُس پر یہ گماں
دیکھ ٹک احوال عنقا کا کہ اُس ظالم کے ہاتھ
نام گر پیدا کرے کوئی تو مٹ جائے نشاں
پابرہنہ میں پھروں، خُوبوں[۳۴۲] کی خاطر دھوپ میں
خار کے سر پر کرے دامان گل کو سائباں
کیا کروں اُس کے طلوّن[۳۴۳] کی طبیعت کی میں نقل
کیا کروں نیرنگیِ گردش کا اب اُس کے بیاں
پس جو ایسا ہو کوئی، اے دل نہ کیجیے اسکا ذکر
آشنا کر اب غزل خوانی سے تو اپنی زباں
گر نسیم زلف کا اُس کے چمن میں ہو بیاں
نکہت گل سے پریشاں ہو دماغ بلبلاں
طوطیٔ تصویر اُس کے روبرو کرتی ہے نطق
محو جو دیدار کا تیرے ہوا آئینہ ساں

یعنی عین مزے میں اُس پری چہرہ نے کہ جس کی تعریف میں اس روسیاہ کا ذکر کرتے کرتے عاجز ہو کے آخر کے دوشعر پڑھ گیا ہوں، مجھ سے کہا کہ غنچہ دہاں میرے کا تشنگی تپش

سے کھلایا جاتا ہے، اگر کہیں سے تھوڑا سا پانی ملے تو چشمۂ آبِ حیات سے گویا حیاتِ جاوداں پائے۔ میرے تئیں جو آرام خاطر اس آرام خاطر کا اپنے آرام وخاطر پر مُقدّم تھا، اُس نازنین کے تئیں زیر سایہ درخت کے بٹھلا کر بہ تلاش پانی کے چلا۔ چلتے چلتے درمیان اُس صحرائے ہولناک کے ایک دریا مہیب کہ جس کے خیال سے زہرہ دل [۳۴۴] کا آب ہو جائے نظر آیا۔ بارے فقیر کے تئیں باوجود وحشت کے ایک طمانیت حاصل ہوئی اور اس چشمہ سے ایک صُراحی پُر کر کے نزدیک اُس درخت کے لے پہنچا۔ وہاں جو دیکھتا ہوں تو خیریت نہیں یعنی وہ ماہ شب چہار دہم بیچ ابر غیب کے سما گئی۔ تب میں گھبرا کر یہ اشعار پڑھتا ہوا چلا ؎

عشق ہے دامِ بلا، زلفِ پریشاں مَدَدِے
راہ بھولا ہے یہ دل، خضرِ بیاباں مدَ دے
ہجر میں یار کے پھرنا ہے مجھے دشتِ عظیم
پابرہنہ ہے مرا، خارِ مغیلاں [۳۴۵] مدَدِے

جہاں کہیں سَیلِ سَرَشک [۳۴۶] میرے کارِیزش [۳۴۷] کرتا دریا ازبس خجالت سے آب آب ہو جاتا اور جس جگہ نایرہ آہ میری کا مُلتہب ہوتا، شعلہ نہایت حسرت سے سوخت ہو جاتا۔ اسی طرح سے ڈھونڈتا پڑا پھرتا تھا اور قدم قدم پر بیٹھ بیٹھ کر آئینے کی مثال، پشت بہ دیوار حیرت ہو کر دیدۂ پُرآب سے رو رو کر یہ شعر پڑھتا تھا ؎

بٹھا گیا ہے کہاں یار بے وفا مجھ کوں
کوئی اُٹھا نہ سکا مثلِ نقشِ پا مجھ کوں
کبھی مُقیم حرم ہوں کبھی ہوں ساکنِ دیر
کِیا خراب مرے دل نے جابجا مجھ کوں

اگر روز ہے تو آتشِ اِستیلائے [۳۴۸] اشتیاق اُس کی سے جگر داغ وسینہ پُرسوز، اگر شب ہے تو اِشتعالہ آہ فراق اُس کے کا بیچ کانون دل کے شعلہ افروز — نہ جی کو قید جسم کی سے

رہائی اور نہ چشم کو ساتھ جی کے توقع آشنائی۔ دل اُس کی یاد میں نہایت بیتاب اور جان اُس کے خیال میں سراپا اضطراب ہے

روٹھا ہے اب وہ یار، جو ہم سے جدا نہ تھا
یوں بے وفا ہوا ہے، گویا آشنا نہ تھا
یہ جَورِ عشق، کس کے، بلا کی نظر میں تھا
جب لگ ہزار جاں سے یہ دل مبتلا نہ تھا

واقعی اگر مجنوں دِلِ مُضطرب میرے کا مَفتُون ۳۴۹ جمال اُس لیلیٰ نَو اد کا نہ ہوتا تو اس کمبخت کو صَحرا نوردی و دشت پیمائی سے کیا کام تھا۔ واہ واہ حضرت دل نے مجھ غریب پر خوب وار کیا ہے

میں دشمن جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا
سو حضرتِ دل، سلمہ اللہ تعالیٰ

آخرش جب بیچ پائے تلاش و اُمید کے آبلے یاس و نومیدی کے پڑے لاچار تن بہ تقدیر دے کر یہ خیال میرے جی میں گزرا:

مخمس

اس زیست سے بہتر ہے اب موت پہ دل دھریے
جل بجھیے کہیں جا کر یا ڈوب کہیں مریے
کس طور کٹیں راتیں کس طور سے دن بھریے
کچھ بَن نہیں آتی ہے، حیراں ہوں کیا کریے
کیا کام کیا دل نے، دیوانے کو کیا کہیے

اس عرصہ میں بیچ صحرائے لق و دق کے ایک پہاڑ نظر آیا، میرے دل میں یہ ارادہ مصمّم ہوا کہ اوپر اس کوہ کے جا کے ایسا ہی گروں کہ استخواں سے نشان نہ رہے۔ چنانچہ اُس طرف کو متوجہ ہوا۔ چلتے چلتے اوپر ارتفاع پہاڑ کے پہنچ کر چاہتا ہوں کہ قلّہ ۳۵۰ کوہ سے گرا کر

اپنے تئیں ضائع کروں کہ اس اثنا میں ایک سوار سبز پوش باساز و یراق مُسلّح ناگہانی پیدا ہوکر، مجھ سے فرمانے لگا کہ توں زِنہار مُرغ روح اپنے کے تئیں بیچ ہوائے ناکامی کے پرواز نہ دے۔ بعد اِنقضائے چند روز کے بیچ مَرزبوم[۳۵۱] روم کے تین درویش اور ہمدرد تیرے بایک دگر ملاقات کریں گے۔ اُس وقت انشاء اللہ تعالیٰ بہ طفیل فرخندہ سیر نامی بادشاہ روم کے کہ اُس کے تئیں بھی ایک مشکل لاحل درپیش ہے، فیضِ صحبت ہم دیگر کے سے شاہدِ مقصود ہر ایک کے نقاب حجاب کا درمیان سے اُٹھا کر چہرہ کشا ہوں گے، یہ بات فرما کر پھر بیچ عالم غیب کے غائب ہوگیا:

قصیدہ

تب وہیں پوچھا، مرے دل نے یہ پیرِ عقل سے
کس کے تھا نورِ قدم سے جلوہ افزا یہ مکاں
کس کا یہ ارشاد میرے حق میں ہے تسکیں فزا
جس کے سُننے ہی سے میری ہوگئی خاطر نشاں
یوں کہا پیرِ خرد نے مجھ سے اے ناداں خموش
کیا مری طاقت ہے تجھ سے گر کروں اُس کا بیاں
مطلق آگاہی نہیں، اِس راز سے میرے تئیں
اس کی تحقیقات کا، ہرگز نہ کر مجھ پر گماں
واقف اُس اَسرار کا، کوئی نہیں جُز ذاتِ حق
راز کا اُس کے نہیں، کوئی بجز حق رازداں
لیکن اتنا میں سمجھتا ہوں کہ جُز ذاتِ علیؓ
کس کو قدرت ہے جو اس صورت سے آکر ہو عیاں
اس کی قدر و منزلت کا کیا کروں تجھ سے میں ذکر
عرش جس کا فرش ہو، کُرسی ہو جس کی لامکاں

کس کا ہے مقدور، جو کچھ لکھ سکے اُس کا جلال
کون ہو سکتا ہے اُس کے وصف سے رطب اللّساں
پر کیا تو نے جو مجھ سیتی سوال اس بات کا
اس کا دیتا ہوں جواب، اب دل سے اُس پر کر نشاں
تا قیامت ہو نہ آدم پر ہویدا سِرِّ غیب
تا نہ ہووے منکشف اُس پر کبھو رازِ نہاں
لیکن اُس کی ذات کے مظہر کا یہ اسرار ہے
ہے جو کچھ مخفی جہاں میں، اُس پہ رہتا ہے عیاں
پس بقول حضرتِ تحسیںؔ کہ اپنے طرز میں
بے تکلف ہے وہ گویا طوطیِ ہندوستاں
ہو جو کچھ الہامِ مولا اُس پہ اے دل کر عمل
ہو جو فتحُ الاَبواب[۳۵۲] مقصد اُس طرف کو ہو رواں

بارے بندہ بہ مُوجب ہدایت اپنے مولا مُشکل کشا کے روانہ منزل مقصود کا ہوا۔ اگرچہ دل کے تئیں تسکین امید کی حاصل ہوئی تھی لیکن خارِ فراق اُس گلبدن کا، بیچ پائے تلاش میرے کے، اس قدر چبھا تھا کہ جب تلک گلدستہ مراد کا گلستانِ وصال محبوب دل نواز کے سے رونق بخش دیدۂ انتظار کا نہ ہووے، رونے سے سروکار رکھوں چنانچہ اُس جنگل مہیب میں تن تنہا روتا ہوا چلا اور اُس وقت سِوائے قافلہ اشک کے کوئی ہمراہ نہ تھا:

مخمس

کبھی منصور کی بالیں پہ جا جا شب کو روتا تھا
کبھی اشک اپنے سے یعقوبؑ کی تُربت کو دھوتا تھا
کبھی فرہاد کی حالت میں اپنے جی کو کھوتا تھا
کبھی تخم جنوں مجنوں کی جا وادی میں بوتا تھا
کبھی گلشن میں جا بُلبل کے سر سے سر پٹکتا تھا

اس طرح سے اُفتاں وخیزاں بیچ مَرز بوم روم کے پہنچ کر رہبری طالع کے سے نعمت غیر مُترقب ملاقات ہم دیگر کی کہ بسم اللہ نسخۂ جمعیت وکامرانی کی ہے، حاصل کی۔ اب امید قوی ہے کہ انشاء اللہ چشم تمنا کی مشاہدۂ جمال خُجستہ خصال فُرخُندہ سیر کے سے جلد منور ہو۔ بعد ازاں یقین ہے کہ دامنِ آرزو ہر ایک کا گل ہائے کامیابی سے گل چین مراد کا ہوئے۔ اے یاران غم گُسار، قصہ سر گزشت اس سر گشتہ بادیہ غربت کا اِس قدر تھا کہ گزارش کیا لیکن معلوم نہیں کہ کب تلک شبِ دَیجور [٣٥٣] مہاجرت کی شمع وِصال جاناں کے سے روشنی پاوے گی اور کس گھڑی کلبۂ اَحزاں [٣٥٤] میرا قدُوم عشرت لُزوم اُس مایۂ ناز یعنی ملکہ دل نواز کے سے رشک گلستان ارم کا ہوگا۔

فرخندہ سیر کہ ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا، گوش خیال کے تیئں مائل اِصغائے [٣٥٥] ماجرائے درویش اول کے رکھتا تھا، سُننے اس داستان ندرت بیان کے سے ازبس خوش وقتی سے بیچ قالب کے نہ سمایا اور متوجہ اِستماع [٣٥٦] قصہ سر گزشت درویش دویم کا ہوا۔





قصّہ درویش دوم

تب دَرویش دوم نے عَندلیب خوش لہجۂ زبان کے تئیں بیچ گلزار بیان کے یوں داستان سرااِس معنی رنگیں کا کیا کہ

یہ بَندہ پسر فرمانرَوائے مُلک فارس کا ہے، جو اکتسابِ کمالات ہر فن کا جوہر اِبنائے مُلوک کا ہے والد بزرگوار یعنی والی اُس دیار کے نے میرے تئیں عہد طفولیت سے واسطے تکمیل فنونِ جہانداری اور تحصیل شیون [۳۵۷] شہریاری [۳۵۸] کے بیچ خدمت مُعلّمان دانش ورواد یبان خرد پرور کے نصب کیا اور اتالیقان [۳۵۹] صاحب ذکاء کے تئیں جہت اصلاح طبع نوآموز کے تعیّن فرمایا کہ آئین آداب خلافت وفرمانروائی وقوانین انتظام سلطنت وکشور کشائی [۳۶۰] کے سے بیچ تربیت میری کے کوئی دقیقہ فروگزاشت [۳۶۱] نہ کریں۔ چنانچہ بہ فضل الٰہی بیچ سن چہاردہ سالگی کے فیض تربیت اُن کی سے شایستگیِ حال وآراستگیِ مقال بہ ہمہ وجوہ حاصل کی۔ جو بیچ تہذیب اخلاق وحسن معاش [۳۶۲] کے بہرہ وافر رکھتا تھا، شبانہ روز اوقات عزیز کے تئیں، بیچ صحبت ارباب فضل وکمال کے سُننے حکایات رنگیں و افسانہ ہائے شیریں کے سے تمتّع [۳۶۳] کافی حاصل کرتا۔ اتفاقاً ایک روز اصحاب فِطنَت [۳۶۴]

وخبرَت سے ایک شخص نے کہ بیچ مطالعہ کتب تواریخ کے مہارت تمام رکھتا تھا، ذِکرا بلبل زبان کے تئیں بیچ سبزہ زار محفل مسرّت کے بہ ترنُّم تعریف حاتم طائی کے اس طور سے کہ صدائے سخاوت و مروّت اُس کے کی بیچ گلشنِ دہر کے قیامت تک مترنم رہے گی، نغمہ سَرا کیا۔ بندہ نے کہا اگر مجملاً کیفیت حال اُس کے سے بیان کرے تو میں بھی سمع دل کے سے مستمع ہوکر اطلاع حاصل کروں۔

اُس عزیز نے طوطیِ شیریں مقالِ ناطقہ کے تئیں بہ تقریر حکایت دل پذیر احوال حاتم کے بہ طریق اجمال کے شکرریز تکلّم کا کیا کہ ایاّم سلف میں جس وقت نوفل نامی ایک شخص روٴسا عرب سے، ساتھ حاتم کے مُنازَعت[۳۶۵] ومُخاصمت سے پیش آ کے لشکر جرار سے مستعد کارزار کا ہوا، اس وقت حاتم نے بہ مقتضائے کرم جِبلّی[۳۶۶] کے بہ خیال اس کے کہ بیچ میدان جَدال و قِتال کے خون بندہ ہائے الٰہی کا ناحق وبال گردن میری کا ہوگا، اپنے تئیں بہ جان واحد کے بیچ کنج ایک غار کے مخفی ومتواری[۳۶۷] کیا۔ بہ مُجرّدِ استماع خبر غائب ہونے حاتم کے نوفل نے تمامی متاع و اِملاک کے تئیں ضبط کر کے اذن عام[۳۶۸] دیا کہ جو کوئی سر حاتم کا لاوے، دوسو اشرفی انعام پاوے۔ جو ہر ایک کے تئیں ہَوا وحرص زر کی دامن گیر ہے، ایک عالم بہ توقع اشرفیوں کے واسطے تلاش حاتم کے اُٹھا، اتفاقاً نزدیک اُس غار کے ایک پیر مرد نے بادوسہ بچہّ صغیر اور ایک پیرزن بہ تہیّہ ہیزَم[۳۶۹] کشی کے گزر کیا۔ از بس کہ تلاش حاتم کی شہرۂ آفاق تھی، اس حالت میں پیرزن نے پیر مرد سے کہا کہ کاش اگر رہبریِ طالع و یاوریِ بخت کے سے حاتم ہمارے ہاتھ آوے، تو خراب آبادِ مفلسی و پریشانی بیچ شہرستان جمعیت و شادمانی کے پہنچ کر شاخسارِ مُراد کے سے گل کامیابی چُنیں۔ پیر مرد نے کہا، یہ سچ ہے ؎

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ فکر روزی کا
تو آب و دانہ کو لے کر نہ ہو گُہر پیدا
نہیں میں طالب رزق آسمان سے کہ مجھے
یقیں ہے کاسۂ واژوں[۳۷۰] میں کچھ نہیں ہوتا

وے نصیب کہاں کہ اپنا کاسۂ اُمید صہبائے کامرانی کے سے لبریز ہو تو اپنے شغل میں رہ۔

ع ہرچہ نصیب است بہ تو می رسد

لاچار پیرزن مایوس ہو کر خاموش رہی۔ اس عرصہ میں حاتم کہ متصل غار کے درمیان غار کے تھا ساتھ، کرم و ہمت و سخاوت و مروّت اس کی مقتضی نہ ہوئی کہ باوجود سُننے اِس بات کے نقدِ جاں کے تئیں نثار استدعا پیر مرد کے نہ کرے اور اس مفلوک بے چارہ کے تئیں ورطۂ[۲۷۱] احتیاج کے سے اوپر ساحل جمعیت کے نہ پہنچاوے۔ واقعی اگر آدمی کے تئیں کرم نہ ہو، مانند باغ کے ہے کہ گُل ندارد، اور جس دل میں رحم نہ ہو، مانند ایاغ کے ہے کہ مُل[۲۷۲] ندارد، بہ قول تحسینؔ ؎

شیشہ ہے بے شراب کا، جس دل میں تو نہ ہو
کس کام کا وہ گل ہے کہ جس گل میں بو نہ ہو

پس حاتم نے غار سے اُٹھ کر پیر مرد سے کہا کہ اے عزیز حاتم میں ہوں تو اپنے ساتھ میرے تئیں نزدیک نوفل کے لے جا کے کیسۂ آرزو کے تئیں متاعِ امید کی سے پُر کر:

ع خنک آں کس کہ گوئے نیکی بُرد

پیر مرد نے کہا کہ فی الواقعہ میرے تئیں فلاح و بہبود اپنی مسلّم ہے لیکن نہ اس صورت سے کہ دستِ طمع کا ناحق خون تیرے سے آلودہ کروں۔ استغفرُ اللہ یہ وہ مثل ہے کہ بارہ برس پیچھے روزہ کھولا تو چرکین سے۔ تو ہرگز مُصر اس بات کا نہ ہو۔ مجھ سے یہ حرکت لغو زینہار نہیں ہونے کی کہ مرد آدمی کے نزدیک اس طرح رفعت حاجت اپنی محض دوں ہمتی[۲۷۳] و بے حمیتی ہے۔ حاتم نے ہر چند مبالغہ کیا، انکار اس کا کم نہ ہوا۔ لاچار حاتم نے کہا، اگر تو میرے تئیں نہیں لے چلتا تو میں خود بخود شاہ سے جا کر اظہار کرتا ہوں کہ فلانے شخص نے میرے تئیں بیچ غار کے پنہاں کیا تھا۔ آخرش پیر مرد وہاں سے باہر نکل کر لگا کہنے کہ جو،

جو خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا، یہ بھی اپنی قسمت ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم۔ اس گفتگو میں انبوہ مردم کا جمع ہوا اور حاتم کے تئیں دستگیر کر کے حضور نوفل کے گئے، پیچھے پیچھے بڈھا بھی اس گروہ میں شامل ہوا۔ نوفل نے پوچھا کہ حاتم کے تئیں کون لایا۔ ایک عزیز کہ سرگروہ لشکر شیطان کے تھے، بولے کہ یہ عرش پر جھنڈا ہم نے گاڑا اور ایک عزیز اُس سے بھی پرے چلے۔ غرض ہر ایک اپنی اپنی ترنگ میں خوش تھا گویا دو سو اشرفیوں کا توڑا باندھ کے لے ہی تو جاویں گے لیکن پیرمرد، بیچارا خاموش ایک گوشہ میں کھڑا ہوا، تماشا قدرت الٰہی کا ملاحظہ کرتا تھا۔ اس عرصہ میں حاتم نے نوفل سے کہا کہ اگر مجھ سے سُنے تو راست کہوں کہ میرے تئیں وہ پیرمرد کہ ایک گوشہ میں غریب سا کھڑا ہے لے آیا۔ تیرے تئیں لیاقت ہو تو قیافہ سے سمجھ دیکھ اور مُوافق اُس کے شرط اخلاص کی بجالا اور داد اخلاق کی دے، کہ خَلق محمدی نور ایک چراغ ہدایت کا ہے کہ بیچ ایوان مزاج ہر اہل مزاج کے درخشاں ہو رہا ہے اور یہ جلوہ اُسی کی جوت کا ہے کہ وہ لعل شب چراغ درمیان نگیں خاتم سلیمانی لیل و نہار کے حلیہ دست قدرت خدا کا ہے۔ اس وقت نوفل نے پیرمرد کے تئیں نزدیک بُلا کر استفسار ماجرے کا کیا۔ اس عزیز نے تمام قصہ ابتدا سے انتہا تک نقل کیا۔ نوفل نے اس بات کے سننے سے نہایت متحیر اور محجوب ہو کر اُس مردود جھوٹے بدذات کے تئیں کہ مگس [۳۷۴] چرکیں طمع کی بن کر اشرفیوں کی لالچ میں گرفتار کرنا حاتم سے شخص مخیّر [۳۷۵] کا روا رکھ کر بولا تھا کہ عرش پر جھنڈا ہم نے گاڑا، نوفل نے نپٹ زَجر و تَوبیخ [۳۷۶] سے کہا کہ اے حارِث [۳۷۷] ملعون، سچ کہہ یہ کیا حرامزدگی تھی کہ حاتم بے چارے پر وار کیا تھا۔ آیئے، لیجیے اشرفیاں موجود ہیں اور مشکیں بندھوا کر ایسی ہی پاپوش [۳۷۸] کاری کی کہ سر گنجا ہو کر مانند تونبی [۳۷۹] کے بن گیا، مجھے تو ہنسی اس بات پر آتی ہے کہ ایک کلاونت [۳۸۰] اُس وقت حاتم کی گرفتاری کا بِدھاوا [۳۸۱] گانے آیا تھا، یہی گا رہا تھا کہ یہ تونبا [۳۸۲] میرے طنبورے کے واسطے عنایت ہو۔ تب نوفل نے تبسم کر کے اُسے چھوڑ دیا اور اپنی محفل میں ذکر کیا کہ جھوٹ بولنا ایسی بد بلا ہے کہ مرد آدمی کے نزدیک کوئی گناہ اِس سے بدتر نہیں، خدا کسی کے نصیب نہ کرے استغفراللہ میرے

نزدیک تو اگر فرشتہ بھی جھوٹا ہو تو واللہ وہ بھی شیطان ہے۔ آخرش نوفل نے اوپر جواں مردی و بزرگ ہمتی حاتم کے ہزار آفریں کر کے تصور کیا کہ ساتھ ایسے شخص کے کہ بیچ غمخوارگی بیچارگان عالم بے سرانجامی کے اپنی جان سے دریغ نہ کرے اور رضائے حق کے تئیں رضا اپنی پر مقدم رکھے، خشونت و خصومت رکھنا، شرط مروت و فُتوت کی نہیں بلکہ سخت دوں ہمتی و پست فطرتی جاننا چاہیے، پس نہایت تپاک سے حاتم سے کہا، سُبحان اللہ

لکھے ثنائے جود [۳۸۳] کا تیری جو ایک حرف
نقطہ نہ پاوے راہ قلم کی زباں تلک
تجھ سا نہیں ہے ایک زمانے میں بے مثال
دیتا ہے تو جود او سخاوت کی یاں تلک

اور لوازم اِکرام و احترام اس کے سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کر کے از سَرنو اوپر مَسند حکومت و ریاست کے متمکن کیا۔

سنتے ہو صاحبو، جس وقت زبانی اُس جلیس [۳۸۴] محفل بلاغت کے قصہ حاتم کا بیچ سماع میری کے پہنچا۔ موج سخاوت کی بیچ دریائے دل، میرے کے جوش میں آئی اور بیچ خیال میرے کے گزرا کہ حاتم نُجبائے [۳۸۵] عرب کے سے ایک شخص تھا کہ علم سخاوت کا اس درجہ بلند کیا، اور میرے تئیں وَاہب [۳۸۶] بے ہمتا نے فرمانروائے ملک فارس کا کیا ہے، اگر نعمت عظمیٰ فیض بخشی و فیض رسانی کے سے محروم رہوں تو واقعی جائے فراواں تاسّف و حسرت کی ہے اور اپنے جی میں جو سوچتا ہوں تو واقعی دنیا میں کوئی امر شریف تر سخاوت سے نہیں۔ پس اُسی وقت کارپردازان حضور کے تئیں حکم کیا کہ ایک عمارت عظیم الشان چالیس در نہایت مرتفع و بلند بیرون شہر پناہ کے درست کرو۔ چنانچہ چند روز میں ایک مکان وسیع رفیع حسب دلخواہ میرے تیار ہوا اور میں صبح سے شام تک دست سخاوت سے موتی ثواب کے چنتا۔ یعنی جس در سے ارباب حاجت کف سوال کی کھولتے، زر بخشی و گہر ریزی سے دامن اہل مراد کا پُر کرتا۔ اتفاقاً ایک روز ایک قلندر نے ایک دروازے سے آ کے سوال کیا۔ میں نے اُس کے سوال کا جواب بالصواب دیا۔ وہ پھر دوسرے دروازے

سے دست طلب کا کھولتا ہوا آیا۔ پھر میں نے اس حرکت سے اغماض کر کے اور جو کچھ توفیق ہوئی نثار کیا۔ اسی طور سے اس نے ہر ایک در سے آنا شروع کیا۔ بندے نے دامن آرزو اُس کی کے تئیں بذل ونوال [۳۸۷] سے مالا مال کیا۔ بعد ازاں اُس نے پھر دروازہ اوّل سے گزر کر کے لب سوال کا کھولا۔ میرے تئیں یہ حرکت باعث گرانی خاطر کی ہوئی اور اُس قلندر سے کہا کہ اے حریص جہاں گرد خزانہ وقف کا واسطے حاجت روائی محتاجوں اور حصول مقصد مسکینوں کے مقرر کیا ہے، نہ واسطے تجھ سے بوالفضول [۳۳۴] ہدروز گار و طامع زر بیشمار کے لیے کہ آب حیا کا چشمہ توکل سے ٹپکا کے چشمۂ قناعت کا خس وخاشاک، ہَوا و حرص کے سے مکدر کیے پھرتا ہے اَستَغفِرُ اللہ وہ بھی درویش ہے کہ اَلتَّکلِیفُ حَرَامٌ سے خبر نہ رکھتا ہو، درویش اس بات سے نہایت بد دماغ و پریشان خاطر ہو کے جو کچھ مجھ سے پایا تھا، زمین پر پٹک کر بولا۔ بابا گرم کیوں ہوتا ہے؟ ''عطائے تو بہ لقائے تو بخشیدم'' لیکن یہ یاد رکھیو کہ سخاوت کی طرف سے تکلف برطرف، ہنوز دلی دور ہے۔ آئندہ زینہار رقم سخاوت وعلوّ ہمتی [۳۸۸] اپنی کا اوپر جریدۂ روزگار کے نہ لکھنا کہ اَلسَّخِیُّ حَبِیبُ اللہِ وَلَو کَانَ فَاسِقاً کا وصف کوئی بادشاہ زادی بَصرہ کی سے سیکھے کہ تشریف سخاوت و مروّت کا کس مرتبہ اپنے قامت پر راست کیا ہے۔ پھر میں نے ہر چند زبان معذرت کھولی اور قسم یاد دے کر کہا کہ جو کچھ چاہے حاضر ہے، ہرگز قبول نہ کیا، اور آخر کلام یہ کہہ کے چلا کہ اب اگر سلطنت بخشے تو یہاں اِستغنا سے تُف نہ کروں ؎

گو کہ اب دل میں سمجھ کر کے تو پچھتاوے گا
پر مرے دل کو تو زنہار نہیں پاوے گا
کفِ افسوس کو ملتا ہی تو رہ جاوے گا
جو دل اس بار گیا ہاتھ نہ پھر آوے گا

می روم از درِ تو باز بہ تو رُو نہ کُنم
گر درِ قبلہ شود سجدہ بہ آں سُو نہ کُنم

میرے تئیں اُسی وقت سے اشتیاق مُشاہدہ جمال شہزادی بصرہ کا سلسلہ جُنباں ہوا۔ ہر چند اس عاجز نے وزرائے روشن ضمیر و امرائے صاحب تدبیر سے کہ ظہیر سریر سلطنت و مشیر تدبیر مملکت کے تھے، اجازت سفر بصرہ کی چاہی، کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ لاچار ایک روز بے اطلاع سب ارکانِ خلافت کے مدار کار[۳۸۹] سلطنت و مملکت محروسہ کا اوپر رائے زرّیں ایک وزیر درست تدبیر کے چھوڑ کر لباس درویشی کا بہ موجب شعر مرزا جلالی اسیرؔ کے ؎

خرقہ پوشی ست خود نمائی نیست
عشق بازی ست میرزائی نیست

اوپر اپنے آراستہ کر کے قدم تردّد کا بیچ راہ سیاحت کے رکھا۔ تھوڑے عرصہ میں طے مسافت بعید کا کر کے بیچ سرحد ملک بصرہ کے پہنچا۔ اُس دیار میں بیچ جس منزل اور مقام کے وارد ہوتا، ملازم اُس کے مراسم استقبال و احترام کے بجالا کے کوئی دقیقہ مراتب دلنوازی و مہمانداری و لوازم دلجوئی و حاجت براری کے سے فروگزاشت نہ کرتے، غرض اسی صورت چلتے چلتے، بیچ دارالسلطنت بصرہ کے پہنچا وہاں ایک جوان خوش رو، چار ابرو، زیبا طلعت، فجستہ خصلت، نیکو منظر، سیاح پرور، خالِ رخسار مروّت، گلگونِ چہرۂ فتوت[۳۹۰]، کتابِ دبستانِ سخنوری و سخندانی، شمعِ شبستاں کام بخشی و کامرانی، جوہر معدنِ جود و سخا، گوہرِ لجہ[۳۹۱] حِلم و حیا، بیدار بخت نامی میرے ساتھ دوچار ہوا اور زبان شیریں سے گویائی کے تئیں، اس طور سے حلاوت بخشی کہ یہ خادم الفُقراء مدت سے طلب گار، صحبت درویشوں کا ہو کے حلقۂ اِنقیاد[۳۹۲] و اطاعت اس گروہ حق پژوہ[۳۹۳] کا بیچ گوش کے اور غاشیۂ[۳۹۴] اعتقاد و ارادات اس فریق اَرباب تدقیق[۳۹۵] کا اوپر دوش کے رکھتا ہے، اگر کلبۂ اِحزان میرے کے تئیں مقدم شریف سے رشک افزا گلستانِ ارم کا کیجیے تو بعید عاجز نوازی و خادم پروری سے نہیں ؎

گر لطف سے قدم رکھو میرے مکاں تلک
پہنچے یہ فرق فخر مرا فرق واں تلک
کیا نقص فیض عام میں خورشید کے ہو گر
ذرہ ہو جس کی تاب سے تاباں یہاں تلک

بارے یہ عاجز، بعد مبالغہ بسیار کے بیچ مہمان خانہ اُس نیک سرشت کے حاضر ہوا ، چنانچہ اس عزیز نے کمال تکلف سے سامان ضیافت کا مہیا کر کے سُفرہ [۳۹۶] دعوت کا آراستہ کیا اور انواع طعام ہائے لذیذ و خوشگوار و اقسام شیرینی ہائے حلاوت بخش و چاشنی دار و اَصناف شربت ہائے گلاب و بید مشک و گونا گوں میوہ ہائے تر و خشک وغیرہ ولوازمہ اکل و شُرب از قسم نان یزدی و نان ورقی و نان تنکی و نان پنیری و نان خمیری و نان باقر خانی و گاؤ زبان و گاؤ دیدہ آبی و روغنی و خطائی و شیر مال و نان گُلدار، قلیہ دو پیازہ، نرگسی و شیرازی و زعفرانی و بادامی، کباب، قلیہ، کوفتہ، خاگینہ، ملغوبہ، پَن بھتہ، بورانی، بریانی نور محلی و خراسانی، رومی، تبریزی، وشب دیگ، دم پخت، خشکہ ومزعفر وشولا و تنجن پلاؤ و قورمہ پلاؤ و یخنی پلاؤ و حبشی پلاؤ و بیگمی، چاشنی، عنبری، کاشانی و ماہی کباب و مرغ کباب و سیخ کباب و بیضہ کباب و حلیم و حریسہ و سموسہ و قبولی و طاہری و کھچڑی و فرنی و ملائی و حلوا و فالودہ و نمش [۳۹۷]، قندی با مشک نافہ، وساقِ عروس ولوزیات، اچار، مربے، ناشپاتی، بہی، انگور، انجیر، سیب، انار، کشمش، بادام، چھوہارے، پستے وغیرہ اغذیہ و اشربا قسم قسم کے کہ جن کی چاشنی کی حلاوت اور ذائقہ سے ارواح فرشتوں کی بھی تر و تازہ ہو جاوے انسان کا تو کیا ذکر ہے، نہایت سلیقہ و کاروانی سے بیچ ظروف مرصّع کاری و میناسازی و طلائی و نقرئی و غوری و فغفوری [۳۹۸] و چینی و خطائی و حلبی و بلّوری [۳۹۹] کے لا کر چُنے۔ میرے تئیں کہ آتش اِشتہا کی بیچ دل کے مشتعل تھی، غذا ہائے لطیف سے فرو ہو گئی۔ جس وقت میزبان آفتاب کا بیچ میہماں سرائے تحت الثریٰ کے رونق افزا ہوا، اور ناظورہ [۴۰۰] شب کی نے گیسوئے مشک فام اپنے کے تئیں اوپر رخسارہ گیتی کے دراز کیا، اُسی جوان زیبا طلعت نے میرے تئیں اوپر بستر نفیس و نرم

کے کہ ملائم تر ورقِ گل سے تھا، اشارہ استراحت کا کیا۔ تب میں نے کہا کہ از برائے خدا اس تکلف سے درگزر، میرے تیئں سجادہ حصیر [۴۰۱] کا بہتر مسند حریر [۴۰۲] سے ہے اور دلق [۴۰۳] کہنہ ناتوانوں کا خوشتر [۴۰۴] ہے کسوت لطیف بادشاہوں کے سے، بہ مضمون اس کے

سریر سلطنت سے آستانِ یار بہتر ہے
مجھے ظلِ ہُما سے سایۂ دیوار بہتر ہے

جوان نے کہا کہ جو کچھ اس مکان میں ہے، وقف درویشوں کا ہے، میرا تصرُّف بیچ اس کے مطلق نہیں۔ چنانچہ تین دن اور تین رات گزرے اور میں نے روز چہارم جس وقت کہ مسافر جہاں پیما آفتاب کا بستاں سرائے مشرق کے سے برآیا رخصت روانگی کی چاہی۔ در جواب فرمایا کہ اے عزیز مگر بندہ سے کچھ تقصیر صادر ہوئی کہ او پر طبع شیریں تیری کے تلخ گزری۔ میں نے کہا کہ از برائے خدا اس کا کیا ذکر ہے لیکن بزرگوں نے کہا ہے۔

فرد

مطلب مرد مسافر بہ جہاں دیدار است
ورنہ نعمائے الٰہی بہ جہاں بسیار است

اور ایک مضمون موافق اس کے اوپر پڑھا۔ بیت

دیکھنا ہر صبح اُس رُخسار کا
ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا

اس کمترین کے تیئں کہ مدنظر او پر سیاحت اور سفر کے رکھتا ہے، بقول اس کے کہ

ماخود بہ گرد دامنِ مردے نہ می رسم
شاید کہ گرد دامن مردے بہ ما رسد

اس واسطے رخصت ہونا ضرور ہے۔ کہا کہ خوب، ایک لمحہ صبر کر کہ بیچ جناب پرستاران

حضور ملکہ کے خبر جاوے اور آپ ارادہ سفر درپیش رکھتے ہیں جو کچھ از قسم لباس و پوشاک و ظروف و آلات، طلا و نقرہ و جواہر وغیرہ کہ بیچ اس میہمان خانہ کے ہے تعلق تجھ سے رکھتا ہے۔ بیچ لے جانے اس اسباب کے آمادۂ مستعدرہ۔ تب میں نے کہا کہ استغفراللہ یہ کون بات چیت ہے۔

فرد

دریا ویم و دیدۂ ما معدن دُر است
گردست ماتہی است ولے چشم ما پُر است

اور مطابق اس مضمون کے:

رباعی

گیرم کہ سریرت از بلّور ویشم است
سنگش داند ہر آں کہ او را چشم است
ایں مسند قاقم و سمور و سنجاب
در دیدۂ بوریانشیناں پشم است

اس آلودگی و آلائش دنیاوی سے کچھ مجھ کو سروکار نہیں۔ اُس عزیز مصر خوبی کے نے کہا کہ اگر ملکہ اس بات کے تئیں سُنے تو اس خادمِ الفقراء کو درجہ عزت و اعتبار کے سے ڈال کر واللہ اعلم کس غضب میں گرفتار کرے۔ اگر تو تنہا و بے پروا ہے تو سربہ مہر بیچ ایک حجرہ کے امانت رکھ، پھر جو چاہے گا سو عمل میں لائیو۔ آخرالامر جو مبالغہ و مُکابرہ [۴۰۵] جانبین کا حد سے گزرا بہ موجب مصلحت اور استصواب اُس کے سب اسباب کو لے کر ایک حُجرہ میں سربہ مہر کر کے، منتظر رخصت کا بیٹھا کہ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ ایک خواجہ سرا، سراپا مُلمّع [۴۰۶] بدستیاری عصائے مرصّع باچندے خدمتگار دروازے سے در آیا۔ جو نزدیک میرے پہنچا، زبان بیچ تواضع و مدارات و دلبری و دلداری کے کھولی اور اس قدر سلوک اور آدمیت خرچ

کی کہ زبان بیان اُس کے سے عاجز و قاصر ہے اور کہا کہ اے عزیز۔ فرد

خوش آمدی و خوش آمد مرا ز آمدنت
ہزار جان گرامی فدائے ہر قدمت

اگر از راہِ اشفاق اور الطاف کے کلبۂ احزان اس مشتاق کے تئیں نور قدوم بہجت لزوم اپنے کے سے رشک افزا گلستان ارم کا کریے تو بعید از بندہ نوازی و آشنا پروری سے نہ ہوگا کیونکہ:

فرد

آنکھوں کے اپنے نور کو تیرے قدم تلے
اے نور دیدہ فرش بچھایا نہیں ہنوز

اگراحیانا[۲۰۷] ملکہ سُنے کہ ایک شخص مسافر اس مکان پر آکر، بغیر از تواضع و مدارات کے، رُخ توجہ کا نہ فرمایا اور در گزرا، واللہ کہ زندہ نہ رکھے گی اور بہ انواع شداید گرفتار رنج و مصیبت کا کرے گی اور حقیقت اپنی یہ ہے:

بیت

ما تنگ ظرفاں حریفِ ایں قدر سختی نہ ایم
دانۂ اشکیم مارا گردشِ چشم آسیا ست

اور خواہ مخواہ میرے تئیں، بیچ ایک مکان کے کہ روشن تر آئینۂ ضمیر، صافی نہاداں کے سے تھا، لے گیا اور بہ دستور میزبان اول کے اس مہمان غریب کے تئیں زندان خانہ فکر و آلام کے سے نکال کر بیچ دارالمعمور[۲۰۸] عیش و سرور کے سہ شبانہ روز دو وقتہ طعام ہائے لذیذ و غذا ہائے لطیف سے شکم سَیر کیا اور جو کچھ کہ ظروف طلائی و نقرئی و تحفہ ہائے عجیب و غریب و فرش و فروش و رَخوت[۲۰۹] ہائے خواب گاہ جمع ہوا تھا فرمایا کہ اس کا تو مالک و مختار ہے۔ میں نے دریافت کرتے ہی اس کلام کے متحیر اور متعجب ہو کر چاہا کہ نقد رخصت کا بیچ کف مراد کے حاصل کروں، اسی عرصے میں خواجہ سرا بولا کہ اے مرد خدا کچھ مطلب اور مدّعا اپنا اظہار

کر کہ حاجت تیری بیچ حضور ملکہ کے عرض کروں۔

فرد

جا کر کہوں میں تیری طرف سیتی ایک ایک
مطلب جُدا، مراد جُدا، مدعا جُدا

میں نے کہا کہ اے عزیز لباس درویشی میں مال دنیا کے سے کیا طلب کروں کہ بغیر استدعا کے میسّر ہے۔ مجھ کو ساتھ اس کے کچھ سروکار نہیں، تب اُس نے کہا:

کبت

نکھہ بن کٹا دیکھے، جوگی کن پھٹا دیکھے، سیس بھاری جٹا دیکھے، چھار لائے تن میں
مکھ میں ابول دیکھے، سیورا سر جھول دیکھے، کرت کلول دیکھے، بن کھنڈے بَن میں
بیر اور سور دیکھے، کیتے گُنی اور کوڑ دیکھے، مایا میں اُپور دیکھے، پورر ہے دھن میں
جنم کے دُکھی دیکھے، اَدانت کے سکھی دیکھے، ایسا کوؤ نہ دیکھے، لو بھر جا کے نہیں من میں

میں نے در جواب اُس کے لآلی [۴۱۰] شاہوار سخن کے تئیں دُرج دہان سے نکال کر بیچ میدان بیان کے اس طور سے جلوہ نمائش کا دیا کہ ایک رقعہ سر بہ مہر مدعا اپنے کا دیتا ہوں، اگر حضور موفور [۴۱۱] السرور ملکہ کے پہنچاوے تو بعید اہلیت و جواں مردی سے نہ ہوگا۔ کہا کہ البتہ کیا مضائقہ۔ پس میں نے ایک پرچہ کاغذ کا لے کر بعد از شکر الٰہی وحقوق خدمت لامتناہی کے لکھا کہ:

فرد

جام جہاں نما ست ضمیر منیر دوست
اظہار احتیاج درانجا چہ حاجت است

بندہ چند روز بر سرِ خوانِ احسان بے پایاں کے مہمان رہا اور جو کچھ خوبی اُوضاع [۴۱۲] و اطوار ملکہ کا سنا تھا، سو بہ چشم خود دیکھا۔ اب ملازمانِ سرکار فیض آثار کے کہتے ہیں کہ کچھ

مطلب اپنا عرض کر۔ اس واسطے بے تکلف عرض کیا جاتا ہے کہ مال دنیا میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہوں۔ بیچ اپنے مُلک کے تخت سلطنت کے اوپر جلوہ افروز فرمانروا تھا، بہ اِستماع خوبی ہائے ذاتی و صفاتی ملکہ مہر طلعت کے ساتھ بدرقہ شوق کے اپنے تئیں تنِ تنہا یہاں تک لا پہونچایا ہے۔

فرد

شوق مشتاق، آرزو مشتاق، جان مشتاق تست
ایں چنیں ساماں کہ دارد غیر مشتاق شما

اور احوال میرا یہ ہے:

ریختہ

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اُسے زندگی جگ میں بھاری لگے
نہ چھوڑے محبت دم مرگ لگ
جسے یار جانی سے یاری لگے
نہ ہووے اُسے جگ میں ہرگز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے

پس اگر از راہ نوازش و تلطف کریمانہ کے اس خاکسار کے تئیں خاک مذلت [۴۱۳] سے اٹھا کر اوپر تخت کامرانی کے سرفراز و ممتاز کیجیے گا، تو لائق ہے اس واسطے کہ مستحق و مشتاق ہوں۔

فرد

آرزو دارم کہ خاکِ آں قدم
توتیائے چشم سازم دم بہ دم

پیشتر جو کچھ مرضی مبارک اقتضا فرماوے، بہتر ہے۔ اگر التماس فدوی کا مقرونِ [۴۱۴]

اجابت نہ ہوگا تو اس جانِ ناتواں کے تئیں، عشق تیرے میں نثار کر کے کوچہ گردی وصحرا نوردی میں گوئے سبقت کا مجنوں وفرہاد سے لے جائے گا ؎

ما بر فتیم و تو دانی و دل غم خورِ ما
بخت بد تاب کجا می برد آب و خورِ ما

یہ رقعہ لکھ کر خواجہ سرا کو دیا اور وہ لے گیا۔ بعد ایک لمحے کے میرے تئیں اوپر دروازہ حرم سرا کے طلب کیا، جو بندہ داخل حریم حرم تعظیم کے ہوا، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک پیرزن صد سالہ ذی ہوش و باشعور الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی اوپر کرسی زرّیں کے بیٹھی ہے اور کئی ایک خدمت گار و خواجہ سرا بہ لباس ملوکانہ جواہر میں غرق، دست بستہ روبرو اس کے کھڑے ہیں، میں نے بہ مجرد دیکھنے کے مشارٌ الیہ [415] ومعتمد جان کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ اُس مادرِ مہربان نے جواب سلام کا دے کر کہا کہ ؎

اے جواں بیاد بہ نشیں، خوش آمدی و صفا آوردی
بارے پیغام خواستگاری ملکۂ ما کردی

بندہ اس بات کو سُن کر سرنگوں وخاموش ہو رہا، بعد از ایک ساعت کے کہا کہ اے جوان، ملکہ نے بعد دعا کے فرمایا ہے کہ مجھ کو شوہر کرنے میں عار نہیں ہے۔ اگرچہ تو نے بہ حسب شرع درخواست کی لیکن فخر اپنا بیان کرنا اور باوجود اس خاکساری کے سلطنت سے دم مارنا محض بے جا ہے، کس واسطے کہ بنی آدم سب آپس میں جنسیت رکھتے ہیں۔ بقول آنکہ:

رُباعی

ایں خورد و بزرگاں کہ ہمہ انسانند
در دست زمانہ ہم چو انگشتانند
امروز اگر بلند و پستی دارند
فردا کہ بخوانند ہمسر یکسانند

مگر بہ موجب فَضَّلنا بَعضَکُم عَلیٰ بَعضٍ کے تفاوت شرافت دین اسلام کی ہے اور

میں بھی ایک مدت سے شوہر کی مشتاق و آرزومند ہوں۔:

بیت

اشتیاقے کہ بہ دیدار تو دارد دلِ من
دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

جس قدر تو مالِ دنیا سے مستغنی و بے پرواہے، اُسی قدر میں بھی دولت بے شمار کی مالک ہوں کہ یہ دولت بے زوال میری احاطہ حساب کے سے باہر ہے۔ پر جو بیچ شرع کے ہر ایک عورت کا مہر اور شرطوں پر مقرر ہے، میرے مہر میں ایک شرط ہے، اگر عہدہ برآ ہو سکے تو تعہد[۲۱۶] اُس کا قبول کر۔ میں نے کہا، سُننے سے معلوم ہو کہ وہ کیا شرط ہے۔ فرمایا کہ آج تو مہمان ہمارا رہے، بعد ازاں اظہار کیا جائے گا۔

القصہ جس وقت سیاحِ جہاں پیما آفتاب کا قَطع مسافت گیتی کا کر کے بیچ آرام گاہ منزل مغرب کے پہنچا اور مسافر سَریع السیر[۲۱۷] ماہ کا منزل گاہ مشرق کے سے برآمد ہو کے روانہ منزل مقصود کا ہوا، میرے تئیں بیچ حریم حرم تعظیم کے لے گئے اور او پر فرش مُکلّف کے بٹھلایا، اتنے میں ریش سَفیدان و اَکابران ملکہ کے آن کر بیچ صحبت میری کے بیٹھے اور خوان دعوت کا آراستہ کیا، بعد فراغ طعام کے ایک لمحہ کے بعد ایک دائی برآمد ہوئی اور کہا کہ بہرہ ورکو بُلالو، وہیں خدمت گاروں نے فی الفور حاضر کیا۔ ایک مرد بصورت اکابران لباس فاخرہ پوشیدہ و قریب ہزار کلید بہ میاں آویزاں آکر پہلو میرے بیٹھا۔ دائی نے کہا کہ جو کچھ دیکھا ہے مفصل بیان کر۔ اس عزیز نے گلدستۂ رنگین بہادر اِس داستان کے تئیں بیچ چمن زار محفل مینُو[۲۱۸] مَشاکل کے یوں نشوونما کیا ؎

ہست ایں قصہ داستانِ عجیب
بہرۂ دار و ایں بیانِ عجیب
ہوش باید کہ نکتہ گوش کند
مرد باید کہ جرعہ نوش کند

اے جوان ملکہ ہماری ہزار غلام تجارت پیشہ رکھتی ہے کہ کمترین آنہا یکے مُنعم اور سب کے تئیں سرمایہ دے کر ہر طرف عالم کے بھیجتی ہے۔ جس جس طرف سے تجارت کر کے آتے ہیں، تو اَوضاع اور اَطوار اس دیار کے سے تفحص و تفتیش احوال کا کرتی ہے، اتفاقاً ایک مرتبہ یہ کمترین بھی واسطے تجارت کے گیا تھا کہ گزر میرا بیچ شہر نیمروز کے ہوا، تمام آدمی وہاں کے سیاہ پوش دیکھے، وہاں کی خلقت پر سخت ماتم تھا۔ چہرہ ہر ایک کا پُر از غم تھا اور باعث اس کا جس کسی سے پوچھا، جواب نہ پایا، آخرش چند روز گزرے کہ موافق قاعدہ مستمرہ کے کنارے افق کے سے جب ماہ نو پدیدار[۴۱۹] ہوا اور وقت صبح کے شاہ زرّیں کلاہ مہر کا اوپر تخت زَمرّدیں آسمان کے جلوہ افروز ہوا، خلقت شہر کی و جمیع مردُم از ہفت سالہ تا ہفتاد سالہ سب نکل کر بیچ ایک صحرائے وسیع کے آئے اور بادشاہ عالی جاہ گیواں[۴۲۰] بارگاہ ملائک سپاہ، خَلائق پناہ اُس ملک کا اوپر تخت رواں کے بیٹھا اور تمام خلق اللہ صف باندھ کے کھڑی منتظر تھی کہ ناگاہ، ایک جوان فرشتہ، طلعت زیبا، صورت کہ آفتاب نے تاب دیدار اُس کے کی نہ لا کر شیوہ ہَرزہ گردِی[۴۲۱] کا اختیار کیا ہے اور ماہتاب بیچ آرزوئے جمال با کمال اُس کے، کے داغ حسرت کا اوپر جبیں کے رکھتا ہے، جوشاں و خروشاں و کف بہ لب، اوپر ایک گاوِ زرد کے سوار، بیچ سن چہاردہ سالگی کے، کچھ ایک چیز بیچ ہاتھ کے لیے طرف خَلقت شہر کے پہنچا۔

بیت

گوئے بہ زمیں ستارہ آمد
یوسف بہ جہاں دوبارہ آمد

اور ایک مضمون موافق اس کے اور پڑھوں:

فرد

نکلا ہے وہ ستم گر تیغ ادا کو لے کر
سینہ پہ عاشقاں کے اب فتح باب ہوگا

وہ سوار پیادہ پا ہو کر جلوگاؤ[۴۲۲] کی بیچ ہاتھ کے لپیٹ کر شمشیر بَرہنہ در دست دو زانو مقابل صف خلقت شہر کے بیٹھا اور ایک غلام سیم اندام، دل آرام، پَری پیکر، بدیع الجمال، لطیف الاعتدال۔

بیت

دیدہ از دیدنش نگشتی سیر
هم چناں کز فرات مستقی

ہمراہ اس کے تھا، بہ موجب اَمر جلیل القدر خداوند نعمت اپنے کے دو تحفہ ہاتھ اُس کے سے لے کر ایک سرے سے دکھلاتا چلا۔ جو کوئی اُس صنعت کو دیکھتا تھا بے اختیار بیچ تعریف اور توصیف اُس کی زبان ثنا کی کھولتا تھا اور اوپر صانع اُس صنعت کے ہزارہا تحسین و آفریں کرتا تھا۔

فرد

کوئی کب مقابل ترے ہو سکے
خدا نے تجھے دی ہے صنعت گری

ناگاہ نوبت اُس کی مجھ تک پہنچی۔ فی الواقعہ عجب تحفہ تھا اور نہایت کاریگری کی تھی۔ چوں ازیں سر تا بہ آں سر، سب خلقت طواف اُس نادرُالادوار کا کر چکی، بیچ خدمت خداوند نعمت اپنے کے لایا۔ اُس جوان نے اُس جا سے جست کر کے مَرتبان کے تئیں اوپر زمین کے دے مارا اور ٹکڑے کیا اور ایک ضرب شمشیر کی اوپر گردن غلام کے جھاڑ کر اور اوپر گاؤ کے سوار ہو کر جس راہ سے آیا تھا، روانہ ہوا۔ جب تک کہ بیچ نظر خلقت شہر کے نمایاں تھا، سب دیکھتے تھے اور بے اختیار روتے تھے۔ جس وقت وہ جادو ادا، حور لقا ناپیدا ہوا، خاموش ہو رہے ہیں میں نے جتنا کہ اکثر مردم کو بہ زر فریفتہ کیا اور نپٹ تَملُّق[۴۲۳] اور چاپلوسی سے تفتیش احوال اس جوان گاؤ سوار کا کیا۔ اصلاً کسی نے میرے تئیں، اوپر حقیقت احوال کثیر

الاختلال اُس کے سے مطلع نہ کیا۔ ملکہ ہماری نے، جب سے میری زبانی یہ بات سُنی ہے، نہایت تعجب اور حیرت میں ہے اور کمال تعشّق سے ساتھ اس شعر کے اِشتغال رکھتی ہے ؎

بلائے عشق سے کچھ چھوٹنے کی راہ نہیں
بغیر مے کدہ، یارو کہیں پناہ نہیں
خجل نہ کر مجھے مہماں، مِرا نہ ہوائے عشق
کہ میری آنکھوں میں آنسو جگر میں آہ نہیں
جہاں کے بیچ کہیں آبرو نہیں اُس کو
یقیں جو حضرتِ خوباں کا خاک راہ نہیں

اور اُس روز سے ملکہ نے اپنا مِہر بھی یہ مقرر کیا ہے کہ جو کوئی انکشاف اس رازِ سر بستہ کا کرے، مالک ملک اور ملکہ کا ہو۔ اگر تجھ سے یہ شرائط ادا ہو سکے تو بسم اللہ، کمرِ عزم کی او پر ہمت کے باندھ کر روانہ منزل مقصود کا ہو، والّا نہ پھر حرف مؤاصلت [۴۲۴] ملکہ کا او پر زبان کے لائیو۔ اگر ایں شرط بجا آوری بہ مطلب رسیدی والّا آنچہ دیدی از خود دیدی''۔ القصہ جس وقت بہرور کلمات حیرت افزا اس داستان بے نظیر کے روبرو میرے بیان کر چکا تب میں نے در جواب عرض کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اگر فضل الٰہی شامل حال ہے تو بعد از چند روز کے اُس مکان پر پہنچ کر جواب باصواب اس بات کا دیتا ہوں لیکن اگر ملکہ ایک عُقدہ مالاینحل [۴۲۵] کہ بیچ خاطر میری کے خلش رکھتا ہے، کھولے اور پیچھے پردے کے بُلا کر، عرض میری بہ گوش ہوش استماع [۴۲۶] کرے بعید از مسافر پروری و بندہ نوازی سے نہ ہوگا اور یہ مناجات بیچ جناب قاضی الحاجات کے عرض کیا:

مناجات

أحدا سامع المناجاتِ
صمدا کافی المہماتِ
ہیچ پوشیدہ از تو پنہاں نیست
عالم السرّ و الخفیاتِ

هر دعائے کہ می کنم شب و روز
اِستَجِبْ یا مُجیبْ دعواتِ

القصہ دائی نے التماس میرا بیچ حضورِ لامع النور، اُس تخت نشینِ کشورِ حسن و غرور کے گزارش کیا چنانچہ از راہ عنایات بے غایات میرے تئیں بہ وسیلہ دائی کے متصل پردے کے بُلایا، جس وقت کہ گزر میرا بیچ خلوت سرائے خاص کے ہوا بہ مجرد ملاحظہ کنیزکان و خادمان حضور وافر السُّرور کے کہ ہر ایک بیچ حُسن و جمال کے گرد اخوبان صبیح[۲۲۷] ولُعبتان[۲۲۸] ملیح کے سے لے گئی تھی، حواس خمسہ میرا بیچ کمال تخلّل کے آیا اور سُننے سے سُرود اور دیکھنے سے رقص کے کہ بہ لحن داؤدی[۲۲۹] و بہ اداہائے خوبی و غمزہ ہائے محبوبی کے، بیچ کام اپنے کے بے نظیر و عدیم المثال تھیں، ہوش بجانہ رہا اور دل بے اختیار چاہتا تھا کہ نعرۂ عاشقانہ بہ آواز بلند سر کرکے، راہ صحرا کی لوں اور مجنوں وار اپنے تئیں، بیچ شوق جمال اُن لیلیٰ نژادوں کے بیچ ہر کوئے[۲۳۰] و بَرزن کے رسوائے خاص و عام کا کروں لیکن بہ امید وصال، اُس پری تمثال کے طبیعت اپنی پر استقلال کو راہ دی اور یہ مصرعہ زبان میری پر گزرا:

ع ایں کہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

حاصل کلام یہ کہ ملکہ بیچ ایک مکان مطبوع[۲۳۱] و دلکش کے

فرد

گلِ سُرخش چو عارضِ خوباں
سنبلش ہم چو زلفِ محبوباں

کہ نمونہ بہشت بریں کا تھا، بیٹھی تھی اور باہر پردے کے ایک صَندلی[۲۳۲] مرصع میرے واسطے بچھوائی اور دائی باہر پردے کے متصل صندلی کے آبیٹھی اور مجھ کو اشارہ بیٹھنے کا کیا اور فرمایا کہ کہہ جو کچھ کہنا ہے۔ میں نے اول زبان اپنی بیچ توصیف و تعریف خوبی ہائے ذاتی و صفاتی و مسافر پروری و بندہ نوازی ملکہ کے کھولی، بعد ازاں عرض کیا کہ ملکہ زمانی مَرجع[۲۳۳]

آمال ۴۳۴ و اَمانی ۴۳۵ سلامت جس روز سے یہ فقیر، دیدہ سے قدم کر کے، داخل سرحد ملکہ مہر نگار سخاوت شعار کے ہوا، بیچ ہر منزل اور مقام کے کارگزاران وعہدہ داران سرکار کے نے بیچ سرانجام لوازمہ ضیافت کے اور اسباب شب خوابی کے مبلغ خطیر بہ طریق نذر و نیاز کے و انواع تحفہ جات از قسم جواہر وظروف طلائی ونقرئی و از لوازمہ پوشاک دیبا وحَریر و پَرنیاں ۴۳۶ وسَمور ۴۳۷ وسَنجاب ۴۳۸ وقاقم سے متواضع ہو کر تین تین روز سے کم رخصت نہ کیا بلکہ رخصت ہونا میرا موجب ناخوشی وآزردگی کے جانا اور جو کچھ کہ مبلغ نمایاں واسباب نفیس وطلا آلات و جواہر آلات از قسم پاندان و چوگھڑہ ۴۳۹ وچنگیر ۴۴۰ مرصع وچلمچی ۴۴۱ وآفتابہ ۴۴۲ و ظروف اکل وشرب طلائی ونقرئی و پوشاک خاصہ برائے پوشش ہر روز وفرش فروش ملوکانہ و چاندنی وشامیانہ کہ درمیان مہمان خانہ بہ توجہ کارگزاران عاقل وفرزانہ جمع ہوا تھا، بیچ قبض و تصرّف میرے چھوڑا اور جس قدر کہ یہ فقیر در حالت تباہ ہر ایک متنفس سے منزل بہ منزل بہ سلوک ورعایت مَرعَی ۴۴۳ ہوا ہے اسی قدر بلکہ زیادہ ازیں جس فلک زدہ وسرگشتہ بادیہ غربت کا گزر طرف ممالک محروسہ خاص کے پڑا، مال دنیا سے مستغنی و بے نیاز ہوا ہے مگر اندیشہ یہ دل میں رہا کہ، بیچ سرکار ملکہ کے اس قدر دولت خداداد و بے زوال کہاں سے بہم پہنچائی ہے۔ چنانچہ اگر انتفاع ولایت کا مدنظر کیجیے تو فقط ایک خرچ مہمان خانہ سے عہدہ برآئی معلوم، تا بہ دیگر اخراجات چہ رسد۔ اگر یہ عقدہ مشکل بہ توجہ ملکہ ملک سیرت آفتاب صورت، کے سے اوپر خاطر نیاز مآثر ۴۴۴ اِس ثناخوانِ حاشیہ نشینان بساط دولت واقبال کے حل ہو تو بہ خاطر جمع اوپر امر ماموره ۴۴۵ کے رہ نورد بادیہ تلاش وتردّد کا ہو کر شاہد مُراد کا بیچ آغوش کامرانی کے لادے۔ در جواب فرمایا کہ اے عزیز سراپا تمیز، اگر چاہتا ہے کہ اس سرگزشت پر اطلاع حاصل کرے، آج بیچ مہمان خانہ کے اور مقام کر۔ جس وقت کہ شاہ انجم سپاہ کا اوپر عرصۂ نیلگوں آسمان کے سَریعُ السَّیر ہو، اپنے تئیں حسب الطلب حضور کے نزدیک ہمارے پہنچا، تیرے تئیں اوپر حقیقت احوال اس مقدمہ کے اطلاع مفصل دی جائے گی۔ پس میں وہاں سے اُٹھ کر بیچ مہمان خانہ کے آیا اور ملکہ، بیچ خلوت سرائے خاص کے تشریف لے گئی اور

میرے واسطے سب اسباب عیش وطرب واکل وشرب کا خدمت گاران اور خواجہ سرایان سرکار کے نے مہیا اور موجود کیا۔ جس وقت کہ زاہد صَومَعہ دار روز کا بیچ خلوت خانۂ مغرب کے گیا، ملکہ نے میرے تئیں معرفت دائی کے حضور میں طلب کیا۔ مکان خلوت سرا بادشاہی کا روشنی جھاڑ بندی کے سے مثل روز کے تاباں ودرخشاں تھا اور شمع داں طلائی ونقرئی وبلوری ومرصع ودوشاخہ وچہار شاخہ بلکہ درخت ہائے روشنی شاخ درشاخ فروزاں ولمعاں[۴۴۶] تھے اور فرش ملوکانہ ومسند زربفتی ونقرئی وطلائی وشامیانہ ہائے زردوزی پاکیزہ باطنا، بہائے ریشمی وزری وجھالر مروارید، بے شکن وشکنج، استادہ واسباب ثروت وحشمت آمادہ۔ ایک جانب کو مردم اہل طرب منتظر مجرائی اور ایک سمت کو مردم شاگرد پیشہ از برائے خدمت مستعد مجلس آرائی۔ میں نے جو یہ اوج وحشمت اور سامان وثروت اور روشنی مکان کی دیکھی، دائی سے پوچھا کہ ہر روز بہجت افروز وہر شب شبِ قدر اسی طور سے ہنگامہ آرائش سے معمور ہوتے ہیں؟ کہا کہ ہمیشہ سے یہاں یہی معمول ہے، ملکہ اس وقت بیچ خلوت خانہ کے ہے۔ تو ایک دم یہاں ٹھہر تو میں جا کے خبر کروں، پھر اُسی وقت اندرون خلوت سرا جا کے میرے تئیں بُلوایا۔ میں کہ داخل خلوت خانہ کے ہوا تمام جڑاؤ اور آئینہ بندی سے ہر ایک تختہ حلبی دراز تر از قد آدم نظر پڑا کہ بیچ ہر ایک محراب اور نشیمن کے نصب کیا ہے۔ یہ کیفیت مکان کی دیکھ کر ہوش دماغ میرے سے پرّاں[۴۴۷] ہوا اور یہ شعر بے اختیار زبان سے نکلا:

بیت

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

جو غور کر کے دیکھا تو معلوم کیا کہ جواہر تمام عالم کا جمع کر کے اُس مکان میں جڑ دیا ہے بس ملکہ عقب پردے کے بیٹھی اور دائی نے، باہر پردے کے بیٹھ کر میرے تئیں حکم بیٹھنے کا فرمایا۔ القصہ دائی نے حَسْبُ الاِرْشاد ملکہ کے عُروس مدعا کے تئیں اوپر مَنَصَّہ[۴۴۸] اظہار کے یوں جلوہ افروزِ بیان کا کیا کہ والی اس دیار کا ولی نعمت ملکہ کا تھا اور ہفت دختر مثل تابندہ اختر

کے اولاد رکھتا تھا۔ اتفاقاً روز جشن کے سبھوں نے اپنے تئیں بہ لباس ملوکانہ مرتب اور نہفت کیا تھا اور حضور بادشاہ کے حاضر تھیں۔ اِس اثناء میں خسرو عالی تبار و بخت بیدار نے فرمایا کہ اگر جناب مقدس قدر قدرت و قضا سطوت حضرت ولی نعمت قبلہ حاجات تمھارا نہ ہوتا تو تم کو ملکۂ زماں و زمانیاں اور نور دیدۂ جہاں و جہانیاں کون کہتا۔ پس تم سب کے تئیں بہ سبب میرے یہ عزت اور افتخار حاصل و مُتواصل [۴۴۹] ہے۔ اُن ساتوں میں سے چھ لڑکیوں نے کہا کہ حضرت سلامت الحق است فی الواقع کہ جو کچھ زبان مبارک بیان سے ارشاد ہوتا ہے، سچ ہے اور یہ بات بے شبہ و شک ہے مگر یہ بادشاہزادی کہ سب سے چھوٹی تھی اور بیچ سن خوردسالگی کے ہوش و شعور سے بہرہ دانی و نصیبہ کافی رکھتی تھی، خاموش رہی اور بالاتفاق ہمشیرہ ہائے کلاں کے اس کلام میں کہ کلمہ فی الحقیقت کفر کا تھا نہ بولی، بادشاہ نے بہ چشم عبرت اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے فرزند دلبند و جگر پیوند، باعث خاموشی تیری کا معلوم نہ ہوا۔ عرض کیا کہ اگر تقصیر معاف و جاں بخشی ہو تو یہ کمینہ پرستار عرض کرے۔ فرمایا کہ کہہ، کیا کہتی ہے۔ عرض کیا کہ حضرت سلامت اَلحَقُّ مُرٌّ بیچ سمع مبارک کے پہنچا ہوگا۔ اگرچہ مستوجب [۴۵۰] عتاب کا ہے اور اس وقت کی راست گوئی وبال جان کی ہے لیکن منشی تقدیر کے نے لوح پیشانی میری پر جو کچھ کہ روزِ ازل سے لکھا ہے کسی طور سے مٹ نہیں سکتا۔ جس قادر علی الاخلاق نے کہ از راہ فضل و کرم اپنے کے ذات مَیمنت آیات تمھاری کو فرمانروائے اقالیم کا کیا ہے، ہم کو بھی اُسی نے ملکۂ جہاں و جہانیاں مقرر کیا ہے، اور اَستَغفِرُ اللہ آپ کا اس مقدمہ میں کیا ذکر ہے ذات فایض البرکات تمھاری کو قبلہ و کعبہ دو جہاں کا جان کر خاک پائے مبارک کو کحل الجواہر دیدۂ بینا کا کرنا مُسلّم لیکن طالع ہر کسی کے ساتھ اُس کے راہ بر ہیں، بادشاہ کے تئیں بقول اس کے کہ چھوٹا منھ اور بڑی بات، یہ سخن سخت ناپسند آیا اور بے حد بُرا مانا اور جی سے بیزار ہوا اور فرمایا کہ زیور اور لباس اُس کا لے کر ایک پالکی میں ڈال کر بیچ صحرائے لق و دق کے کہ جہاں کوئی انسان کا نام نہ ہو چھوڑ آؤ۔ چنانچہ بیچ نصف شب کے کہ تاریک تر از شب دیجور تھی، بہ موجب حکم بادشاہ کے اس ملکہ فرشتہ طلعت پاک طینت کو

بیچ ایک صحرائے ہولناک و جاں گداز کے چھوڑ آئے اور بادشاہ زادی کہ بیچ دریائے غم و اندوہ کے از سر تا پا غرق تھی، کمیں داران خواب کے اوپر قافلہ بیداری اس کی کے تاخت لا کر متاع ہوش کی غارت کی۔ باقی شب بیچ خواب غفلت کے کاٹ کر جس وقت مؤذن صبح خیز۔ شمس کے نے اوپر مصلیٰ نیلگوں فلک کے نماز فجر کی ادا کی، ملکہ خواب غفلت سے بیدار ہوئی، اور اپنے تئیں محرمانِ ہمراز و مصاحبانِ دمساز سے تن تنہا دیکھا، دوگانہ شکر کا بیچ جناب خداوند حقیقی کے ادا کیا اور زار زار اُس وشت ناہموار صحرائے پُرشیر و مار "۵۱" میں روتی تھی۔

بیت

خدا کسی کو نہ دکھلاوے دن جدائی کا
تصدّق اپنے محمّد کی پارسائی کا

بارے پالکی میں سے اُٹھ کر چند چوب "۵۲" جمع کر کے استادہ کیے اور غلاف پالکی کا اوپر اس کے ڈال کر سایہ بنایا اور یاد الٰہی میں مستغرق اور مشغول ہوئی۔ سچ ہے کہ بُرے وقت کا اللہ ہی یار ہے۔ القصہ سہ شبانہ روز گزرے۔ گرسنہ "۵۳" و تشنہ، حیران و پریشاں، گریاں و نالاں، ضعیف و نزار ہوئی۔ چنانچہ گل روئے مبارک اس کے کا آفت صرصر حوادث کے سے، پژمردہ و ذبول "۵۴" ہو گیا۔ روز چہارم جس وقت کہ موسیٰ فلک نے ید بیضا آفتاب کا بلند کیا، ایک فقیر مرد پیر، روشن ضمیر پیدا ہوا۔ ملکہ کو بایں حالت تباہ دیکھ کر اور اوپر حقیقت حال خسراں مآل "۵۵" اس کے سے مطلع ہو کر کہا کہ اے نور چشم راحت جانِ ایں ناتواں تو دختر روشن اختر حضرت بادشاہ ظل اللہ کی ہے، از گردش دَورانِ دوں و حادثات زمانہ بوقلموں مصئون "۵۶" ہو گئی ہے اب اس فقیر کو اپنا خادم جان کر بیچ اس جنگل سخت کے یاد الٰہی میں خوش رہ، خدا خوب کرے گا اور پارچہ گدائی کا بیچ کجکول "۵۷" کے رکھتا تھا، کھلایا اور پانی بہ تلاش میسر کر کے پلایا۔ بارے ملکہ اندک "۵۸" ہوش میں آئی۔ جو فقیر نے بیکس و بیچارہ و از خانماں آوارہ دیکھا از راہِ لطف بزرگانہ و شفقت مُربیانہ کے تسلّی و دلاسا دلبری اور دلداری از حد زیادہ کی اور اوپر احوال کثیر الاختلال اُس کے بہت رویا۔ چنانچہ وہ درویش دِلریش "۵۹"

محبت کیش ہر روز واسطے گدائی کے بیچ شہر کے جاتا اور جو کچھ کہ خدا تعالیٰ از راہ پرورش و بندہ پروری کے دیتا، سو لا کر بیچ خدمت ملکہ کے حاضر کرتا۔ اسی طور سے چند روز گزرے، ایک روز ملکہ نے کنگھی اور تیل طلب کیا اور وقت شانہ کشی کے ایک جوہر آبدار بالوں میں سے مانند ستارہ کے گرا۔ ملکہ نے اس کو حوالہ فقیر کے کیا اور کہا کہ اس کو شہر میں لے جا کر بیچ لا۔ چنانچہ درویش اُس موتی کو بہ قیمت پانسو روپے کے بیچ لائے۔ ملکہ نے فرمایا کہ ایک حویلی لائق گزران کے اس مکان پر بنایا چاہیے۔ فقیر نے کہا کہ اے فرزند قدرے قدرے مٹی کھود کے جمع کر، ایک روز پانی لا کر دیوار بنانا شروع کروں گا۔ ملکہ نے حسبُ الایما فقیر کے مٹی کھودنا شروع کیا۔ تماشا قدرت کا دیکھیے کہ جس وقت ایک گز گڑھا کھدا ہوگا، ایک دروازہ نظر آیا۔ بہ مجرد کھولنے در کے ایک خانہ عالی کہ تمام جواہر و اشرفی سے مُلَبَّب تھا، ملاحظہ کیا بقول آنکہ:

بیت

کیمیا گر بہ غصہ مُردہ بہ رنج
ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج

ملکہ نے قدرے اشرفی لے کر وہیں بدستور سابق بند کیا اور خاک اوپر اُس کے ڈالی کہ اس اثنا میں فقیر آیا۔ ملکہ نے فرمایا کہ معماران اُستادکار و مزدوران چابک دست کو لاؤ کہ اس مکان پر ایک عمارت عالی بنیاد اور نقشہ شہر پناہ و حویلی شہر و قلعہ کا تیار کریں کہ یادگار زمانہ رہے۔ القصہ حسبُ الامر، کرامت اثر ملکہ جہاں کے ایک عمارت عالی و شہر و شہر پناہ از خلل خالی تیار کی۔ بعد چند روز کے خبر اس بنیاد خجستہ نہاد کی بیچ عرض خدمت ظلِ سبحانی خلیفہ رحمانی کے کہ قبلۂ دو جہانی و کعبۂ جاودانی ملکہ زمانی کے تھے پہنچی۔ وہ بادشاہ عالی جاہ، خلایق پناہ، فلک بارگاہ، انجم سپاہ، سننے اس واردات کے سے حیران و متعجب ہوا اور جتنا کہ تفحّص اس ماجرے کا کیا، از بس کہ کوئی مطلع اس مقدمہ کا نہ تھا، مفصل حضور پُرنور میں عرض نہ ہوا۔ آخر

الامر بادشاہ نے معرفت یکے از ملازمان بارگاہ کے پیغام کیا کہ میں واسطے دیکھنے حویلی اور باغ اور نقشہ شہر وشہر پناہ کے خصوصاً برائے دریافت کرنے حقیقت حال ملکۂ زمانی کے کہ کس خاندان سے ہے، تشریف لایا چاہتا ہوں۔ ملکہ نے بہ مجرد سُننے اس مژدۂ راحت افزا کے بہ ہزار جان ودل خوش وخرم ہو کر در جواب عرض کی کہ حضرت جہاں پناہ سلامت۔

بیت

اے از نظر تو کار ما راست
آراستۂ تو ہر چہ مار است

سننے خبر بہجت اَثر تشریف آوری حضرت خداوند نعمت کے سے سر عزت افتخار کا او پر فرق فرق داں کے رکھا۔

ز ہے طالع ز ہے دولت ز ہے بخت
کہ تشریف آورد چوں تو جواں بخت

ز ہے طالع ونصیب اس مکان کے کہ جس جا پروہ شہنشاہ گیواں بارگاہ قدم رنجہ فرما کر ساکنان اِس دشت ودیار کے تئیں بہ نظر تفضّل وترحّم کے سرفراز وممتاز فرمادیں۔

رباعی

اے آمدنت باعث آبادی ما
ذکر تو بود زمزمۂ شادی ما
مارا چہ بود تا نشارت سازیم
قربان سر تو باد آزادی ما

یہ کنیز بے تمیز، سراسر ناچیز، امیدوار تفضلات بادشاہانہ وتفقّدات[۲۹۰] کریمانہ سے یوں ہے کہ فردا روز پنجشنبہ کہ روز مبارک وساعت سعید بیچ حق اس کمترین کے بہتر از نوروز وروز عید ہے، تشریف ارزانی فرمادیں اور جو کچھ اس سرگشتہ بادیہ ناکامی سے سربراہ ہو سکے، نوش

جان فرماویں۔ بادشاہ نے انگشت قبول کی اوپر دیدۂ رضا کے رکھ کے التماس ملکہ کا مقرونِ اجابت [۲۶۱] کیا۔ بارے ملکہ نے ملازمان بارگاہ وکارگزاران درگاہ اپنے کوفرمایا کہ لوازمہ ضیافت کا بہ آئین شائستہ جیسا کہ لائق بادشاہوں کے ہوتا ہے جلد تیار کریں بلکہ آپ بھی بہ جان ودل مصروف بہ کاروبار مہمانی کے تھی۔ چنانچہ از قسم انواع طعام ہائے لذیذ وغذاہائے لطیف وشیرینی ہائے خوشگوار وہر گونہ مُربّہ واچار، وہفت خوان جواہر واشرفی و چند خوان پشمینہ وشالینہ وتاش [۲۶۲] وزری بافت وبادلہ ودو زنجیر [۲۶۳] فیل فربہ، وطویل ودہ راس [۲۶۴] اسپ خوش رنگ وبادرفتار، معرفت سوداگران شہر کے منگواکر واسطے پیشکش کے موجود کیا۔ جس وقت کہ خسرو زرّیں گلاہ آفتاب کے نے خلوت خانہ مغرب کے سے برآمد ہوکر اوپر تخت زمردیں فلک کے جلوس فرمایا، وہ سلطان عادل دریادل بہ سواری تخت رواں کے سوار ہوکر بیچ منزل اور مکان ملکہ کے تشریف لایا ملکہ واسطے استقبال کے باجماعت کنیزکان خوش لقا وخوش آواز وسرودخوانان جادونوا وطایفہ [۲۶۵] خُدمہ ہمراہ برآمد ہوئی۔ جیوں ہی کہ تخت بادشاہ کا نظر آیا، ایک مجرا بدستور شاہانہ اس طور سے ادا کیا کہ باعث ازدیاد [۲۶۶] حیرت بادشاہ کا ہوا اور حضرت قدر قدرت کیواں منزلت کو اوپر تخت مرصع کے بٹھلایا اور آپ دست بستہ حضور میں کھڑی ہوئی، بادشاہ نے از سر عاطفت والطاف کے فرمایا کہ ملکہ کس خاندان عالی سے ہے اور اس ملک بیگانہ میں آنے کا کیا باعث ہے۔ ملکہ نے درجواب آداب بجالا کے عرض کیا کہ یہ وہی کنیز بے تمیز سراسر ناچیز ہے کہ باعث عتاب وخطاب حضرت خداوندنعمت کے بیچ صحرائے جانگداز کے پہنچی تھی۔ بادشاہ نے فی الفور دریافت کر کے از راہِ شفقت پدری کے بغل میں لے کر بوسہ، اوپر پیشانی اس سرمایۂ زندگانی کے دیا اور متصل تخت کے کرسی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ القصہ ملکہ نے تمام کشتیاں جواہرات وآلات وغیرہ کی نظر مبارک سے گزران کر خاصہ [۲۶۷] طلب کیا۔ بادشاہ بعد تناول طعام کے متعجب ومتحیر بیٹھا اور بادشاہ بیگم کو مع بادشاہزادیوں کے طلب کیا۔ ملکہ نے بیچ خدمت جناب بیگم کے خوان جواہر اور زر کے اس قدر نذر کیے کہ اگر جواہر اور خزانہ ہفت اقلیم کا جمع کریں، شاید کہ پاسنگ اس کے کو

نہ پہنچے۔ چندمدت بادشاہ نے بہ حینِ حیات اپنی سلطنت کی، بعد ازاں سلطنت دنیا سے اوپر مملکت عقبیٰ کے کامیاب ہوا۔ بعد رحلت اُس شہنشاہ فردوس آرام گاہ کے سلطنت اُس ملک کی نے اوپر ملکہ زمانیہ کے قرار پایا۔ پس جس وقت کہ دولت خداداد وبے زوال ہووے اور روز بروز ترقی رہے رخصت [۴۶۸] کرنا اور مہمان داری سے باز رہنا محض بے جا ہے بقول اس کے ؎

فرد

ہر کہ دریں عالم است روزی خود می خورد
واسطۂ خوشنما ست مفت کرم داشتن

ایک مضمون اور پڑھوں ؎

بیت

شکر بجا آر کہ مہمان تو
روزی خود می خورد از خوان تو

القصہ دائی نے زبان ہدایت ترجمان سے لآلی دلپذیر اس حکایت بے نظیر کے بیچ صدف گوش سراپا ہوش کے تئیں پُر کر کے کہا کہ اے جوان حقیقت سرگزشت ملکہ کی اور روز بروز افزونی اس دولت خداداد کی یہ ہے کہ گزارش کی اب تو روانہ منزل مقصود کا ہو۔

الغرض یہ فرہاد دشت گربت [۴۶۹] وغربت کا مد نظر اوپر فضل الٰہی کے کر کے اور مُعتصِم [۴۷۰] بہ عروۃ الوثقیٰ فیض نامتناہی کا ہو کر چلا۔ بعد مدت یک سال کے بیچ ولایت بہجت افروز نیم روز کے پہنچا۔ سُکّنہ [۴۷۱] اُس دیار کے مُلبّس بہ لباس سیاہ، جیسا کہ سُنا تھا بہ چشم خود دیکھا اور کئی ایک روز چاندرات کے کہ باقی رہے تھے منقضی [۴۷۲] ہوئے اور جس روز کہ ماہ نو اوپر فلک کے نمودار ہوا، بدستور مذکور علی الصباح اُس کے خلقت اُس شہر کی از خورد تا کلاں واز پیر تا جواں و بادشاہ تا وزیر و از امیر تا فقیر تمامی زن و مرد بیچ صحرائے وسیع کے مجتمع

ہوئے اور یہ فقیر، قید عشق میں درزنجیر، کام اپنے میں نہایت متحیر اور بے تدبیر، ہمراہ اُس جماعت کثیر کے حیران و پریشان، مہجور از اقربا و خویشاں، بہ شکل وصورت دَرویشاں، تماشا قدرت الٰہی کا معائنہ کرتا تھا، کہ اس عرصہ میں وہ جوان گاؤ سوار ہمچو رستم واسفند یار، نشۂ مستی میں سرشار، مانند سیماب کے بیقرار ظاہر و نمودار ہوا۔ یہ ذرّہ بے مقدار کہ ایک مدت سے مشتاق دیدار، فائز الانوار، اُس کے کا تھا، مانند قالب بے جان و بے تاب وتواں، متحیر و حیران رہا بہ حدیکہ وہ نیّر سپہر، عظمت وکرامت ومظہر، شجاعت وشہامت [۴۳] موافق قاعدہ مَعہود کے عمل میں لاکر معاوَدت مکان مالوفہ کو کر گیا اور خلائق شہر کی نے رُخ طرف آبادی کے کیا۔ تب میں نے ورطہ بے ہوشی کے سے اوپر ساحل افاقت کے پہنچ کر کہا۔

بیت

وہ صنم جب سے بسا دیدۂ حیران میں آ
آتشِ عشق پڑی عقل کے سامان میں آ

فرد

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

مدت ایک ماہ تک پھر منتظر اس واردات کا رہا۔ بعد اِنقضائے عرصہ تیس روز کے کہ میرے اوپر برابر تیس سال کے گزرے تھے، وہ دن پھر نصیب ہوا اور میں نے اپنے دل پر یہ ارادہ مضبوط کیا کہ اپنے تئیں بہ استقلال طبیعت ہوشیار رکھ کر اور درپے اُس جوان کے جاکر، مغز سخن کے سے مطلع ہوں۔ بقول اِس کے:

بیت

دُکھ تو دیتا ہے اُسے جی سے رجھادوں تو سہی
شاہ بازِ مدعا کو ہاتھ لا دوں تو سہی

القصہ وہ گاؤسوار برآمد ہوا اور بدستور سابق کے وہ تحفہ سب کو دکھلا کے مرتبان کو توڑ کر اور غلام ہمراہی پروار شمشیر کا کر کے چلا۔ جو یہ بندہ پیچھے اس کے جلد قدم ہو کر روانہ ہوا، خلقت شہر میں سے کئی ایک آدمیوں نے میرے تئیں پکڑا اور جانے نہ دیا اور کہا کہ اگر زندگانی سے سیر ہوا ہے تو اس طرح سے کیوں جی دیتا ہے، کوئی اور طرح مرنے کی مقرر کر۔ ہم اس طرح سے تجھے مرنے نہ دیں گے۔ ایں مرتبہ باز ہموں آش در کاسہ ماند۔ لاچار و مجبور ہمراہ خلق اللہ کے داخل شہر کے ہوا اور ایک مہینہ کہ برابر ہزار سال کے تھا، بہ ہزار خرابی بسر لے گیا اور جو بتاریخ سلخ [۴۷۴] کے کہ فی الحقیقت غُرّہ [۴۷۵] کامیابی میری کا تھا، ماہ نو نظر آیا اور علی الصباح بقول اس کے:

بیت

جس کو لذّت ہے سجن کے دید کی
اُس کو خوشوقتی ہے صبحِ عید کی

جمیع خلقُ اللہ رونق افزا صحرا کی ہوئی، یہ فقیر از سر گشتہ، بادلِ بَرِشتہ [۴۷۶]، پیشتر ہی پہر رات سے اُٹھ کر بیچ ایک نیستان [۴۷۷] کے کہ سر راہ اس جوان کے تھا، جا بیٹھا تا کہ کوئی مانع و مُعترِض احوال میرے کا نہ ہو۔ جس وقت وہ جوان بہ قاعدہ قدیم طریقہ اپنا ادا کر کے باز گشت ہوا اور مانند نسیم کے روانہ مکان مالوفہ کا ہوا، میں نے بھی اُفتاں وخیزاں، رواں دواں تعاقب کیا۔ اُس جوان نے معلوم کیا کہ کوئی شخص آتا ہے، فی الفور جلو گاؤ کی پھیر کے ایک نعرۂ مہیب مارا اور شمشیر نیام سے نکال کر حملہ کیا، میں از راہ غریبی کے سلام اور آداب بجا لایا۔ تب وہ ناآشنا مزاج متکلم ہوا کہ اے درویش مفت میں ہوا تھا، جانچ گیا کہ زندگی تیری تھی اور خنجر مرصع نکال کر طرف میرے ڈال دیا۔ گویا کچھ سحر کیا تھا کہ اُس وقت مجھ کو نہ پائے رفتار نہ یارائے گفتار تھا۔ جب کہ وہ شیر غرّاں [۴۷۸] و پیلِ دَماں پیشتر کو روانہ ہوا، میں بھی جرأت کر کے پیچھے سے چل نکلا۔ پھر وہ عزیز آنے میرے سے مطلع ہو کر بہ قصد ہلاک

کرنے میرے کے پھرا۔ تب تو میں نے قسم دے کر کہا:

فرد

چھٹے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے
وصیت ہے ہمارا خوں بہا جلاد کو پہنچے

اے عزیز ایسا ہی وار کر، کہ تسمہ [۴۷۹] لگا نہ رہے اور اس رہ نوردی و بیاباں گردی سے خلاصی پاؤں۔ بہ مجرد سننے اس کلام حیرت انجام کے سر دُھنا اور کہا اے سرگروہ قافلہ شیطان کے میرے تئیں کیوں ناحق خون میں گرفتار کرتا ہے، جا اپنا کام کر، میں نے او پر "صَاحِبُ الغَرَض مجنُون" کے عمل کر کے پیچھا اُس کا نہ چھوڑا۔ اور کہا:

فرد

تجھ ابروئے خمدار سے ہرگز نہ پھرے دل
کیوں جاوے سپاہی، دم شمشیر سے ٹل کر

پھر تو دیدہ دانستہ متعرض [۴۸۰] احوال میرے کا نہ ہوا اور قریب دو فرسخ [۴۸۱] کے راہ بیابان کی طے کی۔ اس عرصہ میں ایک باغ نمودار ہوا۔ جوان نے اوپر دروازہ باغ کے پہنچ کر ایک ایسا نعرہ مہیب مارا کہ خود بخود وا ہوا اور آپ اندر تشریف لے گیا اور میں باہر متحیر و متفکر کھڑا رہا۔ بعد ایک ساعت کے ایک غلام چوں ماہ تمام پیام اس مرجع الانام کا لے کر آیا کہ اے اجل گرفتہ [۴۸۲]، اُس ماہ دو ہفتہ نے نہفتہ با ایں حال خراب و خستہ حضور میں طلب کیا ہے۔ چنانچہ یہ تباہ ہمراہ اُس جادو نگاہ کے بیچ خدمت اس شاہ کے پہنچ کر ہم نگاہ ہوا اور ایک سلام، بہ آئین اہل اسلام با ادب تمام ادا کیا اور بہ موجب ارشاد کے شاد و ناشاد بہ عقیدت نہاد، بیچ اُس جائے نو ایجاد کے بیٹھا۔ جوان کو دیکھا کہ بیچ اُس عمارت عالی اغیار سے خالی کے اوپر مسند زریں کے ایک شہ نشین نیکو آئیں میں از بس تمکیں، نہایت محزوں و غمگیں بیٹھا ہے اور اسباب زرگری کا پیش پا اُفتادہ اور ایک جھاڑ زمردیں جلا دادہ [۴۸۳] بیچ تیاری اس کے مستعد و

آمادہ ہے۔ بوقت شام کہ وقت برخاست ہونے اُس کے کا تھا، غلامان غلماں سرشت کہ گردشہ نشین اُس کے حاضر تھے، ہر ایک بیچ حجروں کے مخفی و مستواری ہوئے۔ میں بھی بہ طرح دریافت کرکے ایک حجرہ میں گیا۔ وہ جوان عالی خاندان بیچ ایک آن کے دروازے مجروں کے بند کرکے طرف گوشہ باغ کے روانہ ہوا اور ساتھ اس نرگا وسواری کے بہ ضرب و شلاق [۴۸۴] پیش آیا۔ جیوں ہی کہ آواز فریاد وفغاں گاؤ کی گوش زد میرے ہوئی، نہایت خوف ورِجا کے مقام میں آکر اور حجرے سے نکل کر عقب ایک تنے درخت کے پنہاں ہوا، دیکھتا کیا ہوں کہ اُس جوان نے چوب دستی ہاتھ سے ڈال کر اور ایک کلید جیب سے نکال کر ایک مکان مُقفل کو کھولا اور داخل ہوا۔ میں نے مانند جسم بے جان کے اس مکان نمونہ طوفان سے حرکت نہ کی، چنانچہ بعد ایک ساعت کے اُن نے اس مکان سے نکل کر او پر پشت اُس گاؤ کے دست شفقت کا پھیر کر، ایک بوسہ دیا اور دانہ دکھلا کر متوجہ شہ نشین کا ہوا۔ میں نے اپنے تئیں جلدی بیچ حجرہ کے پہنچایا اور اُن نے دروازے حجروں کے کھول دیے اور غلام باہر آئے۔ آپ وضو کرکے واسطے ادائے نماز کے کھڑا ہوا۔ بعد فراغ نماز کے دسترخوان پر بیٹھ کر آواز کی کہ درویش کہاں ہے۔ میں فی الفور باہر آیا اور بیچ خدمت فیض موہبت اس عالی درجت کے حاضر ہوا، اشارہ بیٹھنے کا کیا۔ بہ موجب حکم کے آداب بجالا کے او پر گوشۂ بساط کے مؤدب بیٹھا اور تناول طعام سے فراغت کرکے، غلاموں کے تئیں رخصت خواب کی دی اور مجلس خواب کی آراستہ کرکے میری طرف مخاطب ہو کے فرمایا کہ اے عزیز سچ کہہ مطلب تیرا کیا ہے میں نے جو کچھ مطلب و مدعا تھا، مفصل گزارش کیا۔ وہ مرد، ایک آہ سرد، دلِ پُر درد سے برلا کر بے خود ہوا اور کہا:

بیت

الٰہی دردمندی دہ دلِ بے دردمنداں را
کہ بے درداں نمی دانند، حالِ دردمنداں را

بعد ایک ساعت کے اِفاقت میں آیا اور ایک آہ کھینچی۔ تب تو میں نے حالت تعشّق اس

کے کی دریافت کر کے بہ قسم کہا، کہ اے عاشق صادق، واے ہمدرد موافق، تیرے تئیں لائق ہے کہ اوپر حقیقت حال، کثیر الاختلال، حیرت اشتمال، اپنے کے میرے تئیں مُطّلع کرے کہ اول سرِ رشتہ مقصود تیرے کا بیچ چنگل کے لا کے بعد ازاں پیروی مطلب اپنے کی کروں، بقول اس کے:

بیت

شاہ بازِ مدعا کو ہاتھ لادوں تو سہی
آتشِ حسرت کو سینہ سے بُجھا دوں تو سہی

القصہ اُس مسند نشین کشور عشق کے نے مشفق شفیق اور بہ دل و جان رفیق اپنا جان کر معشوقہ داستاں کے تئیں اس وجہ سے حُلّی بند زیور بیان کا کیا کہ میں فرزند دلبند، بہ جاں پیوند والی اس ولایت نیم روز بہجت افروز کا ہوں۔ بادشاہ نے وقت تولّد میرے، مُنجمانِ دانش ور و رمّالان خِرد پرور کے تئیں طلب کر کے فرمایا کہ زائچہ طالع اس روشن اختر والا گہر نصیبہ ور نونہال، بلند اقبال [۴۸۶]، خجستہ خِصال گل گلشن شہر یاری، ثمر شجر سعادت و بختیاری کا درست کریں اور روز بروز و ماہ بہ ماہ و سال بہ سال کے بیچ عرض مُعتکِفانِ [۴۸۷] بساط مسرت مناط [۴۸۸] کے گزارش کریں۔ چنانچہ بعد تَقیُّد کمال کے از راہ علم اپنے، اہل تنجیم [۴۸۹] نے عرض کیا کہ بہ فضل الٰہی و توفیقات نا متناہی از جمیع کُتب کمالات و فنون شہر یاری و جہانگیری و کشور کشائی کے سے کمال ہی آگاہی حاصل کرے گا اور کوئی دقیقہ از دقایق سخاوت و شجاعت و فتوت و مروت کے سے نہ چھوڑے گا مگر بیچ سن چہاردہ سالگی کے دیکھنے آفتاب یا ماہتاب کے سے ایک خطرہ در پیش ہے۔ لازم کہ تا مدت چہاردہ سال دھوپ اور چاندنی بلکہ آسمان کو نہ دیکھے۔ اگر یہ مدت بخیریت گزری، تو کامران جہاں وسلطان زماں و شہر یار دوراں ہووے، و اِلّا بہت مصیبت اور رنج کھینچے گا۔ اَغلب کہ دیوانہ ہو اور خونریزی کرے بلکہ آبادی اور انسانوں سے اجتناب کرے اور اُلفت ساتھ حیوانوں کے پکڑے۔ چنانچہ یہ حقیقت دریافت کر کے حضرت ولی نعمت قدر قدرت، کیواں منزلت نے از راہ شفقت کے میرے تئیں مع دایہ و چند نفر خواص کے بیچ ایک خانہ باغ کے پرورش کا حکم فرمایا اور یہ باغ

بیرون شہر کے بنایا ؎

روضۂ ماء و نہر ہا سلسال
دوحۂ سجع و طیر ہا موزوں
آں پُر از لالہ ہائے رنگا رنگ
دیں پُر از میوہ ہائے گوناگوں
باد در سایہ درختانش
گسترانید فرش بوقلموں

اور دیوار ہائے بلند اور جاہائے طبع پسند چند روز میں بیچ اُس کے تیار ہوئے اور گنبد نمد کا آراستہ بنوا کے شیشہ ہائے حلبی واسطے روشنی کے، بیچ اُس کے نصب کیے کہ تابش آفتاب و ماہتاب کی بیچ اُس کے دخل نہ پاوے۔ بندہ مع دایہ و چند خادمہ اور ایک اوستاد، ادیب، صاحب فضل وکمال کے اُس مکان بہشت نشاں میں پرورش پاتا تھا اور حقیقت تعلیم علم اور لکھنے ہفت قلم کی، ہمیشہ بیچ حضور لامع النور خلیفۃ الرحمانی، قبلہ و کعبۂ دو جہانی، مرجع آمال دامانی کے عرض ہوتی تا کہ بیچ مدت دہ سال از جمیع علوم، بہرہ ور و کامیاب ہوا اور اس باغ کو روضۂ رضواں جان کر فصل بہار میں بہ گلہائے رنگارنگ و میوہ ہائے گوناگوں بیچ کھانے اور کھیلنے کے مشغول رہتا کہ ناگاہ بیچ ایک دریچہ باغیچہ کے گنبد کے نیچے، ایک عجائب گل نظر آیا ۔میں نے اس کے لینے کے لیے ہر چند ہاتھ چلایا، اُس کو نہ پایا اور نہایت تعجب نے منھ دکھلایا اور وہ گل شعاعی اوپر جائے اپنی کے ہر دم زیادہ ہوتا تھا اور میرا ہوش و عقل کھوتا تھا اور میں ملاحظہ اُس کے سے ایک دم غافل نہ ہوتا تھا۔ ناگاہ بلندی گنبد سے ایک آواز تبسم کی بیچ گوش ہوش اس مدہوش کے پڑی، گردن بلند کر کے کیا دیکھتا ہوں کہ نمد [۴۹۰] پارہ شق ہوا ہے اور گویا بدلی کو چیر کر چودھویں رات کا چاند نمودار ہوا ہے:

فرد

بہ زیر پیرہنش ہر کہ دید حیراں شد
چہ دید خانہ خرابی کہ دید عریانش

یہ مجرد دیکھنے آفتاب جمال اس پری نژاد کے یہ ذرّہ ناچیز خالی از ہوش وتمیز کے ہوااور یہ کبت کب دیو کا پڑھ اٹھا۔

کَبِت

گوری مکھ کنول پڑے لوچن بول بول موتی بھاسیں لاج پر (؟)
شوبھا کے لال دِکھے کوو للچات کو وپھاسے اٹھت روپ کی سماج پر
بادلے کی ساری دردامن کناری جلگے جیوں تارے چھٹے جھالر کی ساج پر
موتی گوندھے، گوری چمک، جُھوں آوان، جیوں نرون کے پاس، دُج راج پر (؟)

پھر اپنے کو سنبھال کر دیکھا تو ایک تخت مرصع، بیچ ہوا کے اوپر دوش پریزادوں کے مُعلق ٹھہر رہا ہے اور وہ پری نژاد تاج مُکلّل [۹۱] برسر اور چارقب مروارید دربر، جام یاقوت در دست نشہ شراب کے سے سرشار متوجہ زمین کی عالم بالا سے ہوئی اور میرے تیئں، اس ماہ دلبری کے نے، اپنے آگے بٹھالیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور ساتھ کلمات محبت آمیز کے اور سخن ہائے عشق انگیز کے سے میرے تیئں فریفتہ و بندۂ بے درم خرید کیا۔

بند مخمس

نکلے جو بچن منھ سے جھڑی پھول کلی گویا
تب بیچ محبت کا دل بیچ مرے بویا
امید ستی جل کے دن رین نہیں سویا
سدھ بدھ نہیں تن من کی سب ہوش وخرد کھویا

کیا کام کیا دل نے دیوانہ کو کیا کہیے

اور دو جام شراب ارغوانی کے پلا کر کہا ؎

آدمی زادہ بے وفا ہے گا
گرچہ دل تجھ پہ مبتلا ہے گا

چنانچہ عجب حالت بشاشت اور خرّمی کی حاصل اور متواصل ہوئی اور اُس آرام جاں و باعثِ تاب وتواں نے مہربانی ہائے بسیار و الفت ہائے بے شمار سے، اس قدر دلبری و دلداری ومہر وَرزی وغم خواری کی کہ کسی سے نہ سنی تھی، نہ دیکھی تھی۔ ناگاہ عین مزے میں ایک پری زاد، خانہ برباد نے ہوائے فلک سے آن کر کچھ اپنی زبان میں کہا، تب وہ نازنیں بہ قول اس کے ؎

خوبرو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں
پل میں دل لے کے بھول جاتے ہیں
صبح عاشق کوں، شام کرتے ہیں

چہرہ اَفروختہ کر کے میری طرف مخاطب ہوئی اور کہا کہ اے یار عزیز چاہتی تھی کہ ایک دم تردداتِ دنیوی سے یکسو ہو کر ساتھ تیرے دادِ معاشرت اور مُباشرت کی دوں لیکن ازانجا کہ زمانہ سفلہ پرور عیش بَرہم زن و روزگار خدا جہاں کہیں کہ دو دل کو یکجا دیکھتا ہے وو ہیں نغمہ دوری ومجبوری کا آغاز کرتا ہے۔ لاچار اور معذور ہوں۔

بیت

رفتیم و داغ ہجر تو بُردیم یادگار
بریاد ما تو ہم دل خود را نگاہ دار

میں نے کہا کہ اے مجموعہ خوبی ہائے بے کراں، واے باعث آرام جان ناتواں، پھر کب تشریف لاووگی وِالّا ہم کو نہ پاووگی ؎

تیرے خیال آنے کی پاووں اگر خبر
سینے کو داغ عشق سے گلزار کر رکھوں

اس واسطے چاہتا ہوں کہ یہ جمال باکمال پھر دیکھوں اور ملاقات سراسر بہجت ونشاط

حاصل کروں۔ اس بے سروساماں کے تئیں اپنے نام اور مکان سے نشان دیجیے۔

فرد

ترس تجھ کو نہیں اے شوخ اتنی کیا ہے ترسائی
ترے دیدار کو میں دیدۂ تر سوں کھڑا ترسوں

کہا کہ میں دختر بادشاہ جنوں کی ہوں اور اوج مکان میرے کے اگر مرغ تیز رو وہم و خیال کا بال پرواز کا کھول سکے کیا مقدور۔ اس قدر کہا اور تیغ جدائی سے میرے تئیں بسمل کر کے روانہ ہوئی۔ جب تک کہ تخت اس عالی بخت کا مقابل تھا میں اس کو دیکھتا تھا اور وہ مجھ کو دیکھتی تھی۔ آخرش بہ مضمون اس مصرع پر آن ٹھہری۔ ع۔

آرام دل بَرفت و دلم بے قرار ماند

واردات اس احوال کے سے عقل و ہوش میرا کاخ دماغ سے رخصت ہوا اور جہاں آنکھوں میں تاریک نظر آیا اور آشفتہ و پریشاں خاطر، نالاں و گریاں، بادل بریاں و تن عریاں او پر زمین کے غلطاں بے قرار اور سرشار مانند ابر کے روتا تھا اور کہتا تھا:

فرد

مہربانی ہائے لیلا کرد مجنوں را خراب
ورنہ ایں بیچارہ را میل گرفتاری نہ بود

اور کبھی دل اپنے کے تئیں ساتھ اس شعر کے مشغول کرتا تھا:

نظم

کہاں ہے وہ عزیزاں وہ رشک پری
کہ جس کا ہے جہاں ہے دو جگ مشتری
کہاں ہے وہ گلزار باغ وفا
کہ ہے شان جس کی سدا دلبری

وہی ہے مرے حرف کا قدرداں
کہ جوہر نہ بوجھے بجز جوہری
کوئی جا کہے اُس سے میرا پیام
کہ کہتا ہوں از جان و دل ہر گھڑی
شتابی خبر لے کہ بے تاب ہوں
ترے عشق میں بے خور و خواب ہوں

آخرش اوپر احوال کثیر الاختلال خسراں مآل میرے کے دایہ اور معلّم نے اطلاع حاصل کر کے نہایت خوف و رجا میں ہو، بیچ عرض سلطانی معروض کیا۔

فرد

سرنوشتے چو بدافتاد ز تدبیر چہ سود
کس بہ ناخن نہ کشاید گرہِ پیشانی

بادشاہ نے سننے اس سانحۂ ہوش رُبا و حیرت افزا کے سے بیہوش و حواس ہو کر وُزرائے صائب رائے اور حکمائے ذوفنون اور علمائے مُتبحر کے تئیں تعین کیا کہ بیچ دریافت کرنے اس آفت ناگہانی کے سعیِ مَوفورہ تقدیم پہنچا کر، بیچ چارہ جوئی شفائے شاہزادہ بلند اقبال کے کوشش فراواں و جہد بے پایاں عمل میں لاویں اور حضرت خَدیو[۴۹۲] کشور جہانیاں، دیں پرور، رعیت نواز، عدالت گستر، بذات خود بیچ باغ کے تشریف لائے اور مجھ کو بہ ایں حالت تباہ دیکھا، از راہ شفقت پدری کے اشفاق اور الطاف از حد زیادہ فرمایا اور بیچ بغل کے لیا اور بوسہ اوپر پیشانی کے دیا اور ہر چند حُکما بہ دوا و شربت و غذا اور فُضلا بہ دعا اور فقرا بہ تعویذ اور منجمان بہ تصدق چارہ گری کرتے تھے لیکن سعی کسی کی پیش نہ جاتی تھی اور میں روز بروز زرد و لاغر اور بے خور و خواب اور بے قرار و آرام، گرفتار رنج و آلام، بہ تکلیف تمام، روز و شب باگریہ و سوز، بسر لے جاتا تھا اور یہ پڑھتا تھا

ے

اُس نازنیں کی آنکھوں میں میرا مقام ہے
دل میں مرے خیال یہی صبح و شام ہے
اُس گلبدن کو میری طرف سے کوئی کہو
تیری جُدائی کا مجھے اب غم تمام ہے

بدیں منوال [۴۹۳] بے استقلال تین سال گرفتار رنج و نکال کا تھا اس عرصے میں ایک سوداگر با مال و زر با کرّ و فر وارد ہوا و تحفہ ہائے ہر ولایت و اقلیم کے بہ آں صاحب تاج و دیہیم [۴۹۴] و خداوند ناز و نعیم کے گزرانے اور شرف ملازمت، عالی جناب کرامت مآب کا حاصل کیا۔ بادشاہ نے تفتیش حال طبیب ہر ولایت عجیب و غریب از دور و قریب کا کیا، اُس سیاح ممالک رُبع مَسکوں [۴۹۵] اور دشت پیمائے کوہ و ہاموں [۴۹۶] کے نے عرض کیا کہ حضرت جہاں پناہ سلامت بیچ ولایت ہندوستان جنت نشان کے ایک جوگی پسر بہ نہایت حُسن و جمال اور علم حکمت میں صاحب کمال ایک جزیرے میں دنگ و دوال [۴۹۷] سے رہتا ہے۔

رباعی

جوگی پسرے نہفتہ در خاکستر
دُزدیدہ رُخ از لیلی و از مجنوں سر
در خاک فزوں شود جمالش آرے
آئینہ ز خاک می شود روشن تر

برس روز کے بعد ایک روز بہجت افروز کہ روزِ عید اُس کے کا مقرر ہے، ایک باغ بے زغن و زاغ [۴۹۸] میں سے بہ خاطر فراغ نکل کر بیچ دریا کے شناوری کرتا ہے اور بعد غسل وقت مُعاوَدت کے کہ بیماران و رنجوران ہر دیار کے اوپر دروازہ باغ کے از راہِ دور و دراز باعجز و نیاز، چارہ ساز بیچارگان عالم کا جان کر رجوع لاتے ہیں اور فوج فوج جمع ہوتے ہیں، وہ افلاطون وقت اور بقراطِ زماں ایک نظر دیکھ کر بہ ملاحظہ نبض و قارورے کے ایک ایک نسخہ لکھ

کر، ہرایک کی گود میں ڈال دیتا ہے اور مریض بہ مجرد عمل کرنے کے شفائے کامل حاصل کرتا ہے۔ اگر حکم ہو تو شاہزادۂ عالی جاہ خلایق پناہ، سلطنت و اُبّہت دستگاہ کو بیچ جزیرہ مذکور کے پہنچادوں۔ بادشاہ سننے اس بات کے سے مانند گُل کے شگفتہ وخنداں ہوا اور فرمایا کہ ازیں چہ بہتر اور مجھے ساتھ، ایک وزیر صاحب تدبیر اور اُس سوداگر کے روانہ کیا۔ بعد انقضائے چند مدت کے بفضل الٰہی او پر منزل مقصود کے پہنچا۔ بارے آب و ہوا وہاں کی سے امیدوار زندگانی کا ہوا۔

رباعی

از فیض ہواش در تنم جاں آمد
یا قاصد خوش خبر ز ملک جاناں آمد
بادل گفتم اے اسیرِ غم و درد
خوش باش کہ شام غم بپایاں آمد

او پر دل میرے کے ایک فرحت حاصل ہوئی لیکن زبان کو یارائی گفتگو کی نہ تھی اور اشک بے اختیار چشمۂ چشم کے سے جاری تھے اور دل اپنے کو، ساتھ اس شعر کے تسلّی کرتا تھا ؎

رسید مژدہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند
کے ہمیشہ گرفتار غم نہ خواہد ماند
فراق و ہجر دلا دم بہ دم نہ خواہد ماند
ز یار رسم جفا و ستم نہ خواہد ماند

چناں نہ ماند چنیں نیز ہم نہ خواہد ماند

بعد اِنقضا کئی ایام کے قریب دو سہ ہزار مریض کے کہ امیدوار شفا کے تھے نہایت شادی اور مبارک بادی سے کہا کہ فردا روز عید سعید جوگی کا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ شفائے کامل نصیب ہر بیمار کو ہوگی۔ القصہ صبح کے وقت کہ خورشید جہاں تاب دریچہ مشرق کے سے برآمد

ہوا بعد ایک ساعت کے وہ نیّرِ سپہر حسن ولطافت کا برآیا اور کہا ؎

در فراقِ یار جوگی گشتہ ام
بہر آں دلدار جوگی گشتہ ام
میل دارد شاہِ من با جوگیاں
زیں سبب لاچار جوگی گشتہ ام

اور بیچ دریائے مَوّاج کے کہ متصل دیوار باغ کے تھا، واسطے غسل وشناوری کے گیا۔ بعد فراغ عبادت معبود کے طرف بیماران ہر ملک ودیار کے رُخ توجہ کا فرمایا اور ایک قلمدان مرصّع در بر و دستار جوڑہ دار بر سر برہنہ، لنگوٹ بند سینہ فراخ، چارشانہ، خوش شکل، خوبرو، بہ جُفت بُرُوتِ [499] تاب دادہ از تمتّعات دنیوی آزاد، ایک ایک متنفس کو دیکھنا اور نسخہ دینا شروع کیا تا کہ نوبت مجھ تک پہنچی۔ میری طرف دیکھ کر اور متامل ہو کر بعد فراغ جمیع بیماران وامیدواران کے میرے تئیں ہمراہ اپنے بیچ باغ کے لے گیا اور ایک مکان دلچسپ میں حکم رہنے کا فرمایا اور آپ بیچ ایک خلوت خانے کے گیا۔ بعد عرصۂ چہار روز کے میرے پاس آیا اور مجھ کو بہ ہمہ وجوہ خوش پایا تبسّم کیا اور کہا کہ بیچ سیر اس گلزار کے مشغول رہ اور میوہ ہائے گوناگوں جس قدر رغبت طبع ہو تناول کر اور ایک مرتبان معجون کا عنایت کیا کہ برابر نخود [500] کے ہر روز بلا ناغہ عمل میں لا۔ یہ کہہ کے اُٹھ گیا اور میں موافق فرمانے کے عمل کرتا تھا۔ چنانچہ روز بروز قوت وبشاشت حاصل ہوتی تھی لیکن عشق اُس صنم کا غالب تھا۔ ایک کتاب کہ لُبِّ لباب ہر علم وعمل کے تھی، بیچ ایک طاقچہ ایوان کے دھری تھی۔ پس اکثر اوقات اپنے بیچ مطالعہ اُس کے صرف کرتا۔ چنانچہ تمامی عمل وحکمت وتسخیر پر قادر ہوا، بعد مدّت سال تمام کے روز بہجت افروز عید کے جوگی خلوت خانے سے نکلا اور قلمدان وکاغذ مجھ کو سپرد کیا اور کہا کہ ساتھ آ۔ پس باہر نکلتے ہی بیرون دروازے باغ کے کہ خلقت بسیار اور مریض بے شمار گرفتار مرض وآزار جمع ہوئے تھے۔ سبھوں نے زبان اپنی بیچ ثنا وتحیت کے کھولی اور روز یرد سوداگر و مردم ہمراہی میرے آداب شکرانہ بجالائے اور جوگی اوپر قاعدہ مُستمرّہ کے عمل

کر کے متوجہ بیماروں کا ہوا۔ ایک جوان بار وئے چوں آفتاب و گیسوئے مشک تاب کہ ضعف سے قادر اوپر کھڑے ہونے کے نہ تھا، در زمرۂ مریضان و مجانین[۵۰۱] دیکھا اور بعد فراغ خلق اللہ کے مجھ کو فرمایا کہ اس کو ساتھ لے آؤ چنانچہ بہ موجب فرمانے اُس کے وہ اندرون باغ کے پہنچا۔ پس بیچ خلوت خانہ خاص کے لے جا کر قدرے کھوپڑی اُس کی تراش کے چاہتا تھا کہ زنبور[۵۰۲] سے ہزار پایہ کے تئیں کہ اُس کے مغز پر جم رہا تھا، اُٹھاوے اتنے میں مَیں کہ روزن میں سے دیکھتا تھا، اس حقیقت کو دریافت کر کے بولا، کہ دست پناہ اُس کی پیٹھ پر گرم کر کے رکھ خود بخود جدا ہوگا، و اِلّا مغز نہ چھوڑے گا۔ پھر خوف زندگی کو ہے یہ سُن کر میری طرف دیکھا اور وہاں سے اُٹھ کر بیچ ایک گوشۂ باغ کے جا کر اپنے تئیں ایک درخت سے لٹکایا، اور جان بحق تسلیم ہوا۔ میں نے وقوع اس واقعہ جاں گداز سے نہایت تاسف کیا اور چاہا کہ بیچ خاک کے دفن کروں دو کلید جوڑے میں سے نکلے۔ اُسے مدفون کر کے قفل اُن کلیدوں کا متلاشی ہوا جس وقت کہ حجرہ ہائے مقفل دریافت کر کے کھولے، دیکھتا کیا ہوں کہ تمام پُراز جواہر و زر ہیں اور ایک صندوقچہ مخملی طلائی مقفل ایک طاقچہ میں رکھا ہے۔ اس کے تئیں جو کھولا تو اسم اعظم اور ترکیب چلّا نشینی اور تسخیر[۵۰۳] جنات و ارواح و شمس وغیرہ پایا۔ بہ مجرد دیکھنے اس نعمت عظمٰی و دولت کبریٰ کے فرحت و نشاط تازہ و مسرت و انبساط بے اندازہ حاصل کر کے، یاد کرنا اُن اسموں کا شروع کیا اور دروازہ باغ کا کھول کر مردماں ہمراہی کو ساتھ لے کر جواہر و کتب و زر وغیرہ کشتیوں میں پُر کر کے از راہ دریا روانہ وطن کا ہوا بعد چندے گرد دار الخلافت عالیہ کے پہنچا۔ والد بزرگوار نہایت مشتاق اور بے قرار واسطے استقبال کے آیا۔ میں نے بعد از قدمبوسی کے عرض کیا ؎

حبّ الوطن از ملک سلیماں خوشتر
خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوش تر
یوسف کہ بہ مصر بادشاہی می کرد
می گفت گدا بودنِ کنعاں خوش تر

اس کمترین کے تئیں حکم ہو کہ بیچ اس باغ قدیم کے اقامت پذیر ہووے۔ فرمایا کہ اے نورچشم میں نے اُس مکان کے تئیں منحوس و نامبارک جان کر ویران مطلق کیا۔ بہتر یوں ہے کہ بیچ قلعہ مبارک کے ایک حویلی مقطع و مصفا و مکان بہجت افزا، طرب پیرا، رواں آسا پسند کر کے دادعیش وعشرت کی دے اور پائیں باغ واسطے فرحت طبع اور سیر کے مقرر کرمیں نے پُرَ بجِد ہو کر اسی باغ کے تئیں از سرنو رشکِ ارم کا کیا اور بہ خاطر جمع واسطے تسخیر جنوں کے بیچ اَربعین [۵۰۴] کے بیٹھا۔ بعد چہل روز کے ایک بڑی سی آندھی مع غرّش رعد و تپش برق کے نمودار ہوئی اور بادشاہ جنوں کا تخت پر آیا۔ میں نے بہ مجرّد دیکھنے کے سلام بہ آداب تمام ادا کیا۔ اُس پیر مرد نے کہا کہ اے جوان مطلب تیرا کیا ہے، میں نے عرض کیا کہ یہ کوچہ گرد صحرائے جنوں کا اوپر دختر روشن اختر پاکیزہ گوہر تیری کے ایک مدت سے عاشق و فریفتہ و مشتاق وطاق اَبروئے حلاوت سے بے مذاق ہے اگر اس مہجور سراپا رنجور کے تئیں شب دیجور مہاجرت کی سے بہ صبح وصال اُس صاحب حسن و جمال کے رہنمائے گم گشتگان بادیہ ضلالت و گمراہی کا ہو کر خضر وار چشمۂ جمال اُس نونہال باغیچہ دلبری و دلداری کے سے اس تشنۂ دیدار کو سیراب کرے تو بعید از عنایات، بے غایات و توجہات بلانہایات نہ ہوگا۔ تب اُس بزرگ دانش سُترگ [۵۰۵] نے کہا کہ آدمی زاد کو ساتھ آتشیں نہاد کے نسبت اور موافقت کیوں کر ہو۔ میں نے بعد از عہد و پیمان واثق [۵۰۶] کے کہا کہ سوائے دیکھنے دیدار فایض الانوار اس سرو جوئبار محبوبی کے اور کچھ سروکار نہیں۔ اُن نے کہا کہ اوپر اس بات کے کہ الکَرِیمُ اِذَا وَعَدَ وَفٰی ہرگز راسخ دم و ثابت قدم نہیں رہنے کا کہ آدم زاد کو وفائے عہد نہیں۔ اور بے وفائی تخمر [۵۰۷] خمیر اس کے کی ہے لیکن میں تجھ سے از راہ خیر خواہی کے کہتا ہوں کہ اگر قصد مباشرت کا کرے گا تو باعث ہلاکت اُس کی کا اور موجب مزید محنت و مشقت تیری کا ہوگا۔

من انچہ شرط بلاغ است با تومی گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

میں نے کہا کہ ایک نظر مجھ دیدار فرحت آثار اس کے سے نور افزا دیدۂ رسیدہ کا کر۔ رنج و راحت:

ع ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

ناگاہ وہ نازنین بانہایت زیب وتزئین دروازے سے در آئی۔

فرد

کماں ابرو میرے گھر کیوں نہ آوے
کہ جس کے واسطے کھینچے ہیں چلّے

اور میں نے مانند جان کے بغل میں لیا اور وہ نازنین وفائے عہد اور پرہیزگاری میری سے نہایت تعجب کرتی تھی اور بایک دیگر بیچ اُس باغ کے بخوبی شب و روز بسر لے جاتے تھے۔ اس آرام جان نے طرف میرے دلسوزی اور یگانگت سے کہا کہ کتاب اپنی سے خبردار رہ کہ جنتان بے ایمان لے جائیں گے۔ چنانچہ ایک رات، بیچ حالت مستی کے شیطان غالب ہوا اور میں نے چاہا کہ ہاتھ بیچ گردن اُس کی ڈال کر کام دل حاصل کروں۔ اتنے میں ایک شخص نے کہا کہ کتاب مجھ کو دے، اپنے پاس رکھنی خوب نہیں۔ میں کہ مست خواب غفلت اور عشق اُس کے کا تھا، بے تحقیقات اور شناسائی کے اوراد اور دعوات بغل سے نکال کر حوالہ اُس کے کیا۔ اُس نازنین نے کہا کہ اے ظالم پند مرا فراموش کردی، کار از دست برفت اور بے خود ہو کے پڑی۔ میں نے جو پسِ پشت نگاہ کی تو ایک عفریت بچہ نظر آیا۔ میں نے اوپر اُس کے حملہ کر کے، جوں ہی چاہا کہ بیچ قابو کے لا کر خوب ہی ضَرب شلاق کروں کہ ایک اور ہی شخص کتاب ہاتھ اُس کے سے لے گیا۔ پس چند افسوں کہ یاد رکھتا تھا، پڑھ کے اُس عفریت [۵۰۸] بچہ کو بہ صورت گاؤ کیا۔ بعد ازاں جو اوپر بالیں اُس نازنین خجستہ آئین کے گیا، مدہوش اور خاموش پایا۔ عیش میرا ساتھ طیش کے مبدّل ہوا اور اُس وقت سے ترک اختلاط کا کر کے اس کنج باغ میں اوقات حیات اپنی کے بسر لے جاتا

ہوں اور یہ تیاری نہال زمرد واسطے اِشتغال طبیعت اور رفع سودا کے ہے اور بعد ہر ماہ کے بیچ اس صحرا کے جانا اور مرتبان کا توڑنا اور غلام کا مارنا واسطے کام اس کے ہے کہ خلق اللہ کا دل اوپر احوال میرے کے جلے اور کوئی بندۂ خدا بیچ حق میرے کے دعا کرے کہ بہ مقصد و مراد اپنی پہنچوں۔ احوال میرا یہ ہے کہ گزارش کیا۔ میں نے کہا کہ اے سرگروہِ قافلۂ عاشقاں ،قسم ہے ربّ العزت کی کہ جب تک تجھ کو کامراں نہ دیکھوں، تلاش مطلب اپنے سے دست بردار رہوں اور میں نے رخصت ہو کر سر بیچ بیابان کے رکھا۔ تا مدت پنج سال در شہر ہا و بیابان ہا ہرزہ گرد و صحرانورد رہا۔ لاچار عاجز ہو کر اوپر ایک کوہ کے پہونچا اور چاہا کہ اپنے تئیں پہاڑ سے ایسا ہی ڈالوں کہ استخواں سے نشان نہ رہے کہ ایک متبرک ذات خضر صفات دو چار میرے ہوا اور بہ طریق اُس رفیق کے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ مقصد اپنے کو پہونچے گا خاطر جمع رکھ۔ اس عرصہ میں ملاقات تمھاری میسّر آئی۔ اب امیدوار فضل الٰہی کا ہوں کہ بہ برکت قدُوم تمھارے، مطلب میرا حاصل ہو۔



قصّہ درویش سوم

تب درویش سویم نے طوطی زبان کے تئیں اوپر سرگزشت اپنی کے یوں مترنم کیا کہ ؎

اے دوستاں ز حالِ منِ زار بشنوید
از داستانِ ایں دل افگار بشنوید
ہرچند نیست منزلت و قدر بندہ را
آیا کشیدہ ام ز بس آزار بشنوید

یہ بندہ بادشاہزادہ مُلک عجم کا ہے اور وہ شہر یار عالی تبار، گردوں وقار سوائے میرے اور فرزند ہیچ مشکوے خلافت کے نہ رکھتا تھا۔ ازاں جا کہ تقاضا ایام شباب اور جاہلیت کا ہے، ہیچ سیر و تماشا و شکار بسیار اور لہو و لعب بے شمار کے لیل و نہار سرشار رہتا تھا اور داد عیش و نشاط و مسرت و انبساط کی بایاران ہمراز و مصاحبان دمساز دیتا تھا۔ ایک روز باچندے از دوستان صادق و مُحبّان موافق مانند گل ہائے بوستان رونق افزا صحرا کا ہوا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ساقی سحاب کے نے با آئین ہمت بندوں کے لطف بسیار اوپر حال سبز بختان روزگار کے

مبذول کر رکھا ہے اور صحن صحرا از بس نسرین و نسترن سے رشک افزائے ماہ و پروین کا ہو رہا ہے۔ اتفاقاً بیچ اس بہار کے ایک آہوئے مشکیں مو سراسر سحر و جادو۔

فرد

غزالے در ریاضِ جاں چریدہ
ز شوخی بر رخِ صحرا رمیدہ

سامنے سے نظر آیا۔ قلادہ [509] مرصع در گردن و جلاجل [510] طلا در دست و جُل [511] زربفت بر پشت، برخلاف وحشیان دشت کے باکمال اطمینان بیچ میدان خالی از انسان کے کھڑا ہے، میرے تئیں ہوس زندہ دستگیر کرنے اُس کے کی دامن گیرِ خاطر کے ہوئی اور رفقائے ہمراہی سے کہا۔

فرد

اس ہرن نے جو مَن ہرا میرا
دل کے رمنے کا یہ شکاری ہے

بے مدد و اعانت تمھاری زندہ دستگیر کیا چاہتا ہوں کوئی اور تعاقب اور ہمراہی نہ کرے، خبر شرط ہے اور گھوڑا برق آہنگ سبک خیز، طرف اس کے چلایا اور وہ روبرو سے ہَوا ہُوا۔ چنانچہ یہ یکہ تاز [512] عرصہ روئے زمین کا بیچ دستگیر کرنے اُس ہوائے مجسّم کے بال سعی کے باد صرصر سے دام لیتا تھا، لیکن کچھ پیش رفت نہ تھا۔ آخرش یہ شہسوار اور وہ مرکب راہوار عرق عرق اور تربتر تمام روز خراب ہو کر از راہ طیش و جنوں کے ترکش سے تیر اور قربان [513] سے کمان لے کر اور ساتھ زہ [514] کے ملاقات دے کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے ایک تیر مارا کہ ران آہو میں ہم تراز و ہوا۔ وہ لنگ، لنگاں اوپر دامن پہاڑ کے چلا اور اس فقیر مضطر نے گھوڑا چھوڑ کر پیادہ پا تعاقب کیا اور مانند موسیٰ کے اس کوہِ طور نورِ اعلیٰ نور پر امیدوار دید ارشاہد مراد کا ہوا۔ بالائے کوہ کے ایک چشمہ اور چند اشجار اور ایک گنبد دوار نظر آیا۔ میں

مانند سکندر کے اُس چشمۂ آب حیات پر پہنچ کر بیچ وضو کرنے کے مشغول ہوا۔ یکا یک صدا نوحہ کی گنبد سے گوش زَد ہوئی کہ اے نور دیدۂ من واے جگر گوشۂ من جس نے تجھ سے یہ سلوک کیا ہے، الٰہی بردرمن نشیند واز رفقا بہرہ نہ بیند۔ بہ مجرد سُننے اس آواز کے قصد اُطرف گنبد کے رُخ توجہ کا فرمایا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک مردمحاسن سفید ملتبس بہ لباس سیاہ اوپر مسند کے بیٹھا ہے اور تیر کوران آہو سے نکالتا ہے۔ میں نے روبرو جا کے ادب سے سلام کیا اور اُن نے جواب سلام دیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت سلامت یہ تقصیر اس گنہگار سے صادر ہوئی، اب امیدوار ترحم عالی کا ہے کہ معاف ہووے۔ فرمایا کہ بابا خدا بخشے۔ میں نے متفق ہو کر تیر ران آہو سے نکال کر مرہم اوپر زخم کے لگایا۔ بارے اُس بزرگ ذات خضر صفات نے واسطے میرے بہ شفقت تمام ماحضر حاضر کیا۔ پس میں بعد فراغ طعام کے اوپر پلنگ کے واسطے استراحت کے متوجہ ہوا۔ بہ سبب ماندگی اور کسل اعضا کے سے فی الفور کمیں داران خواب اوپر قافلہ بیداری کے تاخت لا کر کلّی متاع گراں بہائے ہوشیاری کی لوٹ لے گئے۔ بعد ایک لحہ کے آواز گریہ وزاری کی بیچ گوش ہوش میرے کے مستمع ہوئی، آنکھ کھول کر دیکھتا کیا ہوں کہ تنِ تنہا پلنگ پر لیٹا ہوں اور صاحب خانہ سے مکان خالی ہے۔ پس جو آگے صُفّہ [۵۱۵] کے ایک پردہ پڑا تھا اُس کے تئیں اُٹھا کر ملاحظہ کیا کہ ایک تخت مرصع بچھا ہے اور اوپر اُس کے ایک نازنین چہاردہ سالہ باروئے چوں آفتاب وگیسوئے چوں مشک ناب باغمزۂ دل آویز وتبسم شکر ریز بہ لباس فرنگ، نہایت شوخ و شنگ بہ ادائے معشوقانہ ونگاہ جادوانہ بیٹھی ہے ؎

اس زلف جاں گزا کو، صنم کے، بلا کہوں
افعی کہوں، سیاہ کہوں، اژدہا کہوں
قاتل نگہ کو پوچھتے کیا ہو کہ کیا کہوں
خنجر کہوں کٹار کہوں نیمچا کہوں

اور وہ پیر مرد سر اپنا نیچے پاؤں اس کے ڈال کر زار زار مانند ابر بہار کے روتا ہے اور کہتا ہے:

بیت

بعد ازیں در عوضِ اشک دل آید بیروں
آب چوں کم شود از چشمہ گل آید بیروں

اور گلشنِ نونہال جمال اس کے سے گُل کامیابی چنتا ہے۔

ابیات

قامت ایسا کہ بہ ہنگام خرام اس کے اگر
آگے آجاوے قیامت تو یہ بولے کہ سرک
دست وہ تیز کہ عالم میں نہیں جس کی پناہ
چشم وہ ترک کہ ہو قوم جنھوں کا ازبک

یہ عاصی بہ مجرد دیکھنے صورت حال اس حسن جمال کے تاب سے بے تاب ہوا اور مانند قلب بے جان کے بے ہوش و بدحواس ہو کر گر پڑا۔ پیر مرد نے دریافت کرنے اس احوال کے سے اٹھ کر شیشہ گلاب کا لا کر اوپر میرے چھڑکا میں کہ بیچ عالمِ غش کے مانند صورت تصویر آپ سے غافل ہو کر بے حس و حرکت پڑا تھا، ہوشیار ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا اور سلام کیا۔ اُس بے رحم سنگ دل کافر فرنگ نے جواب سلام کا نہ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ اے نازنین ماہ فلک چہارمی۔

فرد

حق نے خوباں میں جہاں کے تجھے ممتاز کیا
باچنیں شکل و صُور[۵۱۲] صاحبِ اعجاز کیا

لیکن جواب سلام کا از جملہ واجبات ہے جتنا کہ عجز و الحاح[۵۱۷] کیا مُطلق مُنھ سے نہ بولی، تب تو میں سبقت کر کے ہاتھ اوپر پاؤں اُس کے لے گیا اور کہا ؎

رنگ حناست بر کف پائے مبارکت
یا خون عاشقانست کہ پامال کردهٔ

اور موجب شعر مرزا رفیع السودا کے ؎

فندق[۵۱۸] پا لگی کہنے کہ نہ دیکھا ہوگا
سرو کے بیچ سے پھولا گل اورنگ ابتک

آخر الامر مَساس[۵۱۹] سے معلوم ہوا کہ آذر بت تراش نے پتھر سے تراشی ہے۔ تب تو میں نے اُس بت پرست عاشق سرشت سے پوچھا کہ دعا تیری تو اثر کر چکی، اب سچ کہہ کہ یہ کیا طلسم ہے اور باعث استقامت تیری کا اس مکان پر کیا سبب ہے مجھ کو اصل حال اس کے سے مطلع کر۔ تب اس عزیز مصر تمیز کے نے کہا ؎

اے جواں کارِ عشق بازی نیست
عشق بازی مکن کہ بازی نیست

حق تعالیٰ انسان ضعیف البنیان کو ہر آن میں طوفان ناپیدا کنار عشق بازی کے سے بر کنار رکھے تب میں نے کہا ؎

بے عشق، جو عالم میں، فراغت سے جیا ہے
اس دولت عظمیٰ سے وہ محروم رہا ہے

فرد

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

بہتر یہ ہے کہ بیچ اظہار کرنے، حقیقت اصل اس نقل کی، بالفعل تاخیر اور توقف نہ کر۔ ع

کہ آفت ہاست در تاخیر و طالب را زیاں دارد

واِلّا ہاتھ اس گم گشتۂ عقل و خرد کے سے جانبر نہ ہوگا۔ جب اُس عزیز نے میرے تئیں مَشغوف [۵۲۰] اور مستعد دیکھا بہ لاچارگی، بیچ گزارش احوال کثیر الاختلال اپنے کے نطق پرداز حکایت سراسر شکایت کا ہوا۔

حکایت

گزارش کرنا نعمان سیاح تاجر کا احوال پُرملال اپنے کے تئیں اور مذکور ملکۂ فرنگ کا

کہ یہ گنہگار شقاوت شعار، اُمیدوار شفاعت نبی المختار سوداگر ہے اور میرے تئیں نُعمان سیاح تاجر کہتے ہیں۔ بیچ اس عمر کے تجارت ہفت اقلیم و شناسائی ہر صاحب تاج و دیہیم اور ملاقات صاحبان ناز و نعیم کے بہم پہنچا کر ایک روز برسر حساب نصاب تجارت کے آیا اور رفقائے مجلس افروز و ندمائے دلسوز سے کہ شب و روز جلیس ہمدم و انیس محرم تھے کہا کہ یہ دولت کسب تجارت و پیشہ سوداگری کے سیر اقالیم و ملاقات بادشاہاں و مردم مشہورہ آفاق و فقرائے گوشہ نشین و خدا پرستان صحرا گزین، تمام عرصہ روئے زمین کی میسر آئی مگر آرزوئے تجارت ملک فرنگ و ملازمت آں صاحب افسر و اورنگ ناخن زن جگر کی ہے۔ بارے بہ اتفاق یاران موافق و دوستان صادق باتحفہ ہائے ہر دیار چار و ناچار با قافلۂ تُجّار سیاحت شعار روانہ ہوا۔ بعد انقضائے مدت مدید ہر روز راہ نو و ہر شب جائے نو منزل در منزل مَراحل در مراحل قطع مسافت کر کے، بیچ اُس شہر مینو سَیر کے پہنچا اور رخت اقامت کا ڈالا۔

چنانچہ پہنچنا سوداگران متمول و مالدار با تحفہ ہائے ہر شہر و دیار کا شہرۂ آفاق ہوا۔ صبح کے وقت کہ نیر جہاں تاب رونق افزا گیتی کا ہوا۔ ایک خواجہ سرا باچندے خدمت گاران داخل کارواں سرا کا ہو کر مردمان قافلہ سے پوچھا کہ سردار اس گروہ صاحب شکوہ کا کون ہے۔ یاروں نے طرف میرے رہنمائی کی۔ وہ شخص اس طرف کو متوجہ ہوا۔ میں نے تعظیم تمام سے پیش آکر صدر مجلس بٹھایا اور پوچھا کہ باعث تشریف آوری سے اطلاع کیجیے۔ اُس ایلچی بادشاہِ کشور حسن و خوبی کے نے کہا کہ ملکہ ملک سیرت نے فرمایا ہے کہ مال تجارت سے جس قدر اسباب نفیسہ اور اجناس لطیفہ کو لایق بادشاہ کے لائے ہو در حضور وافی السرور خاتون جہاں و بلقیس دَوراں کے حاضر کرو۔ میں نے عذر ماندگی اور کسل مزاج کا درپیش لا کے وعدہ صبح کا کیا۔ جس وقت کہ لیلیٰ شب کی نے پردۂ ظلمت کا چہرہ نورانی پر فروہشتہ [۵۲۱] کیا۔ میں نے سب رفقائے ہمراہی کو جمع کر کے اور تحفہ جات عجائبات ہر ایک سے لے کر یک جا کیے اور بہ مجرد نکلنے مجنوں جہاں گرد آفتاب کے یہ بے خبر از شعبدہ بازیِ فلک کج رفتار روانہ دولت سرائے ملکۂ فرنگ کا ہوا اور خبر حاضر ہونے فقیر کی معرفت باری داران حضور کے بہ مَسامع مَجَامع [۵۲۲] عالیہ متعالیہ کے پہنچی، میرے تئیں اندرون حَرم محترم کے طلب کیا۔ دیکھنے میں معشوقہ جادو ادا اور محبوبانِ حور لقا اس کے سے ایک شوق اور ولولہ میرے دل پر پیدا ہوا اور جس وقت کہ نگاہ میری اُس اورنگ [۵۲۳] پیرائے سلطنت عزّ و ناز پر پڑی، بہ مجرد دیکھنے کے متاعِ گراں بہا، حواس کی غارت گئی۔ بہ مضمون اس شعر کے ؎

کرتی ہیں ہر نگہ میں وار انکھیاں
گڑتی ہیں دل پہ جوں کٹار انکھیاں
ہر نگہ میں ادا و غمزہ ستی
کرتی ہیں کام کئی ہزار انکھیاں

اور ملاحظہ ٹھُوک و شان پری رویانِ فرنگستان کے سے کہ صف بہ صف دست بستہ ہر آن میں غارت گر دین و ایمان، انسان ضعیف البنیان کے تھیں، یہ کمترین فدویان و کمینہ

غلامان مانند قالب بے جان کے بے تاب وتواں ہوا، اور درحضوروافی السرور کے بہ آئین بندہ ہائے جاں نثار وفدویان خاکسار، سراسر اضطرار، تسلیمات بجالا کے عرض کیا۔

بیت

تو ہے رشکِ ماہ کنعانی ہنوز
تجھ کو ہے خوباں میں سلطانی ہنوز

اور جو کچھ کہ تحفہ ہائے ہر دیار ولایق شہریار چہ اُقمشہ [۵۲۴] وچہ جواہر آبدار ولولوے شاہوار رکھتا تھا، نظر سے گزرانے، چنانچہ وہ ملکۂ فرنگ غارت گر ناموس وننگ، دیکھنے اسباب رنگ برنگ کے سے، نہایت دنگ ہوئی اور اکثر اشیا پسند کر کے، بیچ تحویل خانساماں سرکار کے سپرد کی اور فرمایا کہ قیمت اس اشیائے نوخرید کی، کہ از راہ خریداری کمال کے لی ہے، صبح مرحمت ہوگی۔ میں نے آداب بجالا کر قبول کیا اور ہزار ہزار سجدات شکر وسپاس، بہ جناب واہب العطایات بجالایا کہ بارے اس بہانے پھر کل کے روز اور اس مجلس نشاط اندوز ومحفل بہجت افروز میں باریاب ہونے کا اتفاق ہوگا۔ چنانچہ باہر آتے ہی میری آنکھوں میں جہاں تاریک تھا اور مانند مجذوبوں کے کہتا کچھ اور نکلتا کچھ تھا۔ القصہ اس مکان فردوس گاہ میں سے آکر رفقائے ہمراہی سے کہا:

مسدّس

دوستاں شرح پریشانی من گوش کنید
قصۂ بے سروسامانی من گوش کنید
داستانِ غم پنہانی من گوش کنید
باعثِ حیرت وحیرانی من گوش کنید
شرح ایں آتش جاں سوز نہفتن تاکے
سوختم سوختم ایں راز نہفتن تاکے

اکثر دوستان دمساز و رفیقان ہمراز دریافت اس سوز و گداز کے سے رہنموں احتراز عشق خانہ برانداز سے ہوئے۔ میں نے بہ ہزار رنج و محنت صعوبت و گربت روز و شب از راہ تعب کاٹ کے جس وقت کہ تُرک خورشید کے نے خلوت خانہ مشرق کے سے برآمد ہو کر قصد ترک تازی کا کیا، اپنے تیئں اوپر دولت سرائے سرخیل خوباں جادو نگاہ کے پہنچایا اور معرفت خواجہ سرایان خاص محل کے باریاب بستاں سرائے ملکہ کا ہوا اور بدستور دیروز [۵۲۵] کے سب پری زادوں کے تیئں ہنگامہ آرائے مجلس انجم تزئین کا پایا۔ ملکہ کو دیکھا کہ اوپر تخت مرصع کے جلوہ افروز ہے۔ میرے تیئں دیکھ کر اور معاملات دنیوی سے جلد فراغت کر کے ہر ایک کو رخصت کیا اور آپ خلوت خانے میں تشریف لے جا کے میرے تیئں یاد فرمایا اور حکم بیٹھنے کا کیا۔ یہ پروانہ بجاں تصدق اُس شمع شبستاں کا ہو کر تسلیمات اور کورنشات بجالا کر بیٹھ گیا۔ از راہ مہربانی بسیار و الطاف بے شمار کے ارشاد فرمایا کہ تجارت ملک فرنگ سے کس قدر منافع منظور ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قدمبوسی حضرت خداوند زمانی کا باعث افتخار کونین و سرمایہ سعادت دارین کا جانتا ہے اور جو کچھ کہ قسمت میں ہے اَلنَّصِیبُ وَ النَّصیف۔ فرمایا کہ اسی قدر انعام از راہ توجہات تمام عوض ایک کام کے مرحمت ہوگا، اگر تجھ سے ہو سکے۔ میں نے عرض کیا:

بیت

میں بھی جی سے کر چکا ہوں، مال و جاں دونوں نثار
اس جہاں میں آن کر مرنا ہے آخر ایک بار

اگر مال و جان، اس کمترین غلامانِ سرکار کام آوے، سعادت ابدی و دولت سرمدی حاصل اس کمینہ خاکسار و ذرہ بے مقدار کی ہوگی۔ القصہ قلمدان طلب کر کے ایک رقعہ لکھا اور ڈلمیان [۵۲۶] زرّیں میں ڈال کر ایک رومال سے لپیٹ کر میرے ہاتھ میں دیا اور کہا:

دوہا

روروپتیاں میں لکھی، جی کاگد لپٹائے
ہے کاسد (قاصد) ایسا کوئی پیتم کو یہ لے جائے

اور ایک مضمون عرض کرتی ہوں:

ابیات

اُس بے وفا کو شکوۂ جَور و جفا لکھوں
یا اُس دلِ خراب کا میں مُدعا لکھوں
یا چشمِ اشکبار سے دریا بہا لکھوں
یا جل گئے جگر ستی شعلہ اٹھا لکھوں
قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

ایک انگشتری الماس کی کہ زیب انگشت کی تھی، واسطے پتے کے دی اور کہا کہ ایک باغ عالی شان بلند مکان کہ بنام جہاں آرا موسوم ہے، تو طرف اُس باغ کے جا۔ ایک جوان خوش عنوان، کیخسرو نامی، داروغہ باغ کا ہے، اس کو یہ انگشتری دیجو اور ہماری طرف سے دعا کہہ کر جواب رقعہ کا حاضر کیجو۔ اور کھانا وہاں کھائیو تو پانی یہاں پیجو۔ انشاء اللہ تعالیٰ مورد عنایات بے غایات و تلطفات بلا نہایات کا ہوگا۔ میں حضور سے رخصت ہو کر روانہ ہوا۔ قریب دو فرسخ کے ایک مکان مینو نشان تھا، گرد و نواح، اُس باغ کے پہنچا کہ ایک مرد مسلح و مستعد میرے تیئں پکڑ کے حضور کیخسرو کے لے گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ جوان شیر صولت بزبر[527] تواں ایک کرسی مرصع کے اوپر زرہ داؤدی در بر و خود آہنی بر سر، بانہایت کر و فر بیٹھا ہے اور قریب ایک ہزار جوان یل[528] و پہلوان با سپر و شمشیر و ترکش و کمان رو برو دست بستہ کھڑے ہیں۔ میں نے بہ مجرد دیکھنے صورت حال اُس کی کے یہ دو شعر پڑھے

ہر گھڑی برہم نہ کر، ناحق دماغ اپنے کے تیں
باغباں جاتے ہیں ہم، رکھ چھوڑ باغ اپنے کے تیں
شانِ خورشید قیامت دیکھیو اُٹھ جائے گی
حشر میں جب ہم دکھا بیٹھیں گے، داغ اپنے کے تیں

تب اُس نے ازراہ تبختر [۵۲۹] کے میرے تئیں نزدیک اپنے طلب کیا اور میں نے زبان بیچ مدح و ثنا اُس رشکِ تہمتن و اسفندیار کے کھولی اور عرض کیا ؎

تمھارے دیکھنے کے واسطے، آئے ہیں شدت سے
نہ ملنا اس قدر، جائز نہیں، اہلِ مروت سے
غریبی، عاجزی، بے چارگی سے عرض کرتے ہیں
اکڑنا اس سے برجا [۵۳۱] ہے جو کہتا ہووے قوت سے

اور وہ انگوٹھی دکھا کر اظہار رقعہ ملکہ کا کیا۔ اُن نے انگشت تحیّر کی دندان تحسر [۵۳۲] کے سے کاٹ کر کہا کہ اے اجل گرفتہ سخت جرأت کر دی، اندرون باغ کے جا، نیچے درخت تاڑوں کے ایک جوان قفس فولادی میں بیٹھا ہے، رقعہ جلد دے کے اور جواب حاصل کر کے شتاب آنا۔ میں نے قدم اندرون باغ رکھا، تو باغ بوستاں لایق دوستاں، با درخت ہائے آبدار و فوارہ ہائے بے شمار، و آب جو ہائے رواں، چہچہۂ مرغاں و قہقہۂ کبکاں [۵۳۳] رشکِ رضواں و محسود فردوس جناں تھا۔ نیچے ایک درخت کے ایک جواں بخت بیچ قید سخت کے پنجرۂ فولادی میں بیٹھا ہے، میں نے سلام با آداب تمام بہ آئین اہل اسلام بجا لا کے رقعہ سر بمہر مع خریطہ [۵۳۴] زربفت روزن قفس کے سے گزرانا۔ اس جوان نے وہ رقعہ پڑھا، بہ ایں مضمون:

مسدس

سلامت می رساند ناتوانے
غریبے مبتلائے، خستہ جانے

کہ اے یار عزیز مہربانم
تمنائے دل و آرام جانم
مرا خود دل ز ہجرت غرق خون است
نمی دانم ترا احوال چون است

رباعی

اس درد سے دل کے نہیں کوئی آگاہ
مرتی ہوں خبر لے مری اے نورِ نگاہ
بے رحم سستی جا کے کہو اے قاصد
دن رات گزرتے ہیں کہ اللہ اللہ

در جواب اُس کے جوان نے کہا کہ اسباب لکھنے کا موجود و مہیا نہیں۔ میری طرف سے زبانی یہ شعر پڑھ دیجیو۔

رباعی مستزاد

آئینہ بروئے دِلکشائے تو رَسد اے نورِ نگاہ
ہم شانہ بہ زلفِ مشک سائے تو رسد ماراچہ گناہ
ما خاک شویم و سرمہ منظور اُفتد داغیم ز رشک
دل خوں شدہ و حنا بہ پائے تو رسد سبحان اللہ

قطعہ

دل ہے تیرے پیار کرنے کو
جی ہے تجھ پہ نثار کرنے کو
اک لہر لطف کی ہمیں بس ہے
غم کے دریا سے پار کرنے کو

تاہنوز اُس رموز داں سرایر [۵۳۵] عشق کے نے کلام موالات التیام [۵۳۶] سے فراغت نہ پائی تھی کہ یکا یک، فوج زنگیان زشت روستیزہ خود وحشیان درشت گو آزرم جو، ہر چہار طرف سے آٹوٹے اور میرے تئیں زخم ہائے کاری سے رشک تختۂ ارغوان کا کیا۔ پھر اس عاجز کو خبر تن بدن اپنے کی نہ رہی۔ جس وقت کہ دریائے بیہوشی کے سے اوپر ساحل افاقت کے آیا، دیکھتا کیا ہوں کہ دو پیادے سرہنگ [۵۳۷] زادے میرے تئیں اوپر چار پائی کے ڈال کر لے جاتے ہیں اور آپس میں ساتھ اس کلام کے متکلم ہیں۔ ایک نے کہا کہ اس لوتھ بے جان کو صحرائے پُروحوش [۵۳۸] واشباح [۵۳۹] میں ڈال چلو کہ غذا کتّوں اور کوّوں کی ہو۔ دوسرا بولا کہ اگر ملکہ تحقیقات کرے اور اس احوال پر اطلاع پاوے، تو مقرر ہے کہ جیتا گڑوا دے گی۔ پس تجھ کو زندگی اپنی عزیز نہیں کہ اس طرح بے تمیزی سے بات کرتا ہے۔ تب میں نے یاجوج و ماجوج سے از راہ عجز و اِلحاح کے کہا کہ یارو میں زندہ ہوں اور یہ کیا ماجرا گزرا، اگر میرے تئیں راز سے مطلع کرو گے، تو بعید مروت و جوانمردی سے نہ ہوگا۔ تب اُن عزیزوں نے حقیقت احوال اس واردات کے تئیں، اس طرح سے اوپر لوح بیان کے نگارش کیا کہ یہ جوان قفس فولادی میں برادر زادہ بادشاہ کا ہے۔ وقتِ رحلت کے باپ اس کے نے کہ صاحب تاج وتخت کا تھا برادر اپنے کو ولی عہد کر کے وصیت کی کہ فرزند عزیز بہ موجب خورد سالگی کے بیہوش و صغیر ہے۔ لازم کہ تعہد خلافت و فرمانروائی و قواعد سلطنت و کشور کشائی کا از راہ دولت خواہی و کار آگاہی بہ فضل الٰہی بوجہ احسن سرانجام دیجیو اور جس وقت کہ لعلِ شب چراغ کان [۵۴۰] ابہت [۵۴۱] و شہریاری کا حد بلوغ کو پہنچے تو ساتھ دختر خجستہ، سیر اپنی کے نکاح کر کے اوپر تخت سلطنت مختار اور شہریار کیجیو۔ پس بعد واقعۂ جاں کاہ فردوس آرام گاہ حضرت ظل اللہ کے برادر کو چک والی افسر و اورنگ خلافت کا ہوا۔ بیچ امانت کے خیانت اور عہد سے بدعہد ہو کر، شاہزادہ کو ساتھ دیوانگی کے نسبت دے کر، بیچ پنجرۂ فولادی کے محبوس اور اِرث [۵۴۲] سے مایوس کر چوکی مستحکم اوپر دروازۂ باغ کے تعین کی، بلکہ اکثر دفعہ زہر ہلاہل سے مسموم کیا، جو زندگی باقی تھی کارگر نہ ہوا اور دونوں عم زادے، آپس میں منسوب بلکہ

عاشق و معشوق ہیں۔ ملکہ نے تیرے تئیں مع رقعہ اشتیاق کے ارسال کیا تھا۔ از روئے مخبران صادق یہ خبر حضور میں پہنچی، تب دستۂ حبشیان نے تیرے تئیں خلف تیغ آبدار کا کیا اور بادشاہ نے ساتھ وزیر، خیانت تدبیر کے صلاح یوں کی ہے کہ ملکہ کو راضی اوپر قتل، اُس بے گناہ کے کیا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں پیادے اور یہ زخمی واسطے تماشے کو، بیچ اُس حشر گاہ کے حاضر ہوئے۔

میں نے دیکھا کہ بادشاہ اوپر تخت کے بیٹھا ہے۔ پنجرہ جوان کا لا کر حاضر کیا اور بادشاہزادی شمشیر برہنہ لیے، واسطے قتل اُوس سرگشتہ کے آئی اور اُس فرہاد ناشاد خانہ برباد کو پنجرے سے باہر نکالا اور وہ شیریں شمشیر آہیختہ [۵۴۳] کیے مانند جلاد کے پر متصل پہنچی۔ چشم چار ہوتے ہی تلوار ہاتھ سے ڈال کر نہایت اشتیاق اور تپاک سے گلے لپٹ گئی اور کہا:

ابیات

عشق میں کیا آرزو، حسرت کی بر آئی ہے آج
دیکھ اپنے سرو قد کو جی نثار اپنا کیا
دل ہمارے نے سجن تجھ صاحب شوکت سے مل
عشق میں پیدا بہت سا اعتبار اپنا کیا

یہی آرزو کمال اس پراگندہ احوال کی تھی کہ ایک مرتبہ بہ حین حیات، آب زُلالِ وصال تیرے کے سے سیراب ہوں۔ معائنہ اس واردات حیرت سمات [۵۴۴] کے سے بادشاہ سخت جوش پر آیا اور وزیر کو فرمایا کہ تو بھی چاہتا تھا کہ میں یہ صورت بہ چشم خود دیکھوں۔ البتہ خواجہ سَرایوں نے ملکہ کو حضور سے دور کیا اور وزیر بے تدبیر ناواقف از کار تقدیر وہ شمشیر لے کر واسطے قتل، اُس خسرو ملک غم کے آیا اور چاہا کہ ایک ضربت میں کام آخر کرے کہ ناگاہ ہاتھ تیرانداز قضا کے سے ایک تیر چھاتی وزیر کے سے صاف گزر گیا اور وہ مانند قالب بے جاں کے زمین پر گرا۔ بادشاہ نے دیکھنے اس احوال کے سے خلوت خانہ کی راہ لی اور جوان کے

تئیں، قفس میں کر کے باغ میں لے گئے۔ میرے تئیں کہ ملکہ نے بہ ایں حالت زخمی اور مجروح دیکھا۔ جراح فرنگی طلب کر کے بہ تقید تمام فرمایا کہ اس زخمی جان بلب کو بہ قدغن بلیغ جتنا کہ جلد غسل صحت کا نہلا وے گا، مورد عنایات بے غایات اور مصدر انعام و جاگیر کا ہوگا۔ القصہ بہ فضل الٰہی و توجہ نا متناہی، سلطنت پناہی و ابہت دست گاہی چشم و چراغ دودمانِ بادشاہی کے سے، بیچ عرصۂ چہل روز کے غسل شفا اور صحت کامل اس ناقص کو حاصل ہوئی ملکہ آفتاب طلعت نیکو خصلت مہر سپہر عظمت و کرامت، اختر برج مروّت و لطافت کے نے بہ ایفائے زر موعودہ عطا کر کے رخصت فرمایا۔ پس اس بندہ نے ہمراہ رفقائے ہمدم و محبان ہم قدم کے رہ نورد بادیہ تردّد کا ہو کر ہر ایک کو مرخّص بہ وطن مالوفہ کیا اور آپ بیچ اس جائے رواں آسائے کوہ فلک فرسائے کے رخت اقامت کا ڈالا، بقول اس کے

پھنس گئے آکر قفس میں چھوڑ بستان بہار
رہ گئی جی میں ہمارے سخت ارمان بہار

غلامانِ مُعتمد کو زر دے کے آزاد کیا اور کہا کہ لایق قوت لایموت کے قدرے خبر کرنی ضرور ہے بعد از اں مختار ہو، چنانچہ ایک ایک بہ موجب رُسوخ عقیدت کے خبر لیتا ہے اور میں گوشۂ فراغت میں بیچ بُت پرستی کے مشغول رہتا ہوں۔

القصہ یہ بندہ یعنی شہزادہ عجم بہ مُجرد سُننے اِس حِکایت پُر شکایت کے، عنانِ اختیار کی ہاتھ سے دے کر خرقہ گدائی کا اوپر قامت اپنی کے راست کر کے عازمِ شہر فرنگ کا درحالت عشق ملکہ کے ہوا۔ الغرض بعد چند مدت کے بصورت گدایان موئے سرتا گمر بیچ لاغری کے گوئے سبقت کی مجنوں سے لے جا کر داخل شہر مینو سواد خلافت العالیہ کے ہوا اور یہ شعر وردِ زبان کے تھا:

قطعہ

جدائی سرو قد تیری سے اے گل
مثال فاختہ کرتا ہوں کوکو

جو ہو دل تنگ تو پیجے پیالہ
کہ غم کے درد کی مستی ہے دارو

غزل

یار غافل ہے میرے درد سے ہوشیار کرو
بے خبر جان بچا، جا کے خبردار کرو
دردمندوں کے اگر دل سے ہوئے ہو محرم
رحم فرما کے مرے حال کو اظہار کرو
آ کے قسمت سے ترے غم میں گرفتار ہوا
ہے تو بُرجا کہ مسافر پہ ٹک یک پیار کرو
جن نے آ دست سوں اُمید کے دامن پکڑا
یوں نہیں شرط مروت کہ اُسے خوار کرو
قدر بوجھو دل خونخوارۂ عاشق کی اگر
سر چڑھا گُل کی طرح زینتِ دستار کرو
عرض احوال کیا چاہتا ہے فدوی یہ
وقت نوکر کی نوازش کا ہے دربار کرو

کوچہ گردی اختیار کرکے رات و دن گرد دولت سرائے ملکہ فرنگ کے پھرتا تھا کوئی طرح فتح الباب مقصد کی نظر نہ پڑتی تھی، ہمیشہ بدرگاہ چارہ ساز بیچارگان و دستگیر درماندگاں و مناجات نیم شبی و دعاہائے سحری اوقات بسر کرتا تھا۔

ابیات

نہیں سنتا کوئی احوال میرا
لبالب دل میں یہ حسرت بھری ہے

سنہ دل چھوڑا سنہ دیں تس پر تغافل
کسی نے بھی کسی سے یوں کری ہے

پھر اتفاقاً ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ مردُم بازار ہَراساں وگریزاں ہیں اور دوکاندار اپنی دوکان بند کرتے ہیں اور ایک جوان چوں شیرِ ژیاں [۵۴۵] مانندِ فیل دَماں ورَعدِ غرّاں جوشاں وخَروشاں شمشیرِ دودستی پھراتا ہوا مثالِ شراب خواراں سَرمست و زِرہ [۵۴۶] دَربَر وخود برسر و جوڑی طپنچہ کی در کمر مسلح ومکمل چلا آرہا ہے۔ میں اُس کا تخَالُف [۵۴۷] اطوار وتبَاعُد [۵۴۸] اُوضاع دیکھ دیکھ کر اپنے دل سے کہتا تھا۔

فرد

ہر گھڑی چھپ چھپ کے مت مار اُس کو اے دل مان حب
شوخ ہے ہندوستاں زا دیکھ لے تو جان جا

پیچھے اُس کے دو غلام، سیم اَندام، دل آرام، بہ لباس فرنگ بازینت تمام، ایک تابوت مزیّن از جواہر و یاقوت او پر سر کے لیے چلے آتے ہیں۔ میں نے دیکھنے اس مقدمہ ہوش ربا کے سے نہایت مُتعجب اور متحیر ہو کر تعاقب کیا۔ ہر چند اکثر مردم بہ ایما واشارت مانع اس جرأت بے جا کے ہوئے مطلع خاطر میں نہ لایا اور چلا۔ اُس نبرد آزمانے برائے العین مشاہدہ کر کے طرح دیا۔ جس وقت کہ وہ یکہ تاز میدان شجاعت کا داخل محل خاص کا ہوا، میں بھی جان سے گزر کے، ساتھ اُس کے شامل ہوا۔ تب تو اُس شیر نر نے غصہ ور ہو کر ایسا مجھ پر حملہ کیا کہ صرف ایک ضربت میں کام اِس ناکام کا انجام کو پہنچادے۔ میں نے قسم دے کے کہا کہ ایک ہی وار میں اس بیمار سراسر آزاد کا از وار ناپائیدار اور آلام نافرجام صبح وشام [۵۴۹] سے پیچھا چھڑا کر ایسی زندگانی سے مرگ بہتر ہے اور خون اپنا معاف کروں گا اور نہایت احسان مند اور مرہون منت رہوں گا۔ اس مرد دلاور و جوان زور آور نے دریافت کرنے احوال میرے کے سے، سحاب [۵۵۰] اپنے جنوں کا کہ پیچ تراکم [۵۵۱] کے تھا، منتشر کیا اور

مجھ کو اپنے اوپر گاڑھا جان کر بہ سلوک و آدمیت پیش آیا اور از راہ مہربانی بسیار و الطاف بے شمار پرسش احوال میرے کے کی۔ میں نے مفصل طومار عشق اُس آفت صبر و آرام کا نہایت درد و رقت سے پڑھا۔

غزل

یار کے رہنے کی منزل ہے سمجھ
بارگاہ حضرتِ دل ہے سمجھ
تڑپھڑاوے کیوں نہ قاتل دل مرا
کیا کرے ناچار بسمل ہے سمجھ
صبر کب تک درد میں آوے مجھے
ہے نہیں ایوب، یہ دل ہے سمجھ
عشق میں حسرتؔ کو ناصح کچھ نہ کہہ
اپنے فن میں خوب کامل ہے سمجھ

اُس عزیز نے دریافت کر کے کہا کہ الحمد للہ والمنت کہ یہ سرشتہ کام تیرے کا، ہاتھ میرے ہے، بذریعہ ایں خاکسار مطلب بزرگ اور مہم سترگ اپنے کو پہنچے گا اور گلدستہ مراد کا ہاتھ اپنے کے لاوے گا، خاطر جمع رکھ اور اندیشہ کو مزاج اپنے میں راہ نہ دے، پس پھر میری حجامت بنوا کر خلعت پاکیزہ عنایت کیا اور کہا کہ یہ تابوت اُسی شاہزادہ مرحوم و مغفور کا ہے اور میں کوکا[552] اس کا ہوں۔ وزیر کے تئیں تیر از راہ تدبیر میں نے مارا تھا کہ باعث نجات ،اس عالی درجات کا اُس وقت ہوا۔ آخر ندائے کُلُّ نَفسٍ ذَائِقَۃُ المَوتِ کی دے کے رخت ہستی کا طرف سرائے جاودانی کے کھینچا۔ میں ہر مہینہ میں ایک دفعہ، تابوت اُس کا لے کر نکلتا ہوں اور ماتم کرتا ہوں

کچھ نہ پوچھو سبب اس درد کا مجھ سے یارو
دیکھ کر حال مرا نالہ و فریاد کرو

دام میں مفت ہوا جاتا ہے یہ صید اسیر
ذبح کرنا ہے شتابی تو اے صیاد کرو

القصہ فضل الٰہی جو شامل حال میرے ہوا۔ بعد مدت بسیار کے خراب آباد مفلسی و پریشانی کے سے نکل کر اوپر ساحل جمعیت و کامرانی کے پہنچا اور امید قوی ہوئی۔ جس وقت کہ فرہاد دشت پیمائے روز کا بیچ کوہ مغرب کے گیا اور شیریں شب کی نے، زلف مُشک فام اوپر چہرۂ مشرق کے دراز کی، جوان مع تابوت تیار ہوا اور ایک غلام کے عوض میرے تئیں تابوت سر پر دے کر ہمراہ لیا اور فرمایا کہ بیچ سفارش، تیری کے ملکہ سے نہایت عجز و الحاح کروں گا، تو خاموش رہیو اور بیٹھا سُنیو۔ میں ارشاد اُس کے کو ہدایت جان کر، آداب بجالا کر روانہ ہوا۔ جوان رستم تو اں پائیں باغ بادشاہی میں پہنچا۔ وہاں جو دیکھا تو ایک اور ہی عالم نظر پڑا کہ درمیان چمن زار ارم نمودار کے چبوترہ ایک مرمر سفید تراز بیضۂ جانور سیمرغ مثمن [۵۵۳] اور صحن گلشن مستحکم ہے اور فرش چاندی و مسند زربفتی اور شامیانہ جھالر مروارید ریشم کی طنابوں اور نقرئی اِستادوں سے کھینچا ہے، تابوت اُس جا پر رکھ کے ہم دونوں شخصوں کو اشارت کی کہ پیچھے ایک درخت کے نشست کرو، بعد ایک لحہ کے روشنی مشعل کی نمودار ہوئی اور وہ ماہ شب چہاردہم با چندے کنیز، مثل انجم بادل پرغم و مزاج برہم برآمد ہو کر مسند پر آبیٹھی۔ کوکا از راہ ادب کے دست بستہ استادہ رہا۔ آخرش وہ بہ موجب ایمائے ملکہ کے آداب بجالا کے حاشیۂ بساط پر بیٹھا۔ بعد فراغ فاتحہ ختم کے بازار خوشامد کا گرم کیا اور پس از ذکر اذکار اور طرف کے عرض کیا کہ ملکۂ جہاں سلامت، بادشاہزادۂ عجم کا غائبانہ عاشق و دیوانہ ہو کر بہ استماع خوبی ہائے ذاتی و صفاتی شیفتہ حُسن و جمال لایزال صاحبہ غنج و دِلال [۵۵۴] بہ صورت گدایان بہ ہزار تباہی و جاں کاہی تخت سلطنت کو چھوڑ کر مانند ادہم [۵۵۵] کے جملہ عیش و لذات ترک کر کے بہ قول اس کے:

دوہا

سائیں تیرے کارن چھوڑا شہر بلکھ
سولہ سے سہیلیاں توڑے اٹھارہ لکھ

اور یہ بھی اُس کی شان میں ہے ؎

نہ کوئی ایوب سے صابر کا ہمدم پھر ہوا پیدا
نہ کوئی یعقوب سا مانند چشم تر ہوا پیدا
نہ کوئی اس عشق میں مجنوں سے زور آور ہوا پیدا
نہ کوئی اس سحر سے فرہاد کا ہمسر ہوا پیدا
مگر شہزادۂ ملک عجم از سر ہوا پیدا

وارد اس شہر کا ہوا ہے اور جو میں نے حملہ اُس کے مارنے کا کیا تو تلوار کی آنچ کے آگے ثابت پایا۔ یہ فدوی فریفتہ جوانمردی اور قصد عظیم اُس کے کا ہو کر عرض کرتا ہے کہ اگر ملکہ از راہ مسافر پروری و عاشق نوازی کے سرفراز و ممتاز باریابانِ بساط انجمن خاص کا اُسے فرمادے تو بعید اہلیت و مروت سے نہ ہوگا ؎

قدر گل بُلبُل بداند قدر جوہر جوہری

یہ بات سن کر نہایت متعجب ہوئی اور آرے [556] بلے کہا۔ تب اس مرد نیک ذات و پاک سرشت نے بہ اشارہ میرے تئیں بلایا۔ میں جو مشتاق دیدار ہو رہا تھا، بہ سرعت و عجلت تمام تر جا پہنچا۔ دیکھنے صورت و مشاہدۂ جمال اُس کے سے بے خود و مستغرق ورطہ تحیر کا تھا۔ آخرش مجلس برخاست ہوئی اور وہ مرد روانہ دولت خانہ کا ہوا۔ ڈیرے آکر مجھ سے فرمایا کہ میں نے سفارش اور حقیقت تمھاری بہ وجہ احسن عرض کی ہے۔ بہ ذوق تمام، ہر شب بلا ناغہ آن کر گلشن وصال کے سے گل کامیابی کے چُن اور داد کامرانی و عیش جاودانی کی دے۔

فرد

یار کا ملنا زندگانی ہے
زندگانی جاودانی ہے

بہ مجرد سننے اس کلام کے قدمبوس ہوا اور کوکا نے میرے تئیں گلے لگایا۔ جس وقت کہ آفتاب ہنگامہ آرا روزگار کا بیچ خلوت خانۂ مغرب کے گیا اور ماہتاب مجلس افروز شب کا نور افزائے ستارہ انجم کا ہوا۔ یہ مجنوں طالب وِصال لیلیٰ فرنگ کا روانہ پائیں باغ ملکہ کا ہوا۔ آخرش اُس مکان مینونشان پر پہنچ کے اوپر چبوترۂ خاص کے مسند پر جا بیٹھا اور وہ معشوقہ بہ قصد ملاقات میری کے عُہدہ داروں کو بشارت فراغت کی دے کے ساتھ ایک کنیز محرم راز کے برآمد ہوئی اور مسند پر تشریف لائی۔ میں نے نہایت تعشق اور ولولہ سے قدمبوس کیا اور اُن نے میرے تئیں از راہ محبت کے کہ ''دل ہارا بہ دلہارا راہ باشد'' فرمایا کہ اے نادان وقت ہاتھ سے جاتا ہے جلد روانہ ہو۔ میں نے باغ سے نکل کر مارے خوشی کے راہ گم کی۔ بلکہ اپنے تئیں آپ میں نہ پاتا تھا۔ نازنین آشفتہ اور غصہ ہوتی تھی کہ شتاب مکان سکونت کے میں پہنچ کر، میرے تئیں مخمصہ سے رہائی دے کہ تاب و طاقت پیادہ پائی کی نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حویلی غلام میرے کی متصل ہے، خاطر جمع رکھ۔ چنانچہ ایک قفل کسی کا توڑ کر داخل اُس حویلی کا ہوا۔ خالی گھر میں جو تلاش کیا تو مطبخ میں نان و کباب اور طاقچۂ ایوان پر شیشہ شراب کا ہاتھ آیا واسطے رفع ماندگی اور خوف کے شراب پُرتگال سے دو دو جام لیے اور نان و کباب نوش جان کیے۔

ابیات

خدا کے واسطے ساقی پلا شراب مجھے
جلا، خمار کے ہاتھوں نہ کر کباب مجھے
اسی سبب تو کسی سے نہیں لگاتا دل
برا لگے ہے زمانے کا انقلاب مجھے

تمام شب بہ عیش و نشاط ادا کی ؎

نہ مجھ کو خوف دوزخ کا نہ جنت کی طمع دھرنا
مرا مطلب سجن سے ہے طلب دیدار کی رکھنا

جس وقت کہ دُزدِ شب کا بیچ بندی خانہ تحت الارض [۵۵۷] کے گیا اور عَسَس [۵۵۸] روز کا ہنگامہ افروز شَشش جہت کا ہوا۔ بادشاہ کے تئیں خبر غائب ہونے ملکہ کی پہنچی حکم والا نے شَرف نفاذ کا پایا کہ دروازہ شہر پناہ سے راہ صادر اور وارد کی بند ہو، اور نوِشتہ جات بادشاہی بنام راہ داران و گزر بانان و عاملان و کار پردازان مع ہَر کارہ ہائے معتبر ارسال ہوئے اور کٹنی و دَلالہ [۵۵۹] محتالہ و ساحرہ افسوں گو کہ مشہور و معروف تھیں حضور میں بلا کر فرمایا کہ شہر میں خانہ بہ خانہ تلاش جا کے کریں۔ جو کوئی کہ خبر بادشاہ زادی کی لاوے تو ہزار اشرفی انعام پاوے بہ طمع زر کے کٹنیاں محلّہ بہ محلہ سَیراں وطیراں [۵۶۰] ہوئیں۔ چنانچہ ایک پیرزن شیطان کی خالہ کا گزر، بیچ اُس حویلی کے پڑا جو مانند دل ہائے بیدار کے دروازہ حویلی کا کشادہ پایا، اندرون آن کر دیکھتی کیا ہے کہ بختوں نے یاری اور طالعوں نے مددگاری کی ہے کہ ہُما اَوج سعادت کا، بیچ دام کے آیا ہے، سامنے کھڑی ہو کر زبان بیچ مدح اور تعریف کے کھولی اور یہ شعر عرض کیے ؎

گناہ گاروں کی عذر خواہی، ہمارے صاحب قبول کیجے
کرم تمھارے پہ کر توقع، یہ عرض رکھتے ہیں مان لیجے
غریب و عاجز جفا کے مارے فقیر و بے کس گدا تمھارے
سو اپنے جی میں بچاؤ کیجے اگر جو اُن پر کرم نہ کیجے

پڑے ہیں ہم بیچ میں بلا کے، کرم کرو واسطے خدا کے
ہوئے ہیں بندے تری رضا کے، جو کچھ کہ حق میں ہمارے کیجے

نپٹ پڑی ہے ہمن یہ غم کی، جگر میں آتش لگی الم کی
کہاں ہے طاقت انھیں ستم کی، کہ جن پہ اتنا عذاب کیجے

اگر کبھی جھوٹ کچھ ہوا ہے کہ جس سے اتنا ضرر ہوا ہے
تو ہم سے وہ بے خبر ہوا ہے، دلوں سے اُس کو بھلا ہی دیجے

ہوئے ہیں ہم ظلم کے نشانے، ہوئے ہیں طعنے کے اب ٹھکانے
ترا برا ہو ارے زمانے، نباہ اس طرح کیوں کہ کیجے

بعد اس گفتگو کے کہا کہ اے صاحب زادی میں ایک دختر عاجزہ حاملہ رکھتی ہوں کہ دردزہ میں گرفتار ہے اور بے اختیار نان وکباب چاہتی ہے۔ ملکہ نے عالمِ مستی شراب میں از راہ رحم دلی کے اُس کے تئیں نان و کباب دیا اور انگوٹھی انوٹھی گراں قیمت، بیش بہا ہاتھ سے نکال کر انعام فرمائی کہ اس کو بیچ کر زیور بنالیجیو، اور ماما تو گاہ بہ گاہ آیا کر، گھر تیرا ہے۔ وہ آفت کا پرکالہ، شیطان کی خالہ، ہزاروں ہزار دعوات مزید حیات و ترقی عمر درجات ادا کر کے رخصت ہوئی اور باہر نکل کر نان وکباب ڈال دیا اور انگوٹھی مٹھی میں رکھی کہ یہ خوب پیتہ ہے۔ اس عرصہ میں مالک خانہ مَردمردانہ طرف شکارگاہ کے سے، دلیرانہ گھوڑے تازی نژاد پر سوار، نیزہ آبدار در کنار، آہو کر کے شکار، تیز رفتار، آپہونچا اور قفل ٹوٹا و پیرزن کو چھوٹا پایا۔ ایک ہاتھ میں جھوٹا پکڑ کر لٹکاتا ہوا لایا۔ آتے ہی ایک پیر میں رسی ڈال اور دوسرے پیر پر پیر کو دھر کھینچا و دو پارہ کیا۔ میں نے بہ مجرد دیکھنے اس حالت پر ملالت کے رنگ و روپ اوپر چہرے کے متغیر کیا اور لرزہ اوپر بدن کے پڑا۔ اُس جوان نے افواہ سے سنا تھا، عقل سے دریافت کیا اور میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کوئی بھی ایسی نادانی و بے وقوفی کرتا ہے کہ دروازہ کھول کر بیٹھنا اور اندیشہ اخفائے راز کا نہ کرنا۔ یہ حرکت محض بے جا ہے۔ تمھارا آنا اور ملکہ کا تشریف لانا سرافرازی اور بندہ نوازی کا موجب ہے۔ خدمت گاری و جاں نثاری میں ہرگز دریغ نہ کروں گا۔ ملکہ نے ہنس کر کہا کہ شہزادہ حویلی غلام اپنے کی مقرر کر کے مجھ کو

لایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ واسطے تسلی میرے کے تھا۔ اُس جوان نے در جواب عرض کیا کہ گروہ سلاطین ولیٔ نعمت اور خداوند نعمت سکنہ طبقہ روئے زمین کے ہیں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں، بندہ بے زر خریدہ غلام تمھارا ہے۔ بہ خوشی وخاطر عیش کیجیے۔ انشاء اللہ کچھ خطرہ نہ ہوگا اور اگر یہ دَلّالہ محتالہ میرے ہاتھ سے سلامت جاتی تو البتہ جائے تأسف اور باعث خلل کا ہوتا اور اس وقت جور از سربستہ برملا نہ ہوا تو قیامت تک ہرگز معلوم نہ ہوگا۔ بارے تا مدت شش ماہ اُس صاحب مروّت و مَعدنِ فتوت نے کوئی دقیقہ [۵۶۱] از دقائق مہمانداری و دلجوئی سے فروگزاشت نہ کیا۔ ایک روز یہ فقیر بیچ یادِ وطن اور والدین کے دلگیر تھا، جوان نے عرض کیا کہ اگر تمام عمر خود بدولت اقبال اور ملکہ صاحب جمال تشریف ارزانی رکھ کر کلبۂ احزان اس ناتواں کے تئیں رونق افروز بہ وجود فایض الجود کے رکھیں تو بندہ سعادت دارین اور فخر اپنا جان کر ایک ساعت فرمانبرداری سے غافل و عاطل [۵۶۲(الف)] نہ ہوگا اور اگر مزاج مبارک دل برداشتہ ہوا تو حسب الارشاد جس جا پر حکم ہو بہ فضلِ اِلٰہی سالماً و غانماً [۵۶۲(ب)] رکاب سعادت میں جلوداری کر کے پہنچادے اور تو کس لایق ہے۔ تب میں نے زبان بیچ تعریف اُس مرد صاحب درد کے کھولی اور کہا قدرت خدا کی معمور ہے اور اُس جہاں آفریں نے تجھ سے شخص صاحب مُروت و فتوت کے تئیں پیدا کیا

بے

آفریں باد بر ایں ہمت مردانۂ تو

تیری خوبی اور خوش خلقی نے اس قدر مرہون منت بے شمار کیا ہے کہ عہدہ برآئی معلوم۔ حق تعالیٰ بہ ایں جوانمردی و غوررسی سلامت رکھے، لیکن ارادہ فقیر کا وطن مالوفہ کو ہے کہ بہ ارادۂ شکار دولت خانہ سے برآمد ہوا تھا اور میں آپ شکار غزالہ نیلی چشم کا ہوا ہوں، مدتِ مدید و عہد بعید گزرا ہے کہ خبر میری والدین مخدوم نشاتین [۵۶۳] کو نہیں پہونچی، واللہ اعلم احوال انھوں کا کیوں کر ہو۔ تب اُس نوجوان، بہزاد خاں نے ایک راس اسپ تیز رفتار واسطے سواری میری کے اور ایک مادیان [۵۶۴] بادرفتار، صاحب جان وروان و دواں واسطے

ملکہ کے منگوا کر آپ گلگوں صبا رفتار اپنے پر سوار ہوا اور اسباب جنگ کا اوپر اپنے آراستہ کر اور مجھ کو اور ملکہ کو آگے کر، فاتحہ پڑھ کے مُعتصِم بہ عُروۃُ الوُثقائے فضل الٰہی کا ہو کے روانہ ہوا۔ اوپر دروازہ شہر پناہ کے پہنچ کر ایک نعرہ مہیب مارا اور قفل دروازہ کا توڑا اور دربانان و چوکیداران بادشاہی کو بہ زجر و توبیخ پیش آ کے للکارا کہ جا کے اپنے آقا سے کہو کہ بہزاد خاں ملکہ مہر نگار اور شہزادہ بختیار کو کہ خویش دل ریش تمھارا ہے مردانہ وار بر باد پائے تیز رفتار سوار مستعد کارزار لیے جاتا ہے اور یہ شعر عرض کرو:

فرد

اگر جنگ جوئی بہ میداں در آئے
زما ہر کرا ملک بخشد خدائے

و اِلّا خوش رہ۔ ملازمان بادشاہی نے وَرطۂ حیرت میں مُستغرق ہو کر یہ عرض بیچ حضور بار یابان بساط فیض مناط کے پہنچائی۔ بادشاہ از روئے غضب کے نہایت برہم ہوا وزیر اور میر بخشی کو حکم فرمایا کہ اُس بد بخت کو ساتھ اُن دونوں بے حیا کے اسیر دستگیر کر کے لے آؤ۔ چنانچہ ہر دو رکن السلطنت العالیہ کے بافوج نمایاں فی الفور سوار ہوئے اور باہر میدان میں آئے تب بہزاد خاں رستم تواں نے ملکہ اور شاہزادہ کو زیر دیوار ایک پل کے کہ بارہ پلے سے کم نہ تھا کھڑا کیا اور مرکب تازی نژاد و جنوں نہاد کو گرم کر کے فوج میں مانند گرگ[۵۶۵] دَررَمہ[۵۶۶] کے آ بیٹھا۔ دونوں سرداروں کو بہ ضرب تیغ آبدار علف[۵۶۷] دار، بدار[۵۶۸] البوار پہنچایا اور تمام فوج نے شکست پائی۔ سنتے اس خبر وحشت اثر اس حادثہ کے سے بادشاہ مضطرب ہو کر آپ بادلاوران صاحب شجاعت رو بہ میدان لایا۔ بہزاد خاں کمال تہور و دلاوری سے اس فوج پر بھی فتحیاب ہوا بقول آنکہ ع

یہ فتح دادِ حق ہے جسے دیوے کردگار

وہاں سے بہ دلجمعی تمام مع ملکہ و شاہزادہ ذوی الاحتشام کے روانہ ہوا۔

پس یہ عاصی بعد انقضائے چند مدت کے بیچ ولایت والد اپنے کے پہنچا اور عرضی، بیچ خدمت پدر بزرگوار و بادشاہ عالی مقدار کے از روئے کمال اشتیاق قدمبوس کے ارسال کی۔ وہ گردوں جناب خورشید قباب [۵۶۹] بہ استماع خبر فرحت اثر آمد آمد فرزند دلبند جگر پیوند سوار ہو کر واسطے استقبال کے باچندے خواص و مردم شاگرد [۵۷۰] پیشہ اوپر کنارے دریا کے کہ درمیان جانبین واقع تھا، رونق افزا ہوا اور میں نے از راہ کمال اشتیاق قدمبوسی کے گھوڑا بیچ دریا کے ڈال کر اپنے تئیں بیچ حضور پرنور حضرت قبلہ و کعبہ خداوند نعمت کے پہونچایا اور سعادت قدمبوسی حاصل کیا۔ جس گھوڑے پر میں سوار تھا وہ گھوڑا گرہ [۵۷۱] مادیان سواری ملکہ کا تھا۔ اُس گھوڑی نے بچے اپنے کو دیکھ کر اپنے تئیں بیچ دریا کے ڈالا۔ بادشاہزادی بے قرار بلکہ قریب ہلاکت کے ہوئی۔ بہزاد خاں واسطے استخلاص [۵۷۲] ملکہ کے، پیچھے سے دریا میں پہنچا۔ چنانچہ از گردش فلکی ملکہ اور بہزاد خاں دونوں شخص، مستغرق دریائے رحمت الٰہی کے ہوئے۔ بادشاہ نے جتنا کہ جال ڈلوایا اور ملاحوں کے تئیں تاکید کی، کچھ نشان نہ پایا۔ ناچار یہ فقیر خدمت والدین کے سے دل گیر بہ حالت گدایاں سرگرداں دشتِ جنوں کا ہوا اور اُسی پہاڑ گذرہ گاہ عاشقاں پر پہونچ کے چاہا کہ اپنے تئیں ضائع کروں کہ اُس پیر صاحب رائے روشن ضمیر نے فرمایا کہ دونوں شخص ملکہ و بہزاد خاں زندہ ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ بہ خوشی ملاقات ہو گی، خاطر کو جمع رکھ۔ بہ موجب ارشاد ہدایت بنیاد اُس پاک نہاد کے بیچ خدمت تمھاری کے آ پہونچا ہوں اور امیدوار دیدار سراسر انوار ملکہ اور بہزاد خاں کا ہوں۔ احوال کثیر الاختلال فقیر کا یہ ہے کہ گزارش کیا۔

جس وقت درویش سویم حقیقت احوال پُر اختلال نہایت قیل و قال سے گزارش کر چکا، سفیدہ صبح کا کنارے افق کے سے منتشر ہوا اور مؤذن سحر خیز جامع مسجد کی نے، بانگ نماز بآواز بلند کی اور آواز نقارۂ دولت سرائے خدیو آفاق کے سے سامع افروز ہوئی۔ سلطان درویش عنوان خداداں نے زیر چار دیواری مقبرہ منورہ معبرہ و معطرہ کے سے اٹھ کر قصد

دولت خانہ مبارک کا کیا اور کہا ؎

عشق کے نور سے روشن ہوا سینہ میرا
ید بیضا ہوا اب دل کا نگینہ میرا
عشق کے غم کی ہوئی جب سے گرمی مجھ میں
عطر عنبر کا ہوا تب سے پسینہ میرا

اور جلدی سے مانند ماہ کے سریع السّیر ہو کر بیچ شاہ بُرج کے گیا اور تبدیل لباس فقیر کا کر کے خلوت فاخرہ، سلطنت کے تئیں زیب قامت کا کیا اور مانند آفتاب جہاں تاب کے برآمد ہو کے اُمرا وُزرا و ارکان دولت و اَعیان مملکت کو بہ نور جمال اپنے کے روشن و منور کیا۔ چنانچہ ہر ایک آداب و تسلیمات و کورنشات بجالا کے اپنے اپنے پائے پر قائم ہوئے اور بادشاہ نے کسکچوں[۵۷۳] سے فرمایا کہ شَرق رَو یہ بیچ قبرستان کے فلانے مقبرہ میں چار درویش بہ منزلہ اربعہ عناصر کے متفق اللفظ والمعنی ہو کر مانند مصرع رباعی کے استقامت پذیر ہیں ،اُن سے جا کر اظہار اشتیاق ملاقات سراسر بہجت و نشاط و سربسر مروت و انبساط میری کا کرو اور یہ شعر گزرانو ؎

نظر آتا ہے اشکِ گرم سے سیلاب آتش کا
کہیں کیونکر نہ میری آنکھ کو گرداب آتش کا
نہ نکلیں کیوں کے شعلے آہ کے، اب دل سے اے ظالم
کھلا ہے آن کے دل پر، ہمارے باب آتش کا

چنانچہ ملازمان بادشاہی نے حسبُ الحکم اعلیٰ خاقانی حضرت ظِلِّ سُبحانی کے پیغام بادشاہ کیوان بارگاہ کا بیچ حضور موفور السرور درویشوں کے جا کر اظہار کیا اور ہر چہار فقیر روشن ضمیر استماع اِس پیغام نیکو انجام کے سے متحیر و متعجب ہو کر روانہ جناب مقدس کے ہوئے۔ بادشاہ نے دیکھنا جمال فقیروں کا از جملہ مغتنمات[۵۷۴] جان کر سلام علیک میں

سبقت کی اور کہا ؎

آیئے بیٹھیے کرم کیجیے
بے تکلف یہ گھر تمھارا ہے

اور درویشوں نے علیکی دے کر پشت تعظیم کی خم کی اور موافق ارشاد خجستہ بنیاد حضرت ظلِ الٰہی سلطنت پناہی اُبہت دستگاہی کے بہ فراغت بیٹھے اور بادشاہ نے سب ارکان خلافت کو مُرخّص کر کے مجلس خلوت کی آراستہ کی اور ساتھ فقیروں کے متکلم ہوا کہ یہ خاکسار ذرّہ بے مقدار امیدوار الطاف درویشانہ واُعطاف بزرگانہ سے یوں ہے کہ شب گزشتہ میں اوپر حقیقت حال خیریت اشتمال تین صاحبوں کے اطلاع حاصل کی اب مُترصد[۵۷۵] ہے کہ درویش چہارم بھی سرگزشت اپنی سے استفادہ بخشے کہ اَلانتظارُ اَشدُّ مِنَ الموتِ میں گرفتار ہوں ؎

ہمیشہ اس تمناہی میں حسرت کی گزرتی ہے
نہ جانوں کب تلک اُس سے مرا دل بہرہ یاب ہوگا

فقیر بہ سبب دبدبہ سلطنت اور اوّل ملاقات کے باعث سے محجوب اور مؤدّب مانند غنچہ گل کے منقبض تھے، اتنے میں ایک شعر ایک شخص زبان اپنی سے برلایا اور کہا ؎

قیامت جیتے جی ہی آگئی، سر پر خدائی میں
نہ سمجھے تھے کہ اس گردوں کا ایسا انقلاب ہوگا
ہم اپنے قتل کا چرچا جو، از بس سب سے سنتے ہیں
نہیں کرتے خبر دل کو، کہ اس کو اضطراب ہوگا

بادشاہ نے فرمایا کہ واسطے رفع حجاب کے یہ عاصی تمھارے آگے سرگزشت اپنی مفصل بیان کرتا ہے کہ مجھ کو بھی ایک رفقاء اپنے سے جان کر بے تکلف ہو جاؤ اور حرف بے گانگی کا

درمیان سے اُٹھ جائے ۔

اب جو میں تم سے ملا اور سب کو یار اپنا کیا
اور بھی جی دوستی میں، بے قرار اپنا کیا

القصہ ہر چہار درویش متوجہ بہ استماع داستان مبارک بادشاہ کے ہوئے۔

بیان قصہ بادشاہ فرخ سیر کہ باعث اس احوال کا ہے

قصے جور و جفا کے سو سو ہیں
دل میں میرے کباب کی سی طرح
آبرو سے نباہ دیوے حق
زندگی ہے سراب کی سی طرح

یہ خاکسار بعد رحلت والد بزرگوار کے تخت سلطنت کے اوپر رونق افزا اس دیار کا ہوا۔ ایلچی ہر چہار طرف کے، واسطے مبارک باد کے آئے اور نامہ و پیام و سوغات و تحفہ جات ہر انواع کے لائے اور کہا:

ع تخت شاہی کے تئیں فخر ہے تجھ ذات سے آج

اِس ضمن میں ایک سوداگر وارد اس دِیارِ عالی تبار کا ہوا اور ایک لعل بے بہا ساڑھے تین مِثقال [۵۷۶] وزن کا نذر گزرانا کہ آگے آب وتاب اُس کی کے، لعل بدخشاں کا بھی بے

آب تھا۔ چنانچہ ثانی اُس کے کوئی رقم از قسم جواہر کے سے بیچ جواہر خانہ کے بلکہ بیچ تمام سلطنت میری کے نہ تھا۔ میں نے اُس کے تئیں از جملہ مُغتنمات جان کر مقرر فرمایا تھا، کہ جس وقت دربار مجرائیوں سے معمور ہووے اس لعل پارے کو حاضر کیا کریں۔ اوّل میں ملاحظہ کرتا بعد ازاں سب حاضرانِ دربار معلّٰی کے دیکھتے اور بے اختیار زبان بیچ تعریف و توصیف آبداری اور رنگینی اس کی کے کھولتے۔ ایک روز ایلچی فرنگ کا دربار میں حاضر تھا کہ ملازمان حضور موافق قاعدہ مستمرہ کے لعل کو لائے۔ میں نے دیکھا اور سبھوں کو دکھایا۔ سب ارکان خلافت بیچ تعریف اُس کی مدح پرداز ہوئے۔ ایک وزیر صاحب تدبیر کہ وقت اعلیٰ حضرت کے سے بیچ کاروبار وزارت مقرر و ممتاز تھا، دست بستہ ہو کر آداب بجالایا اور عرض کیا کہ اگر جاں بخشی ہو تو غلام کچھ عرض رکھتا ہے۔ میں نے فرمایا کہ کہہ۔ تب اُن نے عرض کیا کہ قبلۂ عالم سلامت ذات ملکی صفات بادشاہوں کی حق سبحانہ تعالیٰ نے عدیم المثال اور بے نظیر پیدا کی ہے، اوپر ممالک محروسہ روئے زمین کے صاحب حکم کیا ہے اور زر و جواہر و تحفہ جات جہاں کے نصیب اولیائے دولت قاہرہ کے ہوئے ہیں، بادشاہان دریادل سے یہ بات خیلے[۵۷۷] بعید اور نہایت تعجب کی ہے، کہ ایک پارہ لعل کو ہر روز طلب کرنا اور تعریف بیش از قیاس فرمانا اور سب کو رطب اللسان اور عذبُ[۵۷۸] البنیان ہونا نہایت نازیبا اور خلاف ریاست ہے۔ اگر حاضرانِ محفل مُنیف و کار پردازان بارگاہ شریف روبرو از راہ ادب کے خاموش ہیں لیکن غائبانہ کہتے ہوں گے کہ بادشاہ نہایت ندیدہ جواہر کا اور مفلوک مزاج ہے۔ حضرت پیرو مرشد سلامت بیچ دارالسُّر ور نیشاپور کے ایک سوداگر ہے کہ اس کے پاس ایک کُتا ہے کہ اُس کے گلے میں جو پٹہ پڑا ہے سات سات مثقال وزن کے لعل اس میں جڑے ہیں اور برسرِ بازار بیچ دوکان کے رہتا ہے اور تمام خلقت آیند و روند[۵۷۹] دیکھتی ہے اور اس عزیز کو خواجہ سگ پرست کہتے ہیں۔ بہ مجرد استماع اِس بات کے میرے دل میں آتش غضب شعلہ افروز ہوئی کہ سوداگر کا مزاج کفایت شعار و خسّت اطوار ہوتا ہے یہ بات خلاف قیاس اور باہر احاطۂ بشریت سے ہے اور فرمایا کہ وزیر کو لے جا کے دار پر

کھینچو کہ بار دیگر کوئی شخص خلاف گوئی بہ حضور بادشاہ عظیم الشان کے نہ کرے۔ پس حسبُ الحکم قضا قوَام میرے کے ملازمین بادشاہی وزیر کو واسطے گردن مارنے کے لے چلے کہ یکایک ایلچی فرنگ کا دست بستہ کھڑا ہوا اور زبان بیچ شفاعت وزیر کے کھولی اور عرض کیا۔ فرد ؎

کیجیے جاں بخشی اور تقصیر معاف
بات اس کی کونسی بوجھو تم نہ لاف ۵۸۰

تجھ سا بادشاہ عادل رعیت پرور جو خون ناحق کرے اور وبال جان وزیر کا اپنے اوپر لیوے جائے فَراواں حائف اور تکلّف ۵۸۱ کا ہے۔ اول لازم یہ ہے کہ تحقیق فرمایئے۔ بعد ثبوت راست و دروغ کے جیسا مناسب ہو عمل میں لایئے۔ بارے التماس ایلچی فرنگ کا مُلتمِس ساتھ اجابت کے کر کے حکم محبوس کرنے کا فرمایا اور کہا کہ اگر یہ بات اور صورت حال، ساتھ صدق مقال کے جلوہ گر ہوئی تو جاں بخشی ہے، و اِلّا بہ انواع عذاب مَورد عتاب اور خطاب کا ہوگا۔ القصہ وزیر کو بیچ زنداں خانہ کے لے گئے۔ پس یہ خبر، وحشت اثر، بیچ گھر اُس کے پہنچی۔ زن وزیر نے بہ گریہ وزاری و نوحہ و بے قراری سر کے بال کھسوٹ کے زیور دور کیا اور لباس بدن کا پھاڑا لیکن وزیر ایک دختر عاقلہ اور فرزانہ ۵۸۲ رکھتا تھا کہ ہمیشہ بیچ عیش وعشرت کے اور راگ ورنگ وشراب وکباب میں مشغول رہتی تھی۔ والدہ اُس کی نے آ کر اُس کو سرگرم نائے ونوش کا پایا۔ ایک جھگڑو ودستی کہ جس کو کہ دوہتھڑ کہتے ہیں اوپر سر کے ماری اور کہا کہ اے کمبخت بے وفا واے بد بخت پُر جفا اگر آج کے روز ایک کانا کھدرایا گنونڈا بیٹا ہوتا تو وہ بھی کام آتا اور اپنے باپ کو قید سے چھڑاتا، تجھ کمبخت کو کیا کروں کہ وارث میرا قید ہے اور تو شراب وکباب اور راگ ورنگ کی صید ۵۸۳ ہے۔

فرد

جَلادے حُسن کے شعلے سے اپنے خاک کر مجھ کو
میں اس جینے سے تنگ آئی ہوں ظالم، پاک کر مجھ کو

دختر عاقلہ و بالغہ کا دریافت کرنے، اس مصیبت کے سے، نشہ اُتر گیا اور رقص موقوف کیا اور از راہ غیرت کے نہایت پیچ و تاب کھا کے کہا کہ اے مادر مہربان آفات ناگہانی سے پناہ مانگیے اور حادثات زمانہ سے صبر کیجیے کہ اَلصَّبرُ مِفتَاحُ الفَرَح کہتے ہیں اور بیٹے پر کیا موقوف ہے۔ اگر بیٹی صاحب فِراست و کیاسَت ہو تو بیٹے پر فخر رکھتی ہے۔

فرد

نہ ہرَ زن، زَن است، و نہ ہر مرد، مرد
خدا پنج انگشت، یکساں نہ کرد

پس دوا اپنے کو بلا کر بیچ خلوت کے کہا کہ اگر مجھ کو زندہ چاہتا ہے تو سر انجام تجارت کا تیار کرو و اِلاّ خون اپنا کروں گی اور سر تیرے دھروں گی۔ دوا لڑکی کا بولا کہ اے صاحب زادی۔

فرد

خیال ٹھٹھ[۵۸۴] کا بہت نام خدا جی پر ہے
چشم بد دور مزاج، ان دنوں شوخی پر ہے

حقیقت اس کی یہ ہے کہ عین عنفوان شباب میں جو کوئی کہ گل روئے مبارک کا دیکھے گا، بے اختیار بلبل وار شیفتہ رنگ و بوئے اس چمن لطافت و ملاحت کا ہوگا اُس وقت پیچھا چھڑانا مشکل پڑے گا۔ اشعار ؎

جو کہ دیکھے اس آفتاب کے تئیں
کیا کرے جی کے اضطراب کے تئیں
گرم بازار دل جلوں کا ہے
کوئی نئیں پوچھے ہے، کباب کے تئیں

کھولیو مت بزار میں ہرگز
اس جنوں کے بھرے کباب کے تئیں

میں آگے سے جتا تا ہوں بقول آنکہ "یکے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ" یعنی باعثِ بدنامی و برہم زنی ننگ و ناموس حضرت وزیر الملک ارسطو فطرت آصف سطوت کا ہوگا۔ اُس خورشید آسمان عقل و فرہنگ کے تئیں یہ سخن دوا کا گراں بار پلہ میزان تمیز کا نہ آیا۔" آپ بہ تاکید شدید اور بہ جد و جہد تمام کے، بیچ تہیہ اسباب تجارت کے ہوئی۔ دوا کہ متابعت طبع شریف اُس کی کو باعث زندگی اپنی کا جانتا تھا جو کچھ کہ شایان تاجران عمدہ خاندان کے ہوتا ہے، واسطے خرید تحفہ جات ہر دیار کے لکھ ہا خرچ کر کے اطلاع اُس فرزانہ کو کی۔ چنانچہ اُس یگانہ جہاں نے از راہ عیاری کے لباس مردانہ او پر قامت کے آراستہ کیا اور بیچ نصف شب کے مانند ماہ چہاردہم کے بُرج حمل محل کے سے نکل کر سریع السّیر ہوئی۔

زنِ دستور نے دریافت اس کیفیت کا کر کے، اخفا راز کا از جُملہ واجبات جانا۔ اور تاکیداکید[۵۸۵] جمیع خادمان محل کو کی کہ کوئی اظہار اس حادثۂ جاں گزا کا نہ کرے، خبر شرط ہے۔ والّا ندامت کھینچے گا۔ القصہ وہ عاقلہ بعد مدت سہ ماہ بیچ دارالمعمور نیشاپور کے پہنچی اور بہ طریق سیر روانہ اردوئے معلّی کی ہوئی۔ بیچ عین رونق بازار کے ایک دوکان میں سوداگر کو رونق افزا دیکھا کہ جواہر گراں مایہ اور اسباب نفیسہ روبرو اُس کے موجود ہے اور کئی خدمت گار سلیقہ شعار دست بستہ حضور میں مستعد خدمت کے ہیں اور دوکان میں ایک صندلی بچھی ہے اور او پر گدّی مخمل کے ایک کتا لیٹا ہے اور پٹہ چودہ لعل کا زیب گلوئے ناقص اُس کے کا ہو رہا ہے اور ایک لگن طلائی میں پانی بھرا ہے اور دو غلام بیچ خدمت سگ کے حاضر ہیں۔ ایک رومال سے پونچھتا ہے اور ایک چنور[۵۸۶] سے مگس رانی[۵۸۷] کرتا ہے اور ایک قفس فولادی دھرا ہے کہ دو جوان خوبرو چار ابرو مقید سلاسل غموم و ہموم[۵۸۸] کے بیٹھے ہیں۔ وزیر زادی بیچ اس تماشے کے مشغول ہوئی اور ایک خلقت واسطے دیکھنے حسن و جمال اُس کے مجتمع تھی۔

فرد

تیر نگہ تھے کھانے، سو کھا چکے کسو کے
بہتر ہے داغ دل میں، اب تو بھلا کسو کے

بارے وقوع اس واقعہ کے سے نگاہ سوداگر کی دخترِ وزیر پر جا پڑی۔ بہ مجرد معائنہ دیدار پُرانوار اور وضع شوخ و طنّازُ اُس کی کے بہ ہزار جان عاشق جمالِ لیلیٰ تمثال اُس بدیع الجمال کا ہوا اور کہا کہ اگر قدوم مسرت لزوم، اپنے سے میرے غریب خانہ کو رونق افروز کرے تو سر عزت و افتخار اس خاکسار کا اوپر اوج آسمان کے پہنچا دے گا، بعید از تَفَقُّدَات اور تَمَلُّطُفات سے نہ ہوگا ۔

جو تیرے عشق میں کوئی جی جَلا فرہاد ہو جاوے
تو ایسا شخص تو شیریں کا پھر اُستاد ہو جاوے
کہاں تک بلبلوں کا دل، چمن میں شاد ہو جاوے
ہمیشہ دام لے جب باغ میں، صیّاد ہو جاوے

اُس عاقلہ نے حصول مدعائے خاص اپنا بیچ ملاقات کے جان کر کمال اشتیاق سے دوکان سوداگر کے تئیں رونق افزا جواہر زواہر دیدار سَراسَر انوار اپنے سے کیا۔ وہ مرد جہاندیدہ، گرم و سرد زمانہ چشیدہ، نہایت تملق اور تعلق خاطر سے پیش آیا اور رسم تواضع و مہمانداری کی بہ جان و دل بجالایا اور پوچھا کہ کس ملک آباداں سے تشریف ارزانی فرمایا ہے اور موجب آنے کا اِس ملک بیگانے میں کیا ہے۔ اُس عاقلہ نے کہا کہ باپ میرا سوداگر ہے اور مال دنیا سے گنجینہ بے شمار رکھتا ہے۔ میرے تیں بیچ حین حیات اپنے کے واسطے آزمائش کے اسباب تجارت کا ہمراہ دے کر روانہ اس ولایت کا کیا ہے کہ بچشم خود مال گزاری اور سلیقہ شعاری اور تجارت پیشگی میری دیکھے تو بالکل خاطر جمع ہو۔ کس واسطے کہ

فرد

فرزند اگرچہ بے تمیز است
در چشم پدر بے عزیز است

اس باعث سے یہ اوّل سفر میرا ہے کہ بیچ اس ولایت بیگانہ کے اتفاق آب وخور کا پڑا۔ اُس بزرگ دانش سُترگ نے کہا کہ یہ بے مقدار بیچ اس شہر کے پارۂ عزت و افتخار رکھتا ہے اور پیشہ تجارت سے خوب کچھ دیکھا اور کیا ہے۔ اگر آپ از راہ تفضّلات وعنایات کے کلبۂ احزان میرے کے تیئں رشک اِرم کا کریں تو خرید و فروخت، معرفت میری سے انشاء اللہ نتیجہ نیک ہوگا۔ جب کہ اشتیاق اُس کا بے حد و نہایت دیکھا، فرمانا اُس کا قبول کیا اور کہا:

فرد

وہی پابند ہو سکتا ہے، تیرے دام الفت کا
جو قید ننگ و نام اپنے، ستی آزاد ہو جاوے

تب اُن نے کہا کہ از برائے خدا یہ میری زبان سے فرماتے ہیں۔ پس دیوان خانہ خاص واسطے دختر وزیر کے خالی کیا اور لوازمہ اکل و شرب کا اُلوان طعام و اقسام اَشربہ وعطریات سے حاضر کیا۔ بعد اس کے ایک تماشا عجب نظر آیا کہ ایک دسترخوان زربفتی اور غوری جبشی میں پلاؤ اور گوشت واسطے کلب کے طلب کیا، پس دونوں غلاموں نے مگس رانی کر کے بہ احتیاط تمام اُس کے تیئں کھلا کر پس خوردہ اُس کا اُن دونوں جوان مقید قفس فولادی کو بہ ضرب شَلّاق کھلایا اور بہ زجر و توبیخ پانی بھی اُس کا جھوٹا پلایا اور موئے سر اُن کے تا بہ کمر پہنچے تھے اور ناخن مانند چنگال زاغ و زغن دراز ہوئے تھے۔ دختر خجستہ اختر یہ مقدمہ دیکھ کر سخت آزردہ ہوئی اور کھانا پینا اُس کے گھر کا مکروہ بلکہ حرام جانا اور استفسار اس احوال سیرت مآل کا کیا۔ تاجر نے کہا کہ یہ قصّہ پرغصہ آج تک میں نے کسی سے اظہار نہیں کیا بلکہ اس

واسطے خواجہ سگ پرست مشہور ہوا ہوں لیکن تم کو مفصل اطلاع دوں گا، موقوف بر وقت ہے۔ اس عاقلہ کو کام اپنا منظور تھا اس بات کے خیال نہ پڑی۔ قصہ کوتاہ تا مدت دو ماہ وہ جادو نگاہ ساتھ اُس مرد محبت دستگاہ کے متفق اور مجتمع رہی اور اس قدر دل سوداگر کا بیچ کمند زلف تابدار اپنی کے پھنسایا کہ ایک لحہ مفارقت اس کی کو باعث مرگ اپنی کا اور موجب ہلاک کا جانتا تھا اور بے اختیار کہتا تھا کہ میرے تئیں حق تعالیٰ نے دولت دنیاوی سے بہت کچھ دیا ہے لیکن نور چشم و راحت جان ناتواں کہ بعد میرے وارث اس مال و دولت کا ہو۔ نہیں ہے۔ میں نے تجھ کو بیچ فرزندی کے لیا اور یہ سب نقد و جنس بہ خوشی تجھ کو نذر کیا بلکہ شادی اُس مقدمہ کی مقرر کر کے تمامی عمدہ و اکابران شہر کو بہ طور ضیافت اپنے ڈیرے بلایا اور مطلع اس معاملہ کا کیا اور کہا۔

فرد

اگر حسرت کا سودا بن پڑا اس عشق بازی میں
تو مجنوں پھیر ویرانہ، تیرا آباد ہو جائے

چنانچہ اس عاقلہ نے بعد قابو کرنے اور محیط ہونے کے پگڑی پھیر رکھی اور از روئے عقل کے نہایت ملول اور غمگین بیٹھی سوداگر نے دیکھ کر سبب گلال و ملال طبع کا استفسار کیا تب اس عاقلہ نے کہا کہ مجھ کو دو مشکل پیش ہیں۔

فرد

نہ ہوں اس عشق میں کیوں کر میں نالاں
کہ سینہ غم کے سینے سے ملا ہے

اگر بیچ خدمت سراپا اِفادت تمھاری کے اوقات گزاری کروں تو والد بزرگوار مانند یعقوب کے بیچ غم مہاجرت، اس یوسف ثانی کے نابینا ہو جائے گا اور کہے گا کہ بہ سبب سِن طفولیت کے خانماں فراموش کر کے اور کہیں کا ہو رہا اور جو قصد اُس سمت کا کروں تو

جدائی تمھاری نشترزن جگر کی ہو ؎

گویم مُشکل وگرنہ گویم مشکل

اسی فکر میں شب وروز باگریہ دلسوز میری گزرتی ہے بلکہ کمال سودا ہے، دیکھیے کیا صورت واقع ہو اور نقش مدعا کا کس پہلو نہ بیٹھے۔ درجواب اس کے اُس دانش پناہ عشق آگاہ نے کہا کہ اے فرزند اگر مرکوز خاطر مبارک کا یوں ہے کہ یہاں سے کوچ کیجیے تو بسم اللہ۔

فرد

اگر ملنا ہے اپنے باپ سے، کاہے کو دکھ کھینچو
ابھی غم سے نکل کر دل کو اپنے شاد کر ڈالو

مجھ کو یہاں کسی کی اُلفت دامن گیر خاطر کی نہیں کہ جس سبب سے پابند اس ملک کا ہو رہوں بلکہ عین خوشی وخاطر یوں ہے کہ جس میں رضامندی تمھاری ہو، بجالانا اس کا از جملہ واجبات ہے۔ دختر وزیر کی نے، اس بات کے سننے سے مانند زر کے شگفتہ ہو کر بیچ طیاری[589] اسباب روانگی کے قدغن بلیغ[590] فرمایا اور ایک ہفتہ کے عرصہ میں سب اسباب لاد کے نقارہ کوچ کا بلند کیا۔ بہ فضل الٰہی بعد انقضائے عرصہ دو ماہ کے وہ قافلہ باسوداگر پیر مردوسگ بے نظیر بیچ ولایت قلمرو میری کے آپہنچے اور بیچ باغ بادشاہی کے رخت اقامت کا ڈالا۔ پس ایک شہرۂ عظیم تاجر کے آنے کا بیچ ہر کوئے وبرزن کے پڑا۔ دختر وزیر نے بیچ خدمت مادر مہربان کے پہنچ کر آداب تسلیمات وکورنشات بجالا کر عرض کیا کہ دو روز کی مہلت اور ہو تو والد بزرگوار کو قید وزنداں سے خلاصی دے کر گوشۂ اخفا کے بیچ بیٹھوں۔ بارے بادشاہ نے سواری واسطے سیر باغ طلب کی۔ پس جس وقت کہ شہسوار آفتاب کا بیچ جولاں گاہ عرصہ سپہر کے نمودار ہوا میں نے اپنے تئیں بیچ باغ کے پہنچایا اور سوداگر کو مع کتے اور پنجرہ فولادی کے حضور طلب کیا۔ بہ موجب حکم کے اُس سوداگر نے تحفہ ہائے عجیب وغریب نذر

گزرانے۔ میں نے احوال سگ پرستی اور قید کرنا دو جوانوں کا استفسار کیا کہ راست بے کم و کاست مُفَصّل بیچ حضور لامع النور کے اظہار کر۔ تاجر نے بہ مقدور خود بیچ اِخفائے راز سربستہ کے دریغ رکھا لیکن بدون اظہار اسرار کے مخلصی نہ دیکھی بقول اس کے ؎

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفل ہا

بیان سرگزشت خواجہ سگ پرست

عرض کیا کہ حضرت سلامت یہ غلام عقیدت اِلتیام سوداگر بچہ ہے اور دونو جوان قفس فولادی میں برادران کلاں اس بے سروساماں کے ہیں۔ جس وقت کہ والد بزرگوار والا تبار اس خاکسار کے نے جہان فانی سے رخت ہستی کا طرف سرائے جاودانی کے کھینچا۔ بقول اس کے ؎

رباعی

جیسا ہی کہ ہلکا ہے گا، آنے کا رنگ
ویسا ہی سبک تر ہے گا، جانے کا رنگ
دنیا کی ہے چال بندی یارو حسرت
فانوس خیال ہے گا، زمانے کا رنگ

اور مال بسیار دولت بے شمار ترکہ چھوڑا۔ یہ دونوں عزیز مصر بے تمیزی کے قابض و متصرف ہوئے۔ بعد فراغت ماتم داری کے باہم مصلحت کر کے میرے تئیں بلایا اور کہا جو کچھ مالیت

پدرکی سے نقد اور جنس ہے حصّہ رسد بہ موجب شرع کے تقسیم کرلیں اور جس کے جی میں جو آرزو ہووے ہوس دل کی نکالے اور چاہے سو کرے بقول اس کے: ع ہر کسے مصلحت خویش نکومی داند میں نے عرض کیا کہ اگر مربی موا تو کیا غم ہے، تم دونوں بزرگ بجائے پدر میرے سر پر سلامت ہو۔ مجھ کو سوائے کھانے اور کھیلنے کے کچھ اور سروکار نہیں ہے بلکہ امیدوار تعلیم کا ہوں کہ سعی موفورہ تمھاری سے ساتھ علم و ہنر کے بہرور ہوں مجھ کو حصہ برادرانہ سے کچھ غرض نہیں۔ یہ دنیا چند روزہ ہے بہ قول اس کے۔

رُباعی

جب تک رہی جگ میں زندگانی حسرت
تب تک سُنی دہر کی کہانی حسرت
دیکھا تو یہ حیش و بحث ناحق کا ہے
ہے خواب و خیال زندگانی حسرت

در جواب ان دونوں برادران یوسفی نے کہا کہ اگر سن تمیز اور عنفوان شباب میں تو دعوا حصہ مال پدری کا کرے اور یہ مال ہم سے تلف ہو جاوے تو پھر عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ اگر حضور حاکم وقت کے بہ رضا و رغبت اپنے فارغ خطی بہ مہر قاضی و مفتی و گواہی اکابران شہر کے لکھ دے تو کیا مضایقہ، ہم از راہ شفقت برادرانہ تجھ کو پرورش کریں گے۔ میں نے بہ موجب اِستدعا اُن کے لا، دعویٰ ورثۂ باپ کے سے لکھ دیا اور رہنے لگا۔ بعد چند روز کے بقول آنکہ

ع خوے بدرا بہانہ بسیار

میرے تئیں گھر سے خارج کیا اور صاف جواب دیا۔ قبلہ گاہ رضواں دستگاہ اس فدوی کو نہایت الطاف اور اشفاق سے پرورش کرتا تھا اور باعث خورد سالی کے بہ نسبت ان دونوں کے قرب منزلت میری دل میں زیادہ رکھتا تھا چنانچہ جب کبھی کہ وہ مشفق شفیق واسطے

تجارت کے مرحلہ پیمائے ملک ودیار کا ہوتا تو ایک تحفہ، واسطے میرے مقرر لاتا چنانچہ ایک یہ کتا اور دو غلام میرے تھے۔ ایک روز کی نقل ہے کہ قبلہ گاہ نے بیچ حین حیات اپنی کے مجھ سے بیچ خلوت کے کہا تھا کہ اگر یہ دونوں بھائی تیرے تجھ سے بدسلوکی کریں اور حصہ برادرانہ سے محروم رکھیں تو وہ جو فلانی حویلی تیرے نام کی ہے اور اس کے صحن میں جو شجر رشک طوبیٰ کا سایہ انداز ہے، نیچے اس درخت کے پانچ ہزار اشرفی ایک حوض میں زیر زمیں امانت سپرد کی ہیں، وہاں سے لیجیو۔ اور صرف وجہ معاش اپنی کا کیجیو۔ پس میں اُس حویلی میں جا رہا اور یہ بھائی کہ ناواقف تھے خاموش رہے اور مزاحم احوال میرے کے نہ ہوئے اور وہ حویلی قبضہ میرے میں چھوڑی۔ تب میں نے اُس زر پر دستگاہ پا کے دوکان تجارت کی ترتیب دی اور گونہ اعتبار بیچ شہر کے پیدا کیا اور یہ دو غلام وفادار بیچ خدمت کے حاضر تھے۔ بعد عرصہ تین سال کے میرے تئیں مال بسیار و دولت بے شمار و عزت و اعتبار دوکان تجار کے حاصل ہوا۔ ایک روز غلام میرا زار زار و بے قرار نہایت پر اضطرار دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ تمھارے دونوں بھائیوں کو ایک یہودی ضرب و شلاق کر رہا ہے، مشکیں بندھی ہیں اور تازیانے پڑتے ہیں۔ یوں بھائیوں سے تم نے جو دل سخت کیا ہے، جانتے ہو اُن کا کیا حال ہو رہا ہے۔ یہ بات سن کر بے اختیار گھر سے برآمد ہوا اور اُس معرکے میں آ کر اُس یہودی سے پوچھا کہ ان بندہ ہائے خدا نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس قدر ظلم اور ستم تو روا رکھتا ہے۔ اُن نے در جواب کہا کہ اگر تجھ کو ان پر رحم آتا ہے تو تو زر ہمارا دے اور ان کو چھڑا لے۔ میں نے اُسی وقت مبلغ خطیر دے کر ان کو چھڑا کر اپنے ڈیرے لایا اور علاج جراحت ہائے نہانی کا کر کے حمام میں نہلایا اور خلعت پوشاک فاخرہ پہنایا۔

فرد

تقدیر میں جو کچھ ہو سو ہووے ہووے
تدبیر کا کیا حال دکھاوے روے

کچھ تفتیش احوال کی نہ کی کہ باعث خجالت اور شرمساری ان کی کا ہوگا۔ چند روز خوش و خرم باہم اور سب بات سے بے غم رہے، ایک روز میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید یہ ہمراہی میری سے، غصہ کھاتے ہوں، کس واسطے کہ اعتبار اور آبرو تاجر کی سفر سے ہے۔ پس تمامی مال اپنے کے تین حصہ کیے۔ ایک حصہ میں نے رکھا اور دو حصے ان دونوں بھائیوں کو دے کر روانہ ترکستان کا کیا اور غلام و نفر و اَسپ و اُشتر و خیمہ و خرگاہ و سایر ضروریات کے سے ہر ایک کو جدا جدا اسباب تیار کر دیا اور بلکہ قافلہ سالار سے سفارش کر کے کہ ان کو زیر سایہ اپنے کے رکھیو اور ہر چیز سے مدد و معاون رہیو، وداع کیا اور کہا۔

فرد

رخصت ہوتا ہے مرا یار، خدا کو سونپا
کیا کروں بس نہیں لاچار، خدا کو سونپا

بعد ایک مدت کے جو سوداگروں نے معاوَدت کی، میں منتظر شب و روز چشم براہ تھا کہ سب قافلہ آیا، دیکھتا کیا ہوں کہ بھائی میرے قافلے کے ہمراہ نہیں ہیں۔ ایک شخص سے جو تحقیقات احوال کا کیا تو اُن نے کہا کہ ایک بھائی تمھارا مال قمار بازی میں ہارا اور فقیر ہوا۔ اور دوسرا ایک شورہ گر کی لڑکی پر عاشق ہو کر اور سب مال اس کے پیچھے صرف کر کے بہ زبان حال یوں پڑھتا ہے:

رباعی

احوالِ دلِ خراب ظاہر تجھ پر
دل سوختہ و کباب ظاہر تجھ پر
اس پر تو جلا جلا کے مارے ہے جان
ہے اس کا خیال و خواب ظاہر تجھ پر

سننے اس ماجرائے جاں گداز کے سے از راہ غیرت کے دیوانہ ہوا اور خواب و خور اپنے اوپر حرام کی۔ بعد ازاں مال و جواہر ہمراہ لے کر بہ طریق یلغار اُس شہر میں جا پہنچا اور تحقیق کر کے انھیں بیچ فرودگاہ [۵۹۱] اپنی کے لایا اور حمام کرا کے پوشاک پہنائی اور کچھ باز پُرس نہ کی کہ باعث خجالت کا ہوگا۔ اُسی شہر میں ہر ایک کے واسطے متاع اور اَسباب خرید کیا اور تہیہ سفر کا کر کے روانہ وطن کا ہوا۔ جب کہ نزدیک آیا اُن کو دو منزل چھوڑ کر اپنے تئیں داخل شہر کا کیا اور سب سوداگروں سے کہا کہ ہمارے بھائی آتے ہیں استقبال کے واسطے تیار ہو کہ بہ عزت و حرمت تمام درچشم ہم چشماں رونق افزائے وطن مالوفہ کے ہوں کہ اس اَثنا میں ایک شخص نالہ و گریاں میرے پاس آیا اور کہا کہ کاش تمھارے بھائی اس راہ سے نہ آتے کہ از باعث شُہرہ مالیت انھوں کے، ڈاکہ اُن پر پڑا اور تمامی اموال بہ غارت گیا بلکہ کئی آدمی مارے گئے۔ میں نے پوچھا کہ وے دونوں کہاں ہیں، کہا کہ برآمد شہر کے اوپر عُریاں و برہنہ بیٹھے ہیں۔ فی الحال رخت بھیجا اور بلا کر گھر میں رکھا۔ چنانچہ چند روز بسر لے گئے ایک روز بہ طریق مصلحت کے انھوں سے کہا کہ ارادہ سفر کا درپیش رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہمراہ تمھارے روانہ ہندوستان کا ہوں۔ دونوں نے کہا کہ ازیں چہ بہتر۔ پس مع احمال و اثقال [۵۹۲] اوپر کشتی کے سوار ہوئے اور لنگر اُٹھا کر بادبان کھول دیے۔ قضایا برادراں کلاں کے تئیں ساتھ کنیزک میری کے تعشق پیدا ہوا۔ چنانچہ ان نے برادر دوسرے کے ساتھ کہ مُراد منجھلے بھائی سے ہے مصلحت کی اور کہا:

فرد

چھوٹی نہ یہ بت پرستی ہم سے حسرت
ایسا ہی ملا ہے یار اللہ اللہ

ان نے کہا کہ چھوٹے بھائی کو بیچ میں سے اٹھا ڈالیے اور عیش بے وسواس کیجیے پھر اس کنیز پر اور ہر چیز پر کہ ہم کو عزیز ہے، قابض و متصرف ہوں گے۔ صلاح یہ ہے کہ اس کے

تئیں دریا میں ڈالا چاہیے، تو گوہر مقصود کا بیچ ہاتھ کے آوے، القصہ ایک رات بیچ خواب کے سرشار تھا، برادراں کلاں نے پکارا کہ اے بھائی یہاں آوو اور قدرت الٰہی کو بہ چشم خود تماشا کرو کہ دریا میں حق تعالیٰ نے کیا کیا خلقت پیدا کی ہے کہ ایک آدمی شاخ ہائے مَرجاں ہاتھ میں لیے ناچتا اور کیا کیا تماشے کرتا ہے۔ میں بہ مجرد سُننے اس بات کے مخمور آنکھیں ملتا ہوا او پر لبِ کشتی کے آبیٹھا اور جھک کر دیکھنے لگا۔ ایک برادر نے ٹانگوں میں ہاتھ ڈال کر اور بیچ کشتی کا خرچ کر کے میرے تئیں اوندھا دریا میں ڈالا۔ ہر چند شناوری کرتا تھا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بارے ورطۂ ہلاکت میں کتّا میرے ہاتھ میں آگیا اور میں نے اپنے تئیں سبک کیا۔ پس بعد ہفت شبانہ روز کے بدستیاری اس سگ وفادار کے اوپر ساحل دریا کے پہنچا اور برائے تحصیل قوت کے افتاں وخیزاں راہ آبادی کی لی، تا آنکہ بیچ ایک شہر کے داخل ہو کر برسر بازار آن کھڑا ہوا۔ ناگاہ دو شخص بہ لباس عجمی سامنے سے نمودار ہوئے۔ شکر الٰہی کا بجالایا اور جی میں تصور کیا کہ شاید آشنا ہوں گے، چاہیے کہ رفع حاجت گرسنگی [۵۹۳] میری کریں اور رعایت ہم وطنی بجالاویں۔ جب کہ اور نزدیک آئے معلوم ہوا کہ دونوں برادر بہ جان برابر ہیں۔ میں نے دوڑ کر سلام کیا اور پاؤں پر لوٹ گیا۔ وہ دیکھتے ہی نہایت متعجب اور متحیر ہوئے۔ اتنے میں برادر میانہ یعنی منجھلے بھائی نے ایک طمانچہ میرے منھ پر مارا۔ میں برادر کلاں کے دامن میں جا چھپا اُن نے بھی ایک لات ماری۔ غرض ان دونوں بے رحم ستمگار نے میرے تیں بعد زجر و توبیخ خوب شلاق کیا۔ ہر چند خدا اور رسول کو شفیع لا کر عجز والحاح کرتا تھا، کچھ فائدہ نہ تھا۔ تب میں نے یہ بند مخمس کا حسب حال اپنے پڑھا ؎

بے وفا ہرگز وفا پر جی کے تیں لانے کے نئیں
بھول کر بھی یہ مروت کی طرف آنے کے نئیں
شیوۂ جور وجفا سے اپنے پھر جانے کے نئیں
غم ترا یہ سنگدل، اے دل، کبھو کھانے کے نئیں
اِن کی اُلفت میں نہ دل آنسو بہاوے یاں تلک

تا آں کہ خلقت اُس شہر کی جمع ہوئی اور گناہ میرا پوچھا۔ دونوں صاحبوں نے گریبان پارہ کیا اور کہا کہ یہ بد بخت ہمارے بھائی کا نوکر تھا، اُس کو دریا میں ڈالا اور مال پر خود قابض و متصرف ہوا، ہم جستجو اس کی میں مدت سے تھے آج پایا ہے۔ اس عرصہ میں چند نفر پیادہ حاکم کے کہ بیچ سرہنگی عمرو عیار سے بھی گوے سبقت کی لے گئے تھے آ پہنچے اور میرے تئیں کشاں کشاں بہ ایں حالت پریشاں و بدسلوکی براداراں وخویشاں، روبرو حاکم کے لے جا کر کھڑا کیا اور قِصاص چاہا۔ سو اشرفی کارسازی حاکم نے قبول کی کہ اس کو جی سے مارا چاہیے تا کہ عبرت اوروں کو ہووے اور کوئی شخص ایسی نمک حرامی پر جرأت نہ کرے۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ رتی میرے گلے میں ڈالی، اور سولی پر باندھا اس وقت سوائے اُن دونوں بھائیوں کے کوئی آشنا نظر نہ پڑتا تھا مگر یہ کتا کہ احوال میرا دیکھ کر ہر ایک کے پاؤں پر لوٹتا تھا۔ اور میری نظر طرف آسمان کے تھی کہ اِس وقت میں دست گیر درماندگان کوئے ناکامی و چارہ ساز بے چارگان عالم بے سرانجامی سوائے خداوند حقیقی کوئی نہیں، خیر جو کچھ کہ میری قسمت اور نصیب میں ہے راضی و شاکر ہوں بقول اس کے یہ اشعار ؎

کون ہے جز خدا کسی کا کوئی
کہ سُنے مدعا کسی کا کوئی

مادر و خواہر و زن و فرزند
نہیں ہے آشنا کسی کا کوئی

اس اثنا میں حاکم کے تئیں دردِ قولنج کا بہ شدت پیدا ہوا۔ اُس وقت ایک شخص اَعیان [۵۹۴] اُس کے سے کہتا تھا کہ بندیوانوں [۵۹۵] کو قید سے خلاص کرو تا بہ دعائے مسکیناں ومحتاجاں شفائے کامل حاصل ہو۔ فی الحال ایک خواص سوار ہوا اور گزر اُس کا طرف دار اس ناپائیدار کے پڑا۔ ریسمان [۵۹۶] میرے گلے کی شمشیر سے قطع کی اور زندان خانے میں جا کر سب بندی آزاد کیے۔ میں نے رتی گلے اپنے سے دور کی اور شکر الٰہی بجالا کے باہر آیا اور اُس شہر سے اپنے تئیں نکال کر افتاں وخیزاں بیچ ایک قریہ کے پہنچا۔ ایک فقیر اس مکان میں سکونت

رکھتا تھا۔ میں نے اس کے تئیں سلام بادَب تمام کیا اور جاتے ہی بیٹھ گیا۔ بعد ایک ساعت کے ماحضر واسطے درویش کے لائے۔ چنانچہ اُن نے کھانا میرے تئیں بھی کھلایا۔ بعد فراغ طعام کے متوجہ اوپر حال اس بے حال کے ہوکر احوال پُرسی میری کی کہ بابا کہاں سے آیا اور حقیقت اپنی کہہ۔ میں نے عرض کیا ؎

نالہ ہمارے دل کے غم کا گواہ بس ہے
دینے کے تئیں شہادت انگشت آہ بس ہے
درکار نئیں زباں سے کہنا بیان غم کا
اے آبرو ہمارا حال تباہ بس ہے

فقیر روشن ضمیر نے اوپر احوال تباہ میرے کے نہایت تاسّف کیا۔ اس عرصہ میں ایک مُرید اس کا دس تومان [۵۹۷] نذر لایا۔ فقیر نے وہ مبلغ خطیر مجھ کو دیا اور کہا یہ سرمایہ لے، خدائے تعالیٰ اس زر سے تجھے بہت برکت دیوے گا، ہو سکے تو ادائے دین کا کیجیو، وِالّا خیر، میں نے معاف کیا۔ پس میں دعائے خیر کہہ کر روانہ ہوا۔ برکت اُس دس تومان زر سے بہ شمار دہ سو روپے ہوئے۔ بعد ایک سال کے کہ پھر اُس گاؤں میں واسطے ملازمت اس فقیر کے پہنچا تھا، چالیس غلام بہ کمر مرصّع دست بستہ بیچ خدمت اپنی کے رکھتا تھا۔ مال بے شمار بیچ حضور اُس مردِ خدا کے لاکر قدم بوس حاصل کیا اور کہا کہ بہ یمن دعائے فقیراں کہ شامل حال فرخندہ مآل اس خادم الفُقرائی کے ہے، بہ ایں جمعیت اور حشمت پہنچا اور ہر چند میں نے چاہا کہ کچھ قبول کرے، ہرگز نہ لیا۔ بعد دو تین روز کے خدمت اس بزرگ کے سے روانہ ہوا۔ اور ایک شہر میں پہنچا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ خلقت بسیار جمع ہے اور ہر چہار طرف سے غُل ہو رہا ہے۔ میں نے جو سبب پوچھا تو یہ کہا کہ دو چور پکڑے گئے ہیں کہ واسطے چوری کے حاکم کے گھر میں بیٹھے تھے۔ اب ان پر سیاست ہے۔ غور کر کے جو دیکھا تو معلوم کیا کہ وے دونوں بھائی ہیں، خون برادری کمال جوش پر آیا اور حاکم کے ہاتھ سے بہ عوض مبلغ خطیر چھڑوا کر اپنے مکان پر لایا اور پوشاک پاکیزہ پہنا کر پوچھا کہ اے برادران۔ کنیز من چہ شد۔ کہا کہ

بیماری سے فوت ہوئی۔ تب میں نے از راہ اُلفت کمال کے کہا:

رُباعی

تم دور دیار ہم سے اتنا ہی رہے
دریا دریا ہماری آنکھوں سے بہے
فرمان برادری کا اس سے آگے کیا ہے
جو جو کیے جَور تم نے سو سو تو سہے

تا مدت سہ ماہ بیچ اُس شہر مینو چہر کے اتفاق رہنے کا ہوا۔ بعد اس کے وہاں سے سفر کیا اور بھائی ہمراہ تھے۔ جس وقت کہ نزدیک آبادی کے قافلہ فرود آیا وقت نماز عصر کا تھا کہ ہر دو برادر نے کہا جی چاہتا ہے کہ پیادہ پا ہو کر سیر صحرا کی کیجیے کس واسطے کہ یہاں شکارگاہ نہایت خوب ہے اور فرمانروا اس ملک کے نے تیار کروائی ہے۔ بہ موجب صلاح، انھوں کے باہم پیادہ پا روانہ ہوئے، جب کہ قریب ایک فرسخ کے نکل گئے اور اُس مکان سے کچھ نظر نہ آیا، میں نے پوچھا کہ شکارگاہ کہاں ہے، جو تم کہتے تھے۔ برادر میانی سراسر طوفانی نے کہا کہ خاطر جمع رکھ اب کوئی دم میں منظور نظر ہوتا ہے۔ تا آں کہ متصل ایک چاہ کے پہنچے۔ اتنے میں منجھلے بھائی صاحب کنویں کے سر پر آن کھڑے ہوئے اور کہا کہ ایک ایسا ہی تماشا عجیب اس میں نظر آتا ہے کہ ساری عمر نہیں دیکھا ہے۔ اِشتعالک اُس کی سے برادر کلاں نے دوڑ کر ملاحظہ کیا اور کہا کہ واقعی اس قسم کا عجائبات آج تک نظر نہیں پڑا۔ سبحان اللہ آدمی سے بھی کچھ نہیں بچا ہے۔ یہ کلام سراسر ایہام سُن کر میں بھی از راہ سادگی اور محبت برادرانہ کے پچھلی بدسلوکیاں ان کی بھلا کے اور اعتماد ان کے کلام پر لا کے متوجہ طرف چاہ کے ہوا۔ جو میں جھانک کر دیکھتا ہوں، تو سوائے تاریکی کے کچھ نظر نہ پڑا۔ یہ کہا چاہتا تھا کہ مجھ کو سوائے اندھیرے کے کچھ نظر نہیں آتا ہے کہ ہر دو برادران نے بہ قصد تمام میرے تئیں کنویں میں ڈھکیل دیا۔

فرد

چہ چوں گور، ظالم تنگ و تیرہ
ز تاریکیش چشمِ عقل خیرہ

وہ چاہ اس واسطے تھا کہ جو بادشاہ اس ولایت کا کسی پر پُر غضب ہوتا تو اُس کو کنویں میں ڈلوا دیتا۔ وہ شخص اجل گرفتہ چند روز میں بھوکا اور پیاسا جان بحق تسلیم ہوتا۔ پس اُن دونوں نابکاروں نے قافلے میں جا کر اظہار کیا کہ بھائی کو بھیڑیا لے گیا۔ سُننے اس حادثہ جاں گزا کے سے اکثر دوستوں نے تاسّف اور حسرت کر کے کوچ کیا۔ اس وقت بے کسی میں یہ سگ وفادار کہ ہمراہ آیا تھا۔ برسر چاہ اقامت پذیر رہا اور قاعدہ یہ مقرر کیا کہ ہر پگاہ[598] کو شہر میں جاتا اور وجہ قوت اپنا لاتا اور مجھ کو بھی پہنچاتا۔ ایک پیرزال[599] اُس نواح میں رہتی تھی، اور اتفاقاً چند سبوچے پُر از آب اُس کے دھرے تھے یہ کُتّا اُس کے نزدیک جا کر لوٹا اور اشارہ پانی کا کیا۔ پیرزن نے ایک ظرف سفالی[600] میں پانی بھر کے روبرو اُس کے دھرا۔ کتا متوجہ آب نوشی کا نہ ہوا اور دامن اُس ضعیفہ کا منہ میں پکڑ کر اشارہ طرف چاہ کے کیا۔ اُن نے قرینہ عقل سے دریافت کر کے کہا کہ شاید کوئی شخص کنویں میں مقید ہوا ہے۔ ایک ڈول اور رسّی لے کر وہ نیک بخت، برسر چاہ آئی اور ڈول پُر آب تہہ کنویں میں چھوڑا اور وہ کُتّا عَف عَف کرنے لگا۔ میں متوجہ طرف بلندی کے ہوا اور ڈول پُر از آب سے پانی پیا اور شکر بدرگاہ کارساز بے نیاز بجا لایا۔ چنانچہ مدت شش ماہ اسی وطیرے سے گزارے ایک روز ایک شخص کو لائے اور کنویں میں ڈالا۔ وہ اجل گرفتہ ایسا ہی بے ضرب گرا کہ دو سہ پہر میں انتقال کر گیا۔ وقت نیم شب کے ایک ریسمان کنویں میں جو آئی، دیکھتا ہوں کہ ایک خوان طعام ایک سبوچہ پُر از آب اُس میں بندھا ہے، میں نے وہ کھانا نوش جان کر کے پانی پیا۔ اور رسّی کو حرکت دی اوپر والوں نے کھینچ لی۔ باقی جو کچھ پس خوردہ رہا تھا اُن خدمت گاروں نے کھایا اور کتّے کو بھی کھلایا۔ ایک مہینہ تک اسی طور سے گزران کرنے کا اتفاق ہوا۔ ایک

روز شب کے وقت، آدھی رات میں کسی شخص نے رسّی ڈالی اور بہ آواز ملائم کہا کہ اے غریب بے چارہ ستم رسیدہ سرِ ریسمان کو کمر اور ہاتھ اپنے سے مستحکم باندھ۔ میں سُننے اس مژدہ راحت افزا کے سے نہایت خوش ہو کے شکر بدرگاہ الٰہی بجالایا اور جی میں کہا کہ شاید زمین کی سیر کوئی روزوں اور بھی قسمت میں ہے اور وہیں رسّی کو اوپر اپنے لپیٹا اور اُن نے کھینچ لیا اور میں اوپر آیا۔ فی الفور رسّی کو کھول کے اُن نے میرے تئیں ہمراہ لیا۔ ایک جا پر دو راس اَسپ ویَراق حاضر کیے تھے، ایک پر آپ سوار ہوا اور دوسرے پر مجھ کو سوار کیا اور تمام شب مسافت بعید قطع کی۔ جس وقت کہ خاتون شب کی پلنگ پر سے اُٹھ کے بیچ خلوت خانے مغرب کے گئی اور تُرک خورشید کا بیچ میدان صحرا کے پرتو انداز ہوا۔ شعر

نپٹ یہ ماجرا یارو کڑا ہے
مسافر دشمنوں میں آ پڑا ہے
خدا حافظ ہے میرے دل کا یارو
کہ پتھر سے یہ شیشہ جا بھڑا ہے
برنگِ ماہی بے آب نِس دن
سجن میں دل ہمارا تڑپھڑا ہے
کرے کیا آبرو کیوں کر نہ رووے
رقیباں کے صنم بس میں پڑا ہے

اُس سوار ستم شعار نے، میری طرف نگاہ تُند سے دیکھا اور تلوار نکال کر قصد ہلاک میرے ایک وار چلایا۔ میں اُس کی ضرب کو بچا کر گھوڑے سے اُترا اور قدموں پڑا اور نہایت عاجزی سے گڑگڑایا کہ میرے مارنے سے کیا حاصل ہوگا۔ مثل ہے، بگلا مارے پکھنا ہاتھ۔ تب اُن نے کہا کہ اے کمبخت وہ جوان کہاں ہے کہ جس کے واسطے تخت سلطنت کا چھوڑ کر آوارہ دشت ادبار کی ہوئی ہوں۔ میں نے دریافت کر کے کہا کہ اے نازنین وہ جوان اُسی روز جنّت نصیب ہوا تھا۔ یہ طعام اور آب ہر روزہ میں تناول کرتا تھا اور تم کو دعا

دیتا تھا اور اس قدر جزع وفزع[۲۰۱] عمل میں لایا کہ اُن نے میرے حال پر رِقت کی اور کہا کہ سوار ہو وقت فرصت کا نہیں ہے۔ تمام روز افسوس و دریغ کیا اور میری طرف رُخ توجہ کا نہ فرمایا۔

فرد

آنچہ دلم خواست نہ آں می شود
ہر چہ خدا خواست ہماں می شود

تا آں کہ آفتاب مغرب میں گیا اور ایک مکان پر طرح اقامت کی ڈالی۔ اُس نے از راہ مہربانی کے احوال میرا پوچھا۔ میں نے جو کچھ کہ راست بہ راست تھا گزارش کیا۔ تب ملکہ نے مُجھ سے فرمایا کہ سُن، اے عزیز میں دختر روشن اختر فرماں روائے زیر آباد کی ہوں۔ ایک روز نظر میری، خلف الصدق وزیر اعظم کے اوپر پڑی۔ بہ ہزار جان و دل فریفتہ اور عاشق اس کی ہوئی، اور دایہ[۲۰۲] محرم اسرار اپنی سے کہا۔ شعر

مرتی ہوں میرے حال پہ دایہ نظر کرو
ٹک جا خدا کے واسطے اُس کو خبر کرو
بے کس کو بس میں کرکے، سو تم مارتے ہو کیوں
وہ کچھ نہیں، خدا کا، تو تھوڑا سا ڈر کرو
اے نالہ ہائے شوق اگر تم میں درد ہے
اُس بے وفا کے دل میں تو جا کر اثر کرو

مبلغ نمایاں اور زرِ بسیار کارسازی میں خرچ کیے۔ تا کہ خلوت میں بُلا کر مقصد حاصل کیا، چنانچہ ہر شب اتفاق ملاقات کا ہوتا تھا۔ ایک رات اُس کو پاسبانوں نے التباس شب رَو میں پکڑا اور بادشاہ کے حضور میں لے گئے، بہ سبب اس کے کہ شب میں پہچانا نہیں کہ پسر

وزیر ہے۔ بادشاہ نے حکم قتل کا فرمایا۔ بعد از شفاعت ہوا خواہان فرمایا کہ بیچ چاہ سلیمانی کے ڈالیں۔ میں شکر الٰہی بجالائی کہ یار میرا مارا نہ گیا اور میں رسوائے خاص و عام نہ ہوئی۔ ہر روز آب و طعام بھیجتی تھی کہ گرسنگی سے ضائع نہ ہو۔ ایک رات میری خاطر میں گزرا کہ زندگی بے یار حیف ہے۔ شعر

جان میری پر سزا ہے جو کہ گزرے ہے عذاب
یار سے ہو کر جدا پھر زندگانی حیف ہے

فی الحال دو راس اسپ باد پائے سبک رفتار اور سلاح پاکیزہ اور دو کُرجین پُر از زر و جواہر لے کر بر سر چاہ آئی اور اُس عزیز کو نہ پایا لیکن نصیبے تیرے نے یاوری کی کہ مجھ سی شخص با دولت وز میسر آئی۔ یہ کہہ کر نان و کباب نکالا اور باہم ناشتہ کیا اور شب و روز راہ طے کر کے ایک شہر میں آکر طرح سکونت اختیار کی اور وہ آپ مسلمان ہوئی اور میں نے بہ موجب شرع کے نکاح کیا۔ صندوقچہ زر و جواہر پاس اپنے رکھ کر دوکان جواہر فروشی کی لگالی۔ تا آں کہ در اندک فرصت مشہور و معروف ہوا۔ ایک روز بازار میں اژدحام نظر آیا۔ بعد تحقیقات کے معلوم ہوا کہ دو نفر عجمی بہ تہمت دزدی گرفتار ہیں اور خون کے قصاص کے امیدوار ہیں، آگے جا کر دیکھتا ہوں تو برادران عزیز از جان سلمہ الرحمن ہیں اور بہ خواری تمام سر و پا شکستہ و دست بستہ مجروح و خستہ زمین پر گھسیٹتے ہوئے لاتے ہیں۔ میری آنکھوں میں جہاں تاریک ہوا اور اشک خونیں، دریچہ چشم سے جاری ہوئے، ملازمین حاکم کو ایک مشت دینار دیے کہ صبر کرو تا کہ میں سوال و جواب ان کا کروں اور میں بہ تعجیل تمام، حاکم کے پاس آیا اور یک دانہ قیمتی کہ سابق ازاں بہ قیمت یک صد تومان حاکم لیا چاہتا تھا اور میں راضی نہ تھا کہ کارسازی میں دے کر اُن کے چھڑانے کا پیغام کیا۔ حاکم نے کہا اگر مدعیوں کو راضی کرو تو انکی جاں بخشی ہوگی، وِالّا معلوم۔ تب میں نے پانسو تومان اُن کو دیے اور ان کو لے کر گھر آیا۔ اب کی دفعہ عورت اپنی کو چھپایا، کہ مبادا یہ شیطان ہیں کچھ خلل کریں۔ سر اپنا ان کے پاؤں پر ڈال کر نہایت عجز کیا اور شبانہ روز بیچ خدمت گاری کے حاضر رہا تا یک سال احوال بدیں منوال

گزرا۔ ایک روز خورشید آسمان دلبری کی حمام میں جا کر نہا آئی، مگر غافل ازیں کہ ہر دو مرد مردانے گھر میں ہیں چادر سر سے دور کی۔ برادر میانہ کی نظر جیوں ہی کہ اُس کے قدو قامت پر پڑی تفنگ عشق کی جگر کے پار ہوئی اور پیچ تلاش ہلاکت میری کے مستعد ہوا۔ چنانچہ ایک رات کو یادِ وطن کی کر کے آہ سرد دل پُردرد سے برلایا اور کہا کہ پردیس کی بادشاہی پر وطن کی گدائی فخر رکھتی ہے میں نے کہا کہ خوب کہتے ہو، مجھ کو بھی اشتیاق وطن کا سلسلہ جنباں ہے۔ بارے اَندک فرصت میں تیاری کر کے روانہ ہوا۔ ایک منزل میں منجھلے بھائی صاحب بولے کہ اگر مقدور ہوتا تو ایک مقام کرتے کہ فضا اس سیر کی نہایت دلچسپ ہے۔ میں نے پوچھا کہ تم نے کیوں کر جانا، کہا کہ ایک دفعہ ہمارے تئیں اتفاق اس راہ کا پڑا ہے۔ یہاں سے ایک فرسخ پر ایک چشمہ واقع ہے کہ آب زُلال اُس کا یاد از سَلسبیل[۶۰۳] و تسنیم بہشت کی سے دیتا ہے اور گل و اشجار اُس کے کام عطر گل کا کرتے ہیں کہ روضۂ رضوان اور فردوس الجنان پر فخر رکھتا ہے۔ میں نے قافلے میں صلاح اقامت کی دی اور کوچ موقوف کیا۔ وقت صبح کے کہ ہنوز روشنی کامل نہ ہوئی تھی، ہر دو برادر مسلّح اور مکمل ہو کر کہنے لگے کہ وقت بہار کا ہاتھ سے جاتا ہے۔ شتاب روانہ ہوجیے کیونکہ دھوپ میں کچھ لطف نہیں۔ جس وقت کہ میں نے سواری طلب کی اُس وقت کہا کہ پیادہ پا بڑا لطف ہے اور مکان بھی متصل ہے، کچھ احتیاج سواری کی نہیں۔ ہم تینوں بھائی اور یہ کتّا اور دو غلام مع حقہ و قہوہ طرف صحرا کے روانہ ہوئے، اور تیر اندازی کرتے ہوئے متصل ایک باغ کے آئے۔ اتنے میں ایک غلام کو کسی کام کے بہانے طرف قافلے کے بھیجا۔ جب کہ اس کو دیر لگی، دوسرے کے تئیں اُس کے بلانے کو روانہ کیا۔ اس عرصہ میں مجھ کو احتیاج قضائے حاجت درپیش آئی۔ ایک جھاڑ کے نیچے بیٹھ کر متوجہ و مشغول استنجے کا ہوا کہ یکایک برادر کلاں نے سر پر پہنچ کر ایک تلوار ماری کہ تا بناگوش[۶۰۴] پارہ کیا۔ میں کہ یہ کہتا ہی تھا کہ اے ظالم یہ ظلم ناحق کیا ہے، کہ دوسرے نے دوڑ کر اوپر پشت کے تلوار ماری کہ بے ہوش و خموش ہو کر گرا۔ اس کتے نے کئی ایک زخم پنجے و دَندان تیز تر از نوک سَنان سے اُن کو زخمی کیا اور اُن کے ہاتھ سے آپ بھی زخمی ہوا۔

القصہ برادران بے ایمان نے از راہ مکر وفریب کے ایک ایک زخم ہلکا سا اپنے بدن پر لگا کے اور پارچہ پوشیدنی[۶۰۵] اپنے خون میں سرخ رنگ کر کے قافلے میں جا کر کہا کہ قزّاق بدذات درعین سیر وطیر ہمارے سر پر آئے اور جنگ عظیم واقع ہوئی۔ چنانچہ ایک بھائی مارا گیا اور ہم زخمی وخوار یہاں تک آئے۔ اُس ملکہ زیر آباد نے کہ حقیقت اُن کی سے خوب مطلع نہ تھی اپنے تئیں بہ ضرب خنجر ہلاک کیا اور یہ دونوں شخص مکر وخدع[۶۰۶] سے روتے تھے اور بہ زبان حال کہتے تھے ؎

عجب نصیب ہمارے ہیں اس دیار میں ہائے
پڑے ہیں دام میں صیاد کے بہار میں ہائے
تو کچھ تو درد ہمارا بھی اب سمجھ ساقی
کریں ہیں بادہ پرستی کے ہم خمار میں ہائے

آخر کو یہ دونوں صاحب مال ودولت ہمراہ لے کر ساتھ قافلے کے روانہ ہوئے اور میں مجروح جنگل میں بے ہوش پڑا تھا۔ اس عرصہ میں دختر بادشاہ فرنگ کی برائے سیر باغ با مہوشان گُل اندام کے پہنچی اور حقیقت احوال میرا دیکھ کر سواری کھڑی کی اور فرنگی جرّاح اُستاد کامل کو بلا کر امیدوار انعام کا کیا اور کہا کہ بیچ غسل صحت اس کی کے جس قدر جلدی کرے گا، مورد عنایات بے غایات کا ہوگا۔ اُس مردِ جرّاح نے زخموں کو دھو کر بخیہ کیا اور مرہم لگایا اور وہ ملکہ شفیقہ ہر روز دو تین بار واسطے خبر گیری میری کے تشریف لاتی اور شوربائے مرغ، اپنے ہاتھ سے پلاتی اور اکثر کہتی کہ کس ظالم وستمگار، جفا کار، مردم آزار، نے یہ ظلم و ستم روا رکھا ہے۔ بُتِ بزرگ سے نہ ڈرا۔ القصہ بہ فضل شافی مطلق درعرصہ یک ماہ بہ حالت اصلی درست ہوا اور وہ نازنین مہ جبین ایک آہ جاں سوز وجگر دوز سینہ سے بر لا کر تفحص احوال میری پر متوجہ ہوئی۔ میں نے مفصل حقیقت اپنی گزارش کی فرمایا کہ کچھ غم نہ کر۔ جس وقت عاشق آفتاب کا بیچ کوچہ مغرب کے گیا اور معشوق ماہ تاب، بیچ صحن سما کے جلوہ پرداز ہوا، بیچ نصف شب کے اپنے تئیں میرے پاس پہنچایا اور میں ہر توجہ سے بیچ خاطر داری ودل جوئی

اُس کے مُقصر نہ تھا اور گلشن وصال اُس پری تمثال کے سے گل کامیابی کے چُنتا۔ چنانچہ دایہ اُس کی بھی اس راز پر مطلع ہوئی۔ ایک روز وقت شب کے وہ ملکہ جادوادا خورشید لقا در حضور پُرنور والد بزرگوار اپنے کے تشریف رکھتی تھی اور میں فرصت کو غنیمت جان کر گوشۂ باغ میں بیچ ادائے قضائے نماز کے مشغول تھا کہ ناگاہ وہ ملکہ خدمت پدر کے سے مُرخص ہو کر اوپر بستر خواب کے آ بیٹھی اور دایہ سے کہا کہ وہ کم مایہ آج فرصت پا کر ساتھ کسی خواص[۲۰۷] کے ہوگا، دیکھوں تو کہاں ہے اور کیا کرتا ہے۔ اس تلاش میں اُٹھ کر روبرو میری آئی اور طرز عبادت میری کا دیکھ کر تعجب کرتی تھی کہ یہ دیوانہ ہو گیا، اُٹھا بیٹھی کر رہا ہے۔ جس وقت کہ میں نے فرض سنت ونفل سے فارغ ہو کر دست دعا کا بیچ جناب حضرت قاضی الحاجات کے اٹھا کر ساتھ گریہ وزاری کے مناجات پڑھی، ملکہ قہقہہ مار کے ہنسی اور کہا کہ اے مرد عجمی دیوانہ ہوا ہے۔ میں بجائے خود خشک وہراساں ہو گیا۔ معشوقہ آگے میرے آئی اور پوچھا کہ کیا کرتا تھا، دایہ نے کہا کہ یہ مرد مسلمان، خدائے نادیدہ کی پرستش کرتا ہے، ملکہ برہم ہوئی اور کہا کہ پس دشمن اپنا بغل میں پالتی ہوں۔ یہ کہہ کر از راہ غم وغصہ کے میرے پاس سے اُٹھ گئی۔ میں بھی اپنے حجرہ میں آیا اور دروازہ بند کر کے بیچ نماز کے مشغول رہا۔ دو روز کے بعد شب سویم کو نشۂ شراب میں سرشار آئی اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اور پیالہ پی کر دائی سے کہا کہ یہ شخص، بیچ غضب بُت بزرگ کے گرفتار ہو کر زندہ ہے یا مردہ۔ دائی نے کہا کہ رمقے از جان باقی دارد۔ کہا کہ ہر چند نظروں سے گر گیا ہے لیکن یہ اس سے کہہ کہ باہر آوے۔ میں بہ مُجردِ طلب مست غضب کے سراسیمہ دوڑا گیا اور سلام کر کے ایک طرف کو کھڑا ہوا۔ بعد ایک ساعت کے خشمگیں نظروں سے دیکھ کر دائی سے کہا کہ اگر میں اس کو مار ڈالوں تو بت بزرگ مجھ سے راضی ہووے۔ دائی نے کہا کہ یہ بہتر ہے مگر یہ بات بت بزرگ ہی پر موقوف رکھیے۔ تب ملکہ نے یہ فرمایا کہ اس کو کہہ کہ بیٹھے۔ میں بہ موجب ارشاد کے بیٹھ گیا۔ ملکہ نے دائی سے کہا کہ اس کو شراب دے کہ وقت مرگ کے سختی نہ دیکھے۔ دائی نے ایک جام پر از شراب گلفام میرے تئیں دیا۔ جس وقت کہ اُس کے پینے سے دماغ میرا گرم ہوا از راہ

دلیری کے برسرِ سخن آیا اور کہا:

فرد

دلم بردی و دلداری نہ کردی
غم دادی و غمخواری نہ کردی

یہ سن کر زیرِ لب خندہ کیا اور کہا کہ اے دائی، شاید تجھ کو نیند آتی ہے۔ اُن نے ازراہ عقل دریافت کر کے کہا کہ واقعی ملکہ کو صاحب کرامات کہا چاہیے۔ دعاوثنا کہہ کر اُٹھی اور محل خواب گاہ اپنی میں جا کر سو رہی۔ ملکہ نے بعد ایک لمحہ کے پیالہ مانگا، میں نے پُر کر کے دیا۔ جس وقت شراب پی کر پیالہ میرے تئیں دینے لگی، میں نے بوسہ او پر دست مبارک کے دیا اور پیروں پر پڑا۔ نازنین صنم نے ہاتھ جھاڑ کر کہا کہ اے جاہل، بت بزرگ سے کیا بدی دیکھی کہ پرستش خدائے نادیدہ کی کرتا ہے میں نے کہا کہ اے سرخیلِ معشوقانِ طناز پرستش اس خدائے بے ہمتا کی کرتا ہوں کہ تجھ سا گل بیچ گلزار جہاں کے نشوونما کیا ہے اور مجھ سے بیچارے کے تئیں، اسیر طرۂ تابدار تیری کا کیا ہے اور تیرا بت بزرگ کیا بلا ہے ایک سنگ تراشیدہ بے حس وحرکت ہے کہ جس کی پرستش سے نہ فائدہ دین کا نہ دنیا کا، جس وقت عبادت معبود حقیقی کی کرے گی اور اس راہ ضلالت سے کہ ازرہ گمرہی تیری کے ہے، نکلے گی، معلوم ہوگا کہ عبادت الٰہی کیا اثر رکھتی ہے۔

فرد

مر او را رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

جس وقت میں نے دیوان معرفت الٰہی کا کھولا واز دلائل قاطع وحجت ساطع وحدانیت سے آگاہ کیا، تب ان نے بہ صدق دل کلمہ طیبہ زبان پر جاری کیا اور تا صبح روتی واستغفار کرتی

رہی اور فرمایا کہ والدین میرے کافر ہیں، اس کا کیا علاج ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اُن کے کفر و اسلام کی باز پرس تجھ سے نہیں ہونے کی۔ کہا کہ میں نامزد پسر عمّو کی ہوں، اگر وہ مجھ سے نزدیکی کرے گا تو نطفہ کافر کا پیٹ میں قرار پکڑے گا۔ اِس واسطے ایک ترکیب میرے ضمیر پر آئی کہ فکر بھاگنے کی کیا چاہیے تا اس تہلکہ سے خلاص ہوں لیکن چند روز مفارقت میری اختیار کرنا از جملہ واجبات ہے۔ قافلۂ سوداگران میں جا کر مقام کر، میں دائی کو ہر روز واسطے خبر تیری کے بھیجوں گی اور جواہر گراں بہا تجھ تک پہنچا دوں گی، جس وقت کہ سوداگرانِ بلادِ عجم کے از راہ دریا کے مسافت کریں، تو بھی تیاری اپنی کر کے مجھ کو اطلاع دے تو میں رات کے تئیں تن تنہا تیرے پاس پہنچوں گی، میں نے کہا فدایت شوم، بہتر ہے۔ دایہ کے ساتھ کیا کروں گی۔ کہا ؎

وہم جامے کہ باجانش ستیزد
کہ تا روزِ قیامت بر نہ خیزد

وقت صبح یک مُشت زر سرخ میرے تیں دے کے روبرو دایہ کے رخصت فرمایا اور میں مفارقت کر کے بادل پُرحسرت خدمت اس کی سے مرخّص ہو کے بیچ کارواں سرائے کے آیا۔ تب ایک کوٹھری لے کر شب و روز بیچ فراق اُس دلفریب کے ماہ و سوز خونِ جگر کھاتا تھا۔ ایک مدت پیچھے سوداگروں نے از راہ دریا ارادہ وطن کا کیا۔ جس وقت کہ مجھ کو کہا، کہ تو بھی تیاری اپنی کر، میں نے واسطے رفع تہمت کے کہا مگر کس سرمایہ پر ارادہ کروں، بقول آں کہ اوچھی پونجی خصمی کھائے۔ تب انھوں نے کہا کہ اس کفرستان میں کب تلک رہے گا، میں نے کہا کہ خوب اگر تم ایسا ہی کہتے ہو تو ایک میں اور ایک لونڈی اور ایک کتا اور ایک صندوقچہ یہ کچھ بساط ہے۔ میرے لایق جہاز میں جگہ مقرر کیجیو، میں شہر میں جا کے اور اسباب لا کے تمھارے ساتھ ہوتا ہوں۔ سبھوں نے متفق ہو کر کہا کہ جلد جا کر اسباب اپنا لا۔ چنانچہ لباس خواب کا اور کتّا جہاز میں سوار کیا۔ جو معلوم ہوا کہ وقت صبح کے بادبان بلند ہوگا رُفقائے سفر سے مُرخّص ہو کر شہر کو آیا کہ کنیز اپنی کو لے آؤں۔ وہاں سے شہر میں آ کر دائی

سے کہا کہ اے مادرِ مہربان واسطے رخصت ہونے کے تیری خدمت میں آیا ہوں، اگر بہ توجہ عالیہ یک مرتبہ دیدار ملکہ کا نصیب ہو تو بعید اشفاق کے نہ ہوگا اور یہ بندہ بے درم خریدہ ہو کر خطِ غلامی کا نقوش خاطر عقیدت مآثر کے رکھے گا۔ دائی نے از راہ مہر وَرزی کے نظر اوپر حال تباہ میرے کر کے فرمایا کہ فلانی جا پر متصل حرم سَرا کے اقامت پذیر ہو، میں خبر کر کے بلا دوں گی۔ چنانچہ اندرون دولت سرائے اُس بدیع الجمال نیکو خصال کے دائی نے اظہارِ عرض اور شیفتگی میری کا کیا ملکہ درمیان لوگوں کے راضی نہ ہوئی اور جواب صاف دیا۔ لیکن بیچ نصف شب کے سب کو رخصت کر کے صندوقچہ جواہر بے بہا کا لے کر بغل میں برآمد ہوئی۔ میں جو منتظر آمد آمد کا تھا، دیکھ کر نہایت شاد ہوا اور صندوقچہ اس کے ہاتھ سے لیا۔ دونوں باہم جلد قدم اُٹھا کر وقت نور کے دریا پر پہنچے اور سوار ہوئے۔ ملاحوں نے لنگر اُٹھا کر بادبان بلند کیا اور شَلَک توپ [۲۰۸] کی سر دے کر جہاز روانہ ہوا۔ از بس خوشی سے کہ گویا فرمان دہی ہفت اقلیم پر دست رس پایا، خوش و خرم چلے۔ تا چاشت بہ سُرعت اتم کشتی چلی جاتی تھی کہ سمت بندر [۲۰۹] کے سے صدا توپ کی سرزد ہوئی۔ القصہ جس وقت بادشاہ کو خبر ہوئی کہ دائی موئی پڑی ہے اور ملکہ غائب ہے، سنتے اس حقیقت کے سے حکم والا صادر ہوا کہ مُستحفَظان طرق [۲۱۰] وشَوارِع [۲۱۱] جزایر وبَنادر [۲۱۲] کو فرمان عالی پہنچے کہ تفحص وتجسس کریں اور جتنے تاجر و مسافر کنیزک خوبرو رکھتے ہوں لا کر نذر گزرانیں، جو کنیز کہ سرکار والا لیویں گے اس کی قیمت عنایت ہوگی اور باقی بجنسہ پھیر دی جائیں گی۔ سوداگروں نے کنیزکیں خوبرو صاحب جمال خرید کر واسطے محصول و کرایہ جہاز کے صندوقوں میں چھپائی تھیں اور میں نے بھی اُس گرامی گوہر کو ایک صندوق میں رکھا تھا۔ یکایک کشتیوں پر فوج ملازمان شاہ بندر کہ نواح دیگ تھا آن پہنچے اور کہا کہ کنیزکیں جہاں تک لی ہیں، قیمت اُن کی کہو اور سب کنیزکیں لے چلو۔ جو کنیزک کہ بادشاہ پسند کر کے رکھیں گے، قیمت اُس کی ملے گی اور باقی پھیر آویں گی۔ چنانچہ ہمراہ سب کنیزکوں کے معشوقہ میری کو بھی لے گئے۔ شام کے وقت سب کنیزکیں پھیریں مگر مجھ برگشتہ طالع کی معشوقہ پسند کر کے رکھ لی۔ جس وقت کہ، میں مفارقت اس کی

سے متردد اور متفکر ہوا سب سوداگروں نے کہا کہ تجھ کو قیمت اُس کی سے دو چند دیتے ہیں کچھ غم و غصہ نہ کر۔ میں راضی نہ ہوا اور وہاں سے پھر کر شہر میں آیا۔ وقت شب کے جانبازی کر کے بیچ دولت سرائے شاہ بندر کے پہنچا اور ہر چند جستجو کی نشان نہ پایا اور مدت ایک ماہ تک کوچہ گردی کی، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تا آں کہ ایک روز، بیچ حویلی وزیر کے آیا اور ہر چہار طرف نگاہ کی، وہاں بھی سراغ نہ ملا، مگر ایک بدرود دیکھا کہ چند **سیخچے** [۶۱۵] آہنی اُس کے دہانے پر لگے ہیں فی الفور ایک حربہ معقول پیدا کر کے، وقت شب میں **سیخچے** توڑے اور مثل سگ کے تنگ ہو کر در آیا اور ہر چہار طرف کھوج کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک باغیچہ میں، نیچے ایک درخت کے بہ آواز حزیں دعا بیچ جناب حضرت مُسبّبُ الا سباب کے مانگتی ہے کہ الٰہی میں مسلمان ہوئی اور تجھ کو پہچانا۔ جس شخص کے سبب سے یہ دولت ایمان کی نصیب میرے ہوئی اس سے ملا، بہ تصدق حضرت پیغمبر و پنجتن پاک دوازدہ امام و چہاردہ معصوم کے، میں یہ سُن کر آواز پر چلا اور جا کے قدمبوس ہوا۔ بارے اُن نے دیکھتے ہی بہ اشتیاق تمام گلے لگایا اور حقیقت پوچھی۔ میں نے جو کچھ کہ تھا ظاہر کیا۔ اُس ماہتاب آسمان، شہریاری کے نے کہا کہ وزیر نے لونڈیوں میں مجھ کو پسند کر کے رکھ لیا اور باقی کنیزکیں حضور میں لے گیا۔ بادشاہ نے ان میں مجھ کو نہ پایا، سبھوں کو پھیر دیا۔ اب میں یہاں گرفتار رنج و مصیبت کی ہوں۔ ہر چند کہ چاہتی تھی، اپنے تئیں ہلاک کروں مگر پس و پیش مترصد لطائف غیبی کی تھی، بارے اب تجھ کو دیکھا تو خاطر جمع ہوئی اور اب ایک فکر اور کیا چاہیے کہ جس سبب سے اغلب ہے کہ اس قید سے چھوٹوں اور تیرے ہاتھ آؤں۔ تب میں نے پوچھا کہ وہ فکر کہو کیا ہے۔ کہا کہ بُت بزرگ کو دیکھا ہے، میں نے کہا کہ البتہ نام سُنا ہے۔ کہا کہ دستور ہے کہ جس شخص پر کچھ ستم ہوتا ہے یا کوئی اسے ستاتا ہے، وہ شخص لباس سیاہ پہن کر بت خانہ میں جا بیٹھتا ہے بعد اس کے جو لوگ کہ واسطے زیارت کے آتے ہیں، اُسے بھی کچھ دیتے ہیں اور روز چہارم، ایک خلعت سرکار سے مرحمت کر کے رخصت کرتے ہیں۔ تو جا کر وہاں بیٹھ۔ زائر وہاں کے مال و متاع بسیار تجھ کو دے کر رخصت کریں گے۔ تو ہرگز قبول نہ کیجیو اور کہیو

کہ مجھ کو مال درکار نہیں۔ آیا ہوں کہ درد میرا پوچھو اور دوا کرو۔ و الّا یہیں رہ کر عید کے روز اپنے تئیں قربانی کروں گا۔ داد مجھ عاجز غریب کی بُت بزرگ لے گا اور مادر برہمناں، ایک پیرزال کہ یک صد و ہیجدہ [۱۱۶] سال سن اُس ناپاک کے سے گزرے ہیں اور چھتیس بیٹے رکھتی ہے اور تمامی برہمن اور سکنہ فرنگ کے اُسے محبوبہ بُت بزرگ جانتے ہیں۔ جس وقت کہ وہ آوے یا تجھ کو بُلاوے دامن اُس کا نہ چھوڑیو اور گریہ وزاری اس قدر عمل میں لائیو کہ احوال پرستی تیری کرے تب اُس وقت کہیو کہ میں مرد عجمی ہوں آوازہ عدل و انصاف تمھارے کا سُن کر واسطے طواف بُت بزرگ کے آیا تھا شاہ بندر نے عورت میری کو لیا ہے اور عاشق اس کا ہو کر گھر میں رکھا ہے اور قاعدہ ہمارا یہ ہے کہ اگر ہاتھ مرد نامحرم کا عورت ہماری کے لگے ہم پر لازم ہے کہ اس کو جان سے ماریں تب کھانا پینا حلال ہو اور جب تک وہ جیتا رہے، طعام ہم پر حرام ہے۔ یہ کہیو دیکھیو فضل الٰہی سے کیا ہوتا ہے۔ القصہ نازنین کو وداع کیا اور خدا کو سونپا۔

فرد

رخصت ہوتا ہے مرا یار، خدا کو سونپا
کیا کروں بس نہیں لاچار، خدا کو سونپا

بیچ دیو ہرہ کے آ کر مکان مذکور میں اقامت کی۔ تین روز گزرے اس قدر زر و زیور اور لباس جمع ہوا کہ حد قیاس سے باہر تھا۔ چوتھے روز برہمن موجب قاعدہ مستمرہ کے آئے اور خلعت فاخرہ دلائے اور تکلیف رخصت کی کی۔ میں نے قبول نہ کیا اور فریاد برلایا کہ اے ساکنانِ عتبہ [۱۱۷] بلند رتبہ میں واسطے گدائی کے نہیں آیا بلکہ دادخواہی کو آیا ہوں اور حضور بُت بزرگ کے اپنا ماجرا لایا ہوں اور مادر برہمناں سے کچھ کہا چاہتا ہوں۔ جس وقت کہ حقیقت احوال میری کی بیچ خدمت اُس پیرزال کے گزارش کی بندہ کو حضور طلب کیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک تخت مرصع پر بُت بزرگ یا جواہر گراں بہا و لباس ہائے فاخرہ و مروارید بیش

بہا پہنے ہے اور آگے دست بزرگ کے ایک تختہ کہ زر سے آراستہ کیا ہے اُس پر مادر برہمناں بیٹھی ہے اور وہ طفل دہ سالہ دوازدہ سالہ چپ وراست اس کے حاضر ہیں اور اس کے ساتھ پیچ عیش اور بازی کے مشغول ہیں۔ میں نے روبرو آکر پایۂ تخت کو بوسہ دیا اور بہ موجب تعلیم اُس ملکہ عاقلہ کے عمل میں لایا اور بہ گریہ وزاری تمام دامن اُس کا پکڑا جب اُن نے احوال میرا سنا کہا کہ اے عجمی مگر تم عورت اپنی کو تنہا رکھتے ہو اور کہتے ہو کہ دوسرے کا ساجھا مطلق نہ ہو۔ میں نے کہا کہ آرے[618]۔ یہ عیب ہم میں مقرر ہے۔ کہا کہ عیب نہیں، یہ خوب قاعدہ ہے۔ پھر پوچھا کہ حاکم بندر کون ہے؟ بیٹے اور خادموں اُس کے نے کہا کہ فلانا شخص ہے۔ اس کا نام سُن کر بہت برہم ہوئی اور کہا بڑا مَرْدَک[619] ہے۔ دونوں فرزند اپنے کو فرمایا کہ سوار ہو کر بارگاہ فرمانروا میں جاوو اور کہو کہ اے غافل وجاہل، والدہ ہماری نے کہا ہے کہ حکم بت بزرگ کا یوں ہے کہ فلانے کو جو حاکم بندر کیا ہے۔ مرد ظالم و مردم آزار ہے اور اس مردِ عجمی پر ستم روا رکھا ہے۔ لازم ہے کہ رقم قتل حاکم بندر کا لکھ کر اس مرد عجمی کو اور جو کچھ کہ مال و اموال اثاث البیت خواہ کم خواہ زیادہ ہووے یہ نظر کردہ ہمارا ہے، اُس کو بخش دے اور راضی کرے، اِلّا آج کی رات تجھ کو سنگ سیاہ[620] کروں گی۔ وے دونوں برہمن زادے بہ موجب فرمانے مادر اپنی کے، بُت کدہ سے باہر آئے اور سوار ہوئے۔ ایک جماعت پنڈواں[621] کنشتیاں[622] وزُنّار[623] داراں پیچ جلو ان کے باڈہل[624] وکوس[625] وسُرنا[626] و گرَّنا[627] وذکر گویاں وناقوس نوازاں داخل شہر ہوئے اور طرف پائے گاہ بادشاہ کے متوجہ ہوئے۔ خلقت شہر کی اور از اہل فرنگ خاک سُم[628] مرکبان ہر دو برہمن زادوں کے بہ طریقِ تبرک لے کر، سرمۂ چشم بینا کا کرتے تھے اور کحل الجواہر جانتے تھے۔ خبر اُن کی آنے کی سُن کر بادشاہ عالیجاہ کیوان بارگاہ، ملائک سپاہ واسطے استقبال کے آیا اور گلے لگایا۔ ہمراہ اپنے لے جا کر اوپر مسند کے بٹھلایا اور باعث قدم رنجہ فرمانے کا پوچھا۔ انھوں نے پیغام زبانی والدہ اپنی کا، جو کچھ کہ اُن نے کہا تھا، اظہار کیا۔ بادشاہ نے تامل کر کے کہا کہ، خوب شاہ بندر کو لاویں اور برابر اس مرد عجمی کے کھڑا کریں، تا کہ حقیقت اس مقدمہ کی پوچھوں اور

وجہ احسن موافق شرع اپنی کے عمل میں لاووں۔ یہ بات سُن کر میں مضطرب ہوا کہ اگر رو برو بادشاہ کے یہ ماجرا انفصال[۱۲۹] ہوگا تو مقرر وہ بدرِ منیر آسمان عقل و تدبیر کی حضور میں طلب ہوگی اور بادشاہ اپنی بیٹی کو پہچان کر داخل محل کرے گا اُس وقت یہ تمام سیاست اپنے ہی اوپر آتی ہے، یہ طرز خوب نہیں۔ برہمن زادوں نے قرینے سے دریافت کیا کہ یہ حکم، خلافت مرضی اس جوان کے ہوا ہے، از راہ کمال طیش اور غصہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مُتفق اللفظ وَالمعنی ہو کر کہا، کہ دولت دنیاوی و حشم ظاہری نے تجھ کو خبط اور دیوانہ کیا ہے کہ حکم بُتِ بزرگ سے انحراف کرتا ہے یا یہ کہ قول ہماری والدہ کا خلاف جانتا ہے۔ اگر فرمانا بُتِ بزرگ کا اور ہماری ماں کا تو سب جھوٹ جانتا ہے تو آج رات کو معلوم ہوگا۔ ہم نے دریافت کیا ہے کہ غضب بتِ بزرگ کے سے تو نہیں ڈرتا۔ یہ کہہ کر روانہ ہوئے بادشاہ فرنگ نے بہ التجائے تمام اُن کو بٹھلایا۔ اتنے میں اُمراو نُدَما[۱۳۰] نے متفق ہو کے زبان بیچ بدگوئی شاہ بندر کے کھولی کہ اکثر خلقت ہاتھ ظلم و ستم اُس کے سے عاجز و جاں بلب ہے۔ بارے بادشاہ نے رقم قتل شاہ بندر کا اور معافی مال و اموال اور گھر بار اُس کے کا جوان عجمی کو لکھ کر حوالے کیا اور نذر و نیاز بسیار برہمن زادوں کے آگے رکھ کر نہایت اعزاز و اکرام سے رخصت کیا اور عرضی بیچ خدمت مادر برہمناں کے لکھی کہ حسب الامر کرامت اثر رقم قتل شاہ بندر و ضبطی اموالش بہ ایں مرد تاجر عجمی کو لکھ کر حوالے کیا۔ آگے اختیار ہے، جو کچھ مناسب جانیں، عمل میں لاویں۔ آپ بہر صورت خاوند اور مختار ہیں۔ مادر برہمناں نہایت خوش دل ہوئی اور فرمایا کہ نقارہ بجاویں۔ بہ مجرد صدائے نقارہ کے پان صد سوار مسلح و مکمل حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ شاہ بندر کو پکڑ لادو اور حوالے اس مرد عجمی کے کرو چنانچہ سوار حسب الحکم فی الفور عمل میں لائے۔ میں زمین بوسی کر کے روانہ ہوا اور تیغ بے دریغ سے شاہ بندر کا سر کاٹا اور مال و اموال اور گھر بار اُس کا بیچ قبضہ و تصرف کے لایا اور خلعت شاہ بندر کا کہ عنایت ہوا تھا پہنا۔ بعد ازاں داخل محل کے ہوا اور اس معشوقہ دلنواز سے بغل گیر ہو کر دوگانہ شکر کا بیچ درگاہ کارساز بے نیاز کے ادا کیا۔ دوسرے روز دربار کر کے سپاہ و رعیت کو بقدر حوصلہ و مقدور اپنے کے راضی کیا۔

بعد چند روز کے حُسن تدبیر و کارسازی میری سے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ فرنگ کا کوئی کام بے مشورت اور بے اطلاع اس فدوی کے نہ کرتا۔ اُس اوج دولت اور شان و شوکت میں بھی خدا آگاہ ہے کہ شب و روز یہی خیال رہتا تھا کہ احوال برادران عزیز کا کیا ہوگا۔ بعد مدت سہ سال ایک قافلہ از راہ دریا کے آیا۔ ملک التجار نے میری ضیافت کی میں سوار ہو کے گیا۔ اُس قافلے میں دونوں برادروں کو پہچانا کہ مثل خدمت گاران پریشان احوال اور تباہ ہیں۔ وقت معاودت کے ملازمان سرکار اپنے سے کہا کہ ان دونوں نوجوانوں کو ساتھ لے آؤ۔ چنانچہ حمام کروا کے اور خلعت فاخرہ پہنا کے ملازمت شاہ فرنگ کی کروائی اور ہر ایک کو جُدا جُدا خدمت عمدہ دلوائی۔ چند روز نہیں گزرے کہ ان بے حیاؤں نے پاس خاطر میرا باوجود مَسلوک[۱۳۱] ہونے اور اس قدر جمعیت و دولت کا مدنظر نہ کر کے، بیچ قتل کرنے میرے کے مصلحت کی، واسطے اس کے کہ ایک روز وہ نازنین مہ جبین صبح باغ میں طرف دریا کے سیر کرتی تھی کہ ناگاہ نگاہ منجھلے صاحب کی ساتھ نگاہ اُس کی کے ہم نگاہ ہوئی اور بے اختیار عاشق ہو کر برادر کلاں سے یہ ماجرا کہا، وہ بھی متفق مصلحت مرگ میری کا ہوا۔ اتفاقاً ایک شب کو میں غافل سوتا تھا اور وہ دُر یکتا، واسطے قضائے حاجت کے گئی تھی کہ ناگاہ ہر دو جوان مثل یاجوج و ماجوج کے اوپر چھاتی میری کے آن چڑھے اور رسّی میرے گلے میں ڈال کر خِفا کیا کہ اس اثنا میں مُغنّے نے فریاد کی اور میں بے ہوش ہوا۔ اُن نابکار ظالم ستمگار نے میرے تئیں دریا میں ڈالا، جس وقت کہ موج دریا نے میرے تئیں ساحل پر پہنچایا، اُس وقت ہوش میں آ کر دیکھتا کیا ہوں کہ دھوبی کپڑے دھوتے ہیں اور مجھ کو گود میں لے کر پیچ چاولوں کی پلاتے ہیں اور شاید کہ رسّی بھی میرے گلے کی انھوں نے دور کی تھی۔ آخرالامر وقت شام کے گھاٹ پر سب اپنے گھروں کو چلے اور میرے تئیں انبارِ کاہ[۱۳۲] میں ڈال گئے کہ کوئی جانور رات کے وقت میرے تئیں توڑ نہ ڈالے۔ میں تمام شب بے ہوش اور بدحواس تھا، صبح کے وقت جو ہوشیار ہوا تو ایک کھیت سبز نظر آیا۔ اُس طرف کو روانہ ہوا۔ آن کے دیکھتا کیا ہوں کہ ایک جھوپڑی کسی کی آباد تھی اور چند مردم سیاہ فام بدسرانجام نے

آگ جلائی تھی اور ہولے کھاتے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر اشارہ کیا کہ نخود بریاں [۱۳۳] تو بھی کھا۔ میں نے مُشت نخود [۱۳۴] اُس بے خودی میں کھائے اور خدا کو یاد کیا اور پانی پی کے ایک گوشے میں سورہا۔ حقیقت احوال میرا انھوں نے نہ پوچھا نہ میں نے اُن کی زبان سمجھی نہ انھوں نے میری حالت دریافت کی۔ دوسرا روز جو ہوا تو پھر وہی نخود بریاں میری غذا ٹھہری کہ سوائے اُس کشت کاری کے اور کچھ ذکر نہ تھا۔ میں نے دو پتھر لے کر اور آرد سائیدہ [۱۳۵] کر کے روٹی پکائی۔ بدستور میرے وے بھی عمل میں لائے اور نہایت محظوظ ہوئے کہ یہ ڈول ہم نے تجھ سے سیکھا۔ خیر وہاں سے بہ رفاقت سگِ حضور بہ ہزار فرزند دور کے روانہ ہو کر تین دن رات چلا گیا اور وہ دشت حِدّت و ہَوا سے مانند دشتِ محشر کے تھا اور سوائے ریگستان کے کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔ وہ آرد نخود [۱۳۶] کہ تیار کر کے ہمراہ لیا تھا، قدرے قدرے موافق تبرک کے خرچ میں لاتا۔ چوتھے روز ایک حصار فلک فرسا نمودار ہوا۔ چہار طرف اس کے سیر کیا اور دیکھا کہ ایک دروازہ تھا، مقفل ساتھ تین قفل کے۔ وہاں سے مایوس ہو کر آگے کو چلا تو بالائے ایک کوہ کے پہنچا کہ خاک اُس کی سیاہ مانند سرمہ تھی، وہاں سے جو سواد [۱۳۷] ایک شہر کا نظر آیا، خوش وقت ہو کر بہ شوق تمام رہ گزر ہوا۔ جس وقت کہ دروازۂ شہر پر پہنچا بسم اللہ کہہ کر کے داخل ہوا۔ دیکھا تو ایک مرد، لباس فرنگی پہنے ہوئے، اوپر ایک کرسی کے بیٹھا تھا۔ آواز بسم اللہ کی سُن کر میرے تئیں بُلایا اور احوال میرا پوچھا میں نے عذر کیا کہ طاقت گفتار نہیں ہے۔ وہ عزیز میرے حال پر رحم کر کے نان و کباب لایا۔ میں نے چاہا کہ اس طعام سے رفع گرسنگی حاصل کروں کہ ناگاہ لقمۂ اوّل کھاتے ہی بے ہوش ہوا اوپر زمین کے گرا۔ وقت شب کے جو میں ہوش میں آیا اُس مہربان مسافران کے نے احوال پرسی میری کی۔ میں نے مُشقت دریا و محنت صحرا اور نقصان مال اور تصدیعہ دادن برادران چند دفعہ ایک ایک اظہار کیے۔ پھر اُن نے پوچھا کہ اب کیا ارادہ ہے۔ میں نے کہا، چاہتا ہوں کہ چند روز زیست کے اس شہر میں گزران کروں۔ اب نہ طاقت سیر صحرا کی ہے اور نہ قوت سفر دریا اور نہ زاد راحلہ [۱۳۸] مگر یہی دل پُرخون و پائے پر آبلہ رکھتا ہوں۔

از ضعف بہ ہر جا کہ نشستیم وطن شد

اُن نے کہا کہ ''اے عزیز تو عجمی ہے اور حق دین اسلام کا مجھ پر رکھتا ہے۔ بیچ اس شہر کے تو مت جا یہ بیل وغربال[۱۳۹] اور تُوبڑا[۱۴۰] لے کر اس ٹیلے پر جا اور زور کر کے کھودنا شروع کر جو کچھ کہ کھودے گا غربال سے چھان کر توبڑے میں ڈال کر میرے پاس لے آ۔ بعد اس کے جو کچھ کہوں مطابق اس کے عمل میں لانا۔ میں بہ مجرد فرمانے، اُس مرد کے اُس مکان پر گیا اور موافق ارشاد کے عمل میں لایا۔ جواہر و زَواہر[۱۴۱] بسیار اُس خاک میں ظاہر ہوئے کہ آنکھ دیکھنے سے خیرہ کرتی تھی۔ توبڑے میں پُر کیے اور دانہ کلاں واسطے اپنے چھپائے اور توبڑا اوپر دوش کے اُٹھا کر حضور اس کے حاضر گیا۔ ان نے کہا۔ دولت عظمیٰ نصیب تیرے کی ہے، تو لے اور ایک نان اور میوہ مجھ کو دیا اور کہا کہ اس شہر میں کسی نے تجھ کو دیکھا نہیں ہے جا اور جان اپنی سلامت لے جا۔ میں راضی نہ ہوا اور کہا کہ البتہ اس شہر میں داخل ہوں گا۔ اُس عزیز نے لاچار ایک انگشتری اپنے ہاتھ کی نشانی دی اور کہا کہ درمیان چوک کے ایک شخص میری صورت ہے تو اُس کے پاس جا اور جو کچھ کہ وہ کہے عمل میں لا۔ میں نے دعا کہی اور داخل شہر کا ہوا۔ شہرے دیدم بہ کمال آراستگی و آبادی معمور و بازار دلکشا۔ زن و مرد بہ انبساط اختلاط باہم چکنا چور، ہر ایک مست شراب و مخمور، مرداں با مرداں و زناں بہ زناں در بَیع و شِرا[۱۴۲] مشغول و مسرور۔ میں طرف چوک کے روانہ ہوا۔ خدمت اُس بزرگ کے پہنچ کر سلام کیا۔ اُس عزیز نے احوال پُرسی کی اور کہا کہ برادر گردن شکستہ نے تیرے تیں دیکھا اور داخل ہونے شہر سے منع نہ کیا؟ میں نے کہا کہ رات میں بیچ خدمت اُس بزرگ کے رہا اور وہ مبالغہ تمام سے مانع ہوا تھا۔ میں نے قبول نہ کیا۔ تقصیر اُس کی نہیں ہے تب اُس نے از راہ تاسف کے کہا کہ افسوس اے ظالم یہ سب تکالیف کہ تجھ پر گزریں سہل تھیں لیکن یہاں نہ آنا تھا۔ تب میں نے پوچھا کہ مجھ کو حقیقت اس شہر کی سے مطلع کرو کہ تم اور بھائی تمھارا دونوں مانع ہوئے باعث اس کا کیا ہے؟ تب ان نے کمیت زبان اپنی کے تئیں بیچ عرصۂ بیان کے جولاں گر تقریر کا کیا کہ سکنہ اس شہر کے کافر ہیں جو کوئی مصیبت زدہ وارد اس شہر کا ہوتا ہے۔

اپنے گھر میں جگہ اقامت کی نہیں دیتے تا کہ فرمانروائے اس شہر کو اطلاع نہ ہو اور جب فرمانروا کو خبر ہوتی ہے تو وہ ایک بت رکھتا ہے کہ شیطان بیچ اُس کے رہتا ہے اور تکلّم کرتا ہے اور نام ونشان وحسب ونسب اُس شخص کا بتاتا ہے اور بادشاہ سجدہ اس بت کا کرواتا ہے۔ جو کوئی چاہے کہ بے رخصت اپنے وطن کو بھاگ کر جائے، یہ خیلے مشکل ہے۔ کس واسطے کہ جیوں جیوں وہ چلتا ہے، توں توں آلت [۱۴۳] اس شخص کی بڑھتی ہے تا بہ حد کہ راہ چلنے سے عاجز رہتا ہے اور یہ بھی ہے کہ جو کوئی سجدہ بت کا کرتا ہے اور کتخدا [۱۴۴] ہونا چاہتا ہے، اس کو دختر اپنی دیتے ہیں۔ میں یہ حقیقت سُن کر بیزار ہوا اور اپنے بھائیوں کے حق میں دعائے بد کی۔ اس مرد بزرگ سے کہا کہ اب دامن دولت تمھارا پکڑا ہے، میرے حق میں جو بہتر ہو سو کرو۔ اُن نے کہا کہ خاطر جمع رکھ۔ ایک عورت تیرے واسطے تجویز کی ہے۔ میں نے کہا وہ کون ہے کہا کہ دختر وزیر، پانزدہ [۱۴۵] سالہ، سَروقد، شکرلب، شیریں گفتار، نہایت خوبصورت اور صاحب جمال ہے۔ قاعدہ یہاں کا یوں ہے کہ جو کوئی مرد اجنبی وارد ہوتا ہے اور بت بزرگ کو سجدہ کرتا ہے جو کچھ مرتبہ اور جس چیز کی آرزو رکھتا ہے، اس کو سرانجام کر دیتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ روز آئندہ وقت صبح کے فُرمانروا واسطے زیارت بتکدہ کے جائے گا۔ میں تیرے تئیں ہمراہ اپنے لے جا کر، شرفِ ملازمت بادشاہ اور زیارت بت بزرگ وآداب و کورنش وقدمبوس بادشاہ دوست بوس برہمن کہ کلید فتحُ الباب مقاصد کا ہے مؤدی [۱۴۶] کر کے بیچ دامن بادشاہ کے چنگل آرزوئے درخواست دختر وزیر کا ماریو۔ میں احوال تیرا مفصل عرض کر کے اس مقدمہ کو کرسی نشین کروں گا۔ القصہ وقت صبح کہ بادشاہ اور خلق اللہ از ہفت سالہ تا ہفتاد سالہ پسران خوش لقا ودختران خورشید سیما وتمامی ارکان سلطنت ورئیسان صاحب حیثیت، رونق افزا وہنگامہ افروز بت خانے کے ہوئے، مجھ کو وہ مرد لباس فاخرہ سے قامت آراستہ کر کے اوپر ایک مرکب کے سوار کر کے ہمراہ اپنے لے گیا۔ میں نے اس جلسے میں پہنچ کر دیکھا کہ ایک بت تراشیدہ مُزیّن بہ جواہر وزر با تاج وگہر اوپر تخت مرصع کے بہ لباس ملوکانہ زیب آرائے مسند حشمت واجلال کے ہے اور ایک چھوٹے تخت پر مادر برہمناں کہ

مرغوب اُس بُت کی ہے، بڑی ہی شان اور زیب تمام سے بیٹھی ہے اور دو طفل دوازدہ سالہ دست راست و چپ مُغرَّق [۶۴۷] مع زرو جواہر کے دوزانو اُس سے لگے ہوئے بیٹھے ہیں اور بادشاہ واُمراء وساکنان فرنگ بادانش وفرہنگ دست بستہ مؤدب دوزانو حضور اس بے شعور سنگ معذور کے تئیں معبود کرامت آمود [۶۴۸] اپنا جان کر بہ جان ودل متوجہ ہیں۔ میں نے زمیں بوسی وسجدہ بتِ بزرگ کو کر کے اور قدمبوسی بادشاہ و مادر برہمناں کی بجالا کے دامن بادشاہ کا پکڑا اور درخواست دختر وزیر بے تدبیر کی کی، بادشاہ نے اس مرد سے پرسش احوال میرے کی کی۔ اُس نے عرض کیا کہ یہ عزیز خویش واقارب میرا ہے اور بہ امید زیارت بت بزرگ کے آیا ہے اور دختر وزیر کو دیکھ کر تیر نگاہ اُس کے سے گھائل اور جان ودل سے مائل اور تم سے سائل ہوا ہے۔ امیدوار ہے کہ امر سراسر اثر صاحب تخت وچتر [۶۴۹] کے سے وزیر روشن ضمیر سراپا عقل وتدبیر کے تئیں پہنچے کہ اس کے تئیں بیچ غلامی کے سرفراز وممتاز اور اس آرزو سے بے نیاز کرے۔ بعید از غریب پروری ومسافر نوازی سے نہ ہوگا، فرمان فرمانے فرمایا کہ، اس مرد کو ساتھ دختر وزیر کے جُفت [۶۵۰] کریں کہ حکم نادر بتِ بزرگ کا یوں ہے۔
برہمن نے رشتۂ زُنّار گلے میں ڈال کر ساتھ اس گلعذار کے، کہ دل اُس کی آرزو میں تار تار اور چشم اُس کی امید وصال میں اشکبار تھی، عقد ازدواج کا منعقد کیا اور سجدہ پایہ تخت اُس سنگ سخت و بد بخت کا کروایا۔ اس اثناء میں ایک آواز جَوف [۶۵۱] بُت میں سے بَرآئی، کہ اے خواجہ زادہ خوش آمدی و صفا آوردی، اب الطاف بلا اَکناف [۶۵۲] ہمارے کا امیدوار رہ۔ ایک مرتبہ سننے اس کلام کے خلائق زمیں بوس ہوئی۔ بارے بادشاہ نے خِلعت فاخرہ مَرحمت کیا اور حکم نوازش نقارخانے کا ہوا آوازہ بیچ جہان کے منتشر ہوا کہ ایک عجمی کو بُت بزرگ نے از راہ کرم وفضل کے اپنا خاص بندہ کیا اور دختر وزیر کی مرحمت ہوئی۔ مدت یک سال ہم بریں منوال باعیش ونشاط کمال خورم [۶۵۳] وخوشحال گزرے۔ اور وہ معشوقہ حاملہ ہوئی، اس عرصہ میں اِسقاط حمل سے بیمار ہو کر چند روز میں ودیعت حیات کی سپرد کی اور مجھ کو سخت پریشانی وخانہ خرابی نے لے لیا۔ از راہ پیچ وتاب کے زار ونزار نہایت بے قرار اور

سرشار تھا کہ زنانِ قبائل وعشائر [۶۵۴] واسطے ماتم پُرسی کے آئیں، ہر ایک کیا جوان، کیا لڑکی آتی تھی اور جو اندام اپنی کے تئیں میرے ماتھے پر ٹکر مارتی تھی اور بیٹھتی تھی، قریب تھا کہ دھکے سے مارا جاؤں کہ ناگاہ ایک شخص نے پس پشت سے آکر گریبان میرا پکڑا۔ پہچانا تو وہی شخص تھا کہ جن نے کتخدا کیا تھا۔ مجھ سے پوچھا کہ گریہ وزاری اور اس قدر بے قراری کیوں کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ اب ایسا معشوق ماہ پارہ اس خانماں آوارہ سے جدا ہوتا ہے، کیوں نہ روؤں۔ کہا، اے مردمرگ اپنی پر رو، اس کے لیے کیا روتا ہے۔ میں نے منع کیا تھا تیری خاطر میں نہ آیا۔ ع

خود کردہ را علاج و درمانے نیست

پس میرے تئیں بیچ مہمان خانے کے لے گئے اور تمامی اِملاک اور نقد و جنس خانہ داری کا جمع کر کے بیچنا شروع کیا اور زرِ نقد بہم پہنچا کر جواہر خریدا اور صندوقچہ میں کر کے رکھا اور میوہ ونان وکباب چالیس روز کا آزوقہ اور تابوت اس اہل خانہ بادل یگانہ کا اُٹھایا اور بادشاہ مع اُمریان و بُرہمنان بید خواناں [۶۵۵] سب ہمراہ ہوئے اور بیچ اُس حصار مقفل سہ قفل کے کہ میں نے آتی دفعہ دیکھا تھا، لے گئے۔ بہت سے آدمیوں نے جمع ہو کر دروازہ کھولا اور میرے تئیں مع صندوق جواہر اور تابوت اور خوراک چہل روزہ کے وہاں چھوڑا اور وزیر اور بادشاہ اور برہمنوں نے عذر خواہی کی کہ اس دارُ الفنا میں ایک روز آتے اور ایک روز جاتے ہیں، صبر کر کہ بت بزرگ فریاد کو تیری پہنچے اور خوش رہ۔ میں نے چاہا کہ کچھ کہوں کہ اس عرصہ میں اس پیر خیر خواہ نے بہ زبان عجم مجھ سے کہا کہ اگر کچھ عذر لایا تو آتش جہنم میں جلاویں گے، خاموش ہوجا، جو کچھ دیکھتا ہے، تقدیر الٰہیہ سے ہے، کسی کی تقصیر نہیں۔ القصہ میرے تئیں اُس حصار ناہموار میں محبوس اور زِیست سے مایوس کر کے اپنے ڈیروں کو گئے میں تنہا گرفتار مصیبت و بلا نظر او پر خدا کر کے بیٹھا۔ وقت دوپہر کے تابش آفتاب کی سے اور تعفن اِستخواں ہائے بوسیدہ سے نزدیک تھا کہ جان قالب سے خالی کروں کہ بیچ آرزوئے سایہ کے کئی ایک صندوق جمع کر کے سایہ بنایا۔ دن کو اس کے نیچے گزران کرتا اور رات کو

اوپر جا کر سورہتا۔ جس وقت کہ مدت چہل روز آخر ہوئی اور وجہ خوراک کی ہوچکی نہایت بے قراری سے حیران و پریشان ہوا اور بیچ حق برادران حق ناپسند کے بددعا کی کہ کس غضب میں ڈالا اور ایک لات اوپر نعش اُس دختر وزیر کے ماری کہ کمبخت اگر تو حاملہ نہ ہوتی اور اس طرح نہ مرتی تو مجھ کو کیوں لے مرتے اور مناجات جناب الٰہی میں کرتا تھا اور کہتا تھا۔

بیت

بہ قیدِ زندگی ہر کس اسیر است
ز فکر آب و نانش ناگزیر است

کہ ایک پیرزال کو ساتھ ایک نعش مرد کے لائے اور بدستور مذکور چھوڑ گئے۔ میں نے جو دیکھا کہ آخر زنِ ضعیف ہے، ایک پایہ صندوق کا اس کے سر پر ایسا ہی مارا، کہ ایک ضربت میں فیصل ہوئی، اور خوراک چہل روزہ پر متصرف ہوا۔ بعد چند روز کے ایک اور مردہ آیا کہ غُل کمال اور شورش رجال سنی۔ میں نے کہا کہ کوئی بڑا آدمی مُوا ہے کہ جس کا یہ غل ہے۔ بارے اُسی طرح دروازہ کھلا اور ایک دُختر چہاردہ سالہ باروئے چوں آفتاب و گیسوئے مُشک تاب لباس کتخدائی در بر و تاج عروسی برسر مع تابوت اور ایک صندوق جواہر اور خوراک موافق قاعدہ معہود کے چھوڑ گئے اور دروازہ حصار کا بند ہوا۔ بہ موجب تقدیر کے پیچ عشق اس نازنین کے پائے بند ہو کر دام اُلفت میں پھنسا اور پوچھا کہ تو کون ہے۔ کہا کہ میں دُختر وکیل مطلق بادشاہ کی ہوں۔ شب زفاف میں شوہر میرے کو درد قَولنج نے لیا کہ جان بحق تسلیم ہوا، تو اپنی حقیقت کہہ۔ میں نے سرگزشت اپنی بیان کی اور اُس ماہرو سمن بو کے ساتھ ہم بستر ہوا اور خوش رہنے لگا۔ الغرض ہر ماہ میں ایک مُردہ آتا اور میں آزوقہ پر متصرف ہوتا تھا۔ تا آنکہ وہ سروجوئے بارخوبی کی حاملہ ہوئی اور ایک طفل تولد ہوا۔ کئی ماہ اور گزر گئے۔ طرح محبت و مؤدت کی ایسی پڑی کہ باہم بہ لہو ولعب خوش رہتے تھے۔ ایک روز میں نے ہم خوابہ[۲۵۶] سے کہا کہ کوئی طرح گزاری کی اس قید فرنگ سے کیا چاہیے، والّا یہ زندگی بہ

منزلہ مرگ ہے، وہ بھی روئی اور کہا کہ تو مرد ہے کچھ بن سکے تو فکر کر۔ میں نے جو گرد نواح حصار سیر کی تو ایک بدر رَو سیخچہ ہائے آہنی سے جڑی ہوئی دیکھی اور معلوم کیا کہ اگر **سیخچے** ٹوٹیں تو بہزار تنگی گزر ہو۔ پس ہر روز میخ ہائے صندوق کو پتھر پر گھس کے بیچ توڑنے سیخچوں کے مشغول رہا کہ مدت سہ سال میں یہ کام درست ہوا۔ اور اُس دل پسند کے تئیں ایک فرزند اور تولد ہوا۔ بارے بہ ہزار تلاش راہ برآمد ہونے کی درست کر کے اور جواہر گراں بہا و بیش قیمت کہ سرمایہ زندگی اور تجارت کا جانتا تھا ہمراہ لے کر حصار سے باہر ہوا۔ ایک لڑکا عورت کی گود میں ایک میرے کاندھے پر اور کتا ہمراہ اُس وضع سے روانہ ہوا۔ اُس صحرا اور اُس دشت میں کہیں علف اور بَرگ اشجار اور کہیں بیخ گیاہ سے قوت اپنی کر کے منزل بہ منزل متوجہ آبادی کے ہوئے۔ تا آں کہ بیچ ایک شہر کے پہنچ کر ایک حویلی بر سر دریا کے کرایہ لی اور حمام جا کے حجامت بنوائی اور پوشاک تیار کر کے آمد و رفت مردم شہر سے شروع کی اور چند جواہر خورد ریزہ بیچ کر دوکان تجارت کی آراستہ کی اور چند غلام اور کنیزک برائے خدمت مول لے کر رکھے اور شکر الٰہی ادا کیا۔ یہ فقیر اوپر بام خانہ کے اکثر اوقات واسطے سیر دریا کے بیٹھتا اور دور دور نظر کرتا۔ ایک روز دو نفر عجمی دیکھے بعد ازاں جو دوربین ہاتھ میں لے کر خوب طرح سے غور کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں برادر ہیں۔ چند نفر قراول[۶۵۷] بھیج کر ان کو بُلوایا۔ بعد ملاقات کے کہا کہ اے بے رحمان، ستمگار، واے ظالمان سراسر آزار، یہ شعار شقاوت آثار تمھارا نہیں جاتا ہے وہ نکوئی ہماری اور تمھاری یہ بدخوئی۔ **لَعنتُ اللہِ عَلٰی قَومِ الظّالِمین۔** تب تو یے دونوں صاحب میرے پاؤں پر گر پڑے اور زار زار روئے اور ندامت اور پشیمانی کھینچی۔ میرا خون اخوت کا جوش پر آیا۔ تقصیر معاف کی اور نصائح و فضائح کر کے بہ لباس فاخرہ آراستہ کیا اور شب خوابی کے واسطے ایک مکان بنایا، چنانچہ شب و روز بیچ پرداخت احوال اُن کے مستعد اور سرگرم رہتا۔ تا ایں کہ ایک روز، یہ خاکسار بہ موجب طلب ضیافت کھانے ایک آشنا کے ڈیرے گیا۔ یہ دونوں بھائی بد تر از قصائی از راہ آشنائی گھر میں داخل ہوئے۔ مادر طفلاں نے کہ قبیلہ جمیلہ اس بے

وسیلہ کے تھی، اپنے تیں ایک حجرہ میں ڈالا اور دونوں لڑکے باہر رہے۔ دونوں نابکار، مفسد شعار نے ہاتھ دونوں بچہ ہائے صغیر کا پکڑ کے کہا کہ تو حجرہ سے باہر آ اور جو کچھ ہم کہیں قبول کر و اِلّا دونوں لڑکوں کو تیرے جی سے مار ڈالیں گے۔ وہ عفیفہ پاک دامن راضی نہ ہوئی۔ ان بدبختوں نے ہر دو طفل بے گناہ کا سرتن سے جدا کیا اور وہ بی بی نیک بخت سر اپنا پتھر سے مار کے مرگئی۔ اس عرصہ میں مَیں پہنچا اور یہ حقیقت دریافت کر کے غلاموں سے فرمایا کہ بگیرید ایں ہر دو قرم ساقاں را۔ غلام میرے اُن کے تیئں لپٹ گئے اور مشکیں باندھ کے لائے۔ تس پر بھی میں نے قصاص سے درگزر کی اور بیچ پنجرہ فولادی کے حبس فرمایا اور یہ چودہ جواہر کہ بیچ گلے سگ وفادار بہتر از برادران ناہنجار کے ہیں، اُسی حصار سے لایا تھا۔ حضرت سلامت۔ یہ دونوں موجود ہیں اور کوئی بات خلاف معمول عمل میں لایا ہوں یا جھوٹ ظاہر کیا ہو، جو چاہے سو کیجیے۔

میں نے اوپر جواں مردی اور مردانگی اُس پاک دیں و پاکیزہ یقیں کے آفریں اور تحسیں کی اور دختر وزیر سے پوچھا کہ تو کون شخص ہے۔ اُن عاقِلہ و بالِغہ نے آداب بجالا کے عرض کیا کہ یہ کنیز ناچیز دختر وزیر کی ہے کہ واسطے مخلصی والد بزرگوار کے لباس مردانہ اوپر اپنے آراستہ کر کے اس سوداگر کو لائی اور حضور میں حاضر کیا۔ بیشتر جو کچھ مرضی مبارک ہو، اَنسب و اولیٰ ہے۔ یہ بات سن کر سوداگر بے ہوش ہوا اور نعرہ جانکاہ مارا کہ حاضران مجلس خاموش ہوئے۔ بعد ایک ساعت کے ہوش میں آیا اور کہا افسوس صد ہزار افسوس، اس قدر محنت اور مشقت ضایع اور برباد گئی۔ تب میں نے کہا کہ اے سوداگر کیا محنت برباد گئی کہ اس قدر ملول اور مغموم ہوا۔ کہا کہ حضرت سلامت میرے اولاد نہ تھی اور فرزندی میں اسے لیا تھا، سو کہاں میسر ہوا۔ میں نے اُس کے کان میں مژدۂ وصال دختر وزیر کا کہا۔ بارے خوش ہوا۔ بعد اُس کے اُس لڑکی کو اندرون خاص محل کے بھیج کر تیاری شادی کی کی اور نہایت دھوم دھام وجلوس تمام سے بہ عقد ازدواج سوداگر کے دی۔ وزیر کو اسپ بازین زر اور خلعت زیب آور بھیج کر قید سے چھوڑا اور بہ دستور سابق اوپر کام وزارت کے مامور کیا۔ اُس تاجر سے اور دختر وزیر سے دو

پسر تولد ہوئے کہ بیچ کار خدمت سرکار والا کے رکھے، چنانچہ ایک ملک التجار اور دوسرا قورخانہ [۶۵۸] کا داروغہ ہے۔

جس وقت کہ بادشاہ یہ سرگزشت زبان ہدایت ترجمان اپنی سے بیان کر چکا فرمایا کہ اے درویشو مطلب سراسر اظہار اس داستان کے سے یہ تھا کہ تم کو ایک جرأت پیدا ہو اور بیچ کہنے حقیقت اپنی درویش چہارم حجاب نہ کرے، اب لازم یہ ہے کہ مجھ کو بھی ایک رفقائے ہمدرد اپنے سے جان کر کسی طرح کا پردہ اور حجاب درمیان میں نہ لاؤ گے۔ میں بھی ایک محتاج تمھاری ملاقات کا ہوں۔



بیان سرگزشت درویش چہارم

روبرو بادشاہ فرّخ سیر کہ اُمیدوار فرزند کا تھا

درویش چہارم نے زارزار مانند ابر بہار رو کے حقیت حال خیریت اِشتمال اپنی کے تئیں قلم زبان سے اوپر صفحہ بیان کے یوں نگارش کیا ؎

دن سے محشر کے نہیں عالم میں کم یہ ماجرا
کہہ نہیں سکتا جو کر گزرا ستم یہ ماجرا
بارے غم کے نہ تنہا پست ہے روئے زمیں
پُشت نہہ افلاک کو کردے ہے خم یہ ماجرا
کام اس کے ہے جہاں میں، ہے جو کوئی کامیاب
زندگی کے شہد کو کردے ہے سم یہ ماجرا
گل گریباں چاک اور نالاں ہے جوئے آبشار
دے ہے باغ دہر کو، اتنا الم یہ ماجرا

کہ جہاں پناہ سلامت یہ بندہ خاکسار کہ بیچ حالت درویشی کے دیکھتے ہو، بادشاہ زادہ ملک چین کا ہے اور شہر یار عالی تبار سوائے میرے کوئی اور فرزند بیچ مشکوے خلافت کے نہ رکھتا تھا۔ یہ فقیر پنج سالہ ہوا تھا کہ والد بزرگوار نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی اور وقت نزع کے برادر خورد اپنے کے تیں وصیت کی کہ فرزند عزیز موجب خورد سالی کے لائق سلطنت کے نہیں ہے تا آنکہ وہ چشم چراغ کاشانۂ شہر یاری کا حدّ بلوغ کو پہنچے، ولی عہد اپنا تجھ کو مقرر کرتا ہوں کہ بیچ رتق و فتق مہمات مالی و ملکی کے کوئی دقیقہ از دقائق نامرعی [۶۵۹] نہ رہے اور دختر روشن اختر اپنی کو بیچ عقد ازدواج اس کی منعقد کیجیو۔ اگر او پر اس وصیت کے عمل کرے گا تو سلطنت خاندان ہمارے سے نہ جائے گی۔ یہ کہہ کر جان بحق تسلیم ہوا اور عمو میرا بجائے پدر کے سلطنت پناہ ہوا۔ مجھ کو فرمایا کہ بیچ حرم محترم کے پرورش ہووے اور باہر نہ نکلے، چنانچہ تا بہ سن چہاردہ سالگی ساتھ لڑکیوں بیگمات کے بیچ بازی اور لعبت پردازی کے مشغول تھا اور نامزد ہونا دختر عمو [۶۶۰] کا گوش زد میرے ہوا تھا، بخوشی و امیدواری بسر لے جاتا اور یہ شعر اکثر او پر زبان کے لاتا ؎

نہ پہنچایا کبھی اس سر کے تیں اُس پاؤں تک ہرگز
گلہ مند اس قدر کیوں کر نہ ہوں ہم، ان نصیبوں کے

اور مبارک نام دَدا میرا صاحب فراست و سراپا کیاست کہ خدمت حضرت خُلد آرام گاہ کے میں زیادہ از حد معتمد بارگاہِ ظل اللہ کا تھا، گاہ گاہے مردُم محل کو غافل دیکھ کر کے اُس کے پاس میں جاتا۔ وہ عزیز مہربانی بسیار و تلطف [۶۶۱] بے شمار بیچ حق میرے کے مبذول کر کے بہ چشم حسرت میری طرف دیکھتا اور عُنفوان شباب پر نظر کر کے یہ شعر پڑھتا۔ شعر ؎

پھر گئی ایسی تری چاہ زنخداں کی ہوا
یوسف آکر مصر میں بھولا ہے کنعاں کی ہوا
داغ دل کو خانۂ سینہ تر و تازہ رکھے
گل کے تیں شاداب رکھتی ہے گلستاں کی ہوا

اتفاقاً ایک روز ایک کنیز، بے تمیز، سراسر ناچیز نے ایک سَیلی [۲۶۳] میری گردن پر ماری۔ میں روتا ہوا مبارک پاس آیا۔ اُن نے از راہ شفقت کے مجھ کو بغل میں لیا اور کہا کہ چل تیرے تئیں بیچ خدمت عموئے خوش خو کے لے جاؤں کہ قابل فرمانروائی اور لایق کشور کُشائی کے ہوا ہے تا کہ حق تیرا تجھ کو دے۔ چنانچہ ہمراہ مبارک دَدا کے بیچ بارگاہ عمو جان کے گیا۔ اُن نے میرے تئیں دیکھ کے گلے لگایا اور باعث آنے کا پوچھا اور دَدا میرے سے فرمایا کہ اے مبارک فرزند دلبند جگر پیوند نے آج کیوں کر تصدیع کی۔ دَدا نے عرض کیا کہ کچھ عرض رکھتا ہے۔ فرمایا کہ نامزد اپنے کو چاہتا ہوگا۔ اے مبارک بسیار مبارک۔

فرد

برتو ایں مجلس شاہانہ مبارک باشد
ساقی و مطرب و پیمانہ مبارک باشد

حکم والا صادر ہوا کہ مُنَجّموں کو طلب کرو۔ چنانچہ فی الفور بہ موجب ارشاد کے اہل تنجیم، اُس شیطان الرجیم، پاس آکر حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے رِمز و ایما سے پوچھا کہ بیچ اس آرزو کے ساعت نیک کب آوے گی کہ کار خیر سے فراغت حاصل ہو، نجومیوں نے دریافت مزاج کا کر کے بعد از تامل بسیار و تفکر بے شمار عرض کیا کہ حضرت جہاں پناہ سلامت تین برس تک قَمر در عَقرب ہے اور عُطارِد بیچ بُرج زُحل کے نازل ہے، بہ خیریت ارادہ کار خیر کو موقوف رکھا چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد از چہار برس کے روز عید ہوگا اور ساعت سعید خوب و خاطر خواہ آوے گی۔ بادشاہ نے طرف مبارک کے مخاطب ہو کے فرمایا کہ معلوم کیا۔ اب تو نور چشم و راحت جان کو بیچ محل کے لے جا تا کہ ساعت خوب آوے۔ بعد ازاں امانت اس کی سلامت و بے خیانت از راہ نیک دیانت کے دی جائے گی پس مبارک اُٹھا اور میں رخصت ہو کے بیچ محل کے آیا۔ بعد تین روز کے عیش محل سے کہ فی الحقیقت زندان خانہ تمام عمر کا تھا، برآمد ہوا اور پاس مبارک کے آیا، مجھ کو دیکھ کر بے اختیار رویا۔ دریافت حال اُس

کے سے میں نے مغموم اور متوحش ہو کر پوچھا کہ اے مبارک خیر ہے؟

اشعار

محروم رہتا ہوں میں نظر بازیوں سیتی
زیادہ ملول میں یار سے گر دل کو تاب ہو
شیریں کا کچھ قصور نہ تھا کوہ کن کے ساتھ
قسمت میں یوں لکھا تھا کہ خانہ خراب ہو

تب اُس مشفق شفیق بجان و دل رفیق نے کہا کہ کاش اُس روز میں تجھ کو حضور اُس ظالم بے رحم ستمگار کج فہم کے نہ لے جاتا تو بہتر ہوتا۔ میں نے پوچھا کہ اس حرکت سے کیا واقع ہوا، کہا کہ جس وقت تو مجلس میں گیا اور اُمرا باپ تیرے کے نے تجھ کو دیکھا سب از کہ تامہ شکر بدرگاہ الٰہی بجالائے اور کہا کہ صاحبزادہ ہمارا جوان ہوا اور قابل سلطنت کے ہے، انشاء اللہ تعالیٰ چندروز میں حق بہ مرکز قرار پاوے گا اور ہم لوگ ملازمان موروثی اپنے حق کو پہنچیں گے۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی اور میرے تئیں خلوت میں بلا کر کہا کہ اس شریک سلطنت کو دفع کر، میں بیچ اپنے دل کے حیران ہوا کہ مبادا تجھ کو جی سے مارے۔

کیونکہ ہو اس فکر میں مجھ کو قرار اب دیکھیے
لے چلا دل ہائے وہ غفلت شعار اب دیکھیے
سلطنت میں کچھ ملامت بھی نظر آنے لگی
کس طرح اس غم سے ہو صحبت برار اب دیکھیے

بہ مجرد سننے اس خبر وحشت اثر کے چشم اشکبار و دل بے قرار اور جان پر اضطرار ہوئی، بارے اس غلام مرشد پرست و وفا سرشت نے کہا کہ خاطر جمع رکھ، ایک تدبیر میرے ضمیر عافیت پذیر میں آئی ہے کہ باعث نجات ذات بابرکات تیری کے ہوگی، اور تو انشاء اللہ تعالیٰ

اِس آفت نا گہانی سے بیچ دارالامن شادمانی کے پہنچے گا۔ فی الفور اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ کو اوپر مکان مَسکنت والد بزرگوار میرے کے لے گیا اور تسلی افزائے دل وحشت منزل میرے کا ہوا۔ جس جگہ کہ کرسی حضرت ولی نعمت کی بچھی تھی اشارت نیک بشارت اُس کی سے متفق ہو کر کرسی کو اٹھایا۔ فرش کو دور کر کے قدرے زمین کھودی۔ ایک دروازہ نظر آیا کہ مُقفّل ہے۔ گلید جیب اپنی سے نکال کر دروازہ کھولا اور نردبان [۲۶۳] سے آپ نیچے اترا اور مجھ کو بلایا۔ میں نے دریافت کیا کہ ان نے فکر میرا کیا اور یہیں ٹھکانے لگاوے گا۔ لاعلاج کلمہ اوپر زبان کے جاری کر کے قدم نَردبان پر رکھا اور کہا:

فرد

نہ کوئی دوست ہے اس جا نہ کوئی ہے ہمدم
کہ آسرا نہیں مجھ کو بغیر ربّ کریم

بھیتر اس مکان کے چار صُفّے نظر پڑے کہ بیچ ہر ایک صُفہ کے دہ عدد خم بہ زنجیر طلا آویختہ کیے ہیں اور اوپر ہر ایک خم کے خشت طلائی اور تصویر میمون از زبرجَد بٹھلائی اور ہر ایک خم پُر از اشرفی دھرا ہے اور درمیان ایک صُفہ کے ایک حوض ہے کہ جواہر اَلوان [۲۶۴] سے لبریز ہے۔ میں نے کہا کہ اے ددا [۲۶۵] ان کے دیکھنے سے کیا ہوگا اور یہ کیا اسرار ہے؟ کہا حقیقت ان بندروں کی یہ ہے کہ باپ تیرا اور ابتدائے جوانی ساتھ ملک صادق کے کہ بادشاہ جنوں کا ہے، رابطۂ اتحاد و سررشتہ وداد نہایت مستحکم رکھتا تھا اور قاعدہ یہ تھا کہ ہر سال تحفہ چند در چند از عَطر و عَنبر و بَخور [۲۶۶] ہائے خوش بو واسطے اُس کے لے جاتا تھا اور کئی روز بیچ خدمت فیض درجت اس کے رہتا تھا۔ ملک صادق وقت مراجعت کے ایک میمون [۲۶۷] زبرجَد [۲۶۸] اس کو دیتا تھا اور بادشاہ لا کر بیچ اِس مکان کے رکھتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا کہ حضرت جہاں پناہ، ہر مرتبہ تحفے چند در چند لے جاتے ہیں، اور ایک میمون بے جان عوض اُس کے لاتے ہیں، کیا فائدہ؟ درجواب میرے تبسم کر کے فرمایا کہ کسی سے اظہار نہ کرنا خبر شرط ہے،

یہ میمون کہ تو دیکھتا ہے، ہزار ہزار جن تابع و فرماں بردار ایک ایک کے ہیں ولیکن ملک صادق نے فرمایا ہے کہ جب تک چہلم میمون تمام نہ ہووے کوئی کام امداد ان کی سے نہ ہوگا۔ ہنوز یک سال میعاد میں باقی تھا کہ بادشاہ نے انتقال بہ ملک جاودانی فرمایا اور یہ راز سربسر گرہ بند رہا۔ اب میری خاطر میں آتا ہے کہ تجھ کو لے کر ملک صادق کے پاس جاووں اور ایک میمون باقی ماندہ لا کر کچھ تماشا دیکھوں اور دکھلادوں کہ شاید اس وسیلہ سے ملک موروثی اپنا پاوے اور ہاتھ اس ظالم کے سے مارا نہ جاوے اور بادشاہ چین و ماچین کا کہلاوے اور ہاتھ اُس ناانصاف کے سے جانبر ہو کے بقیہ زندگانی بخوبی بسر لے جاوے۔ تب میں نے کہا کہ اس مقدمہ میں تو مختار ہے۔ بہتر ہو سو عمل میں لا۔ پس میرے تئیں وہاں سے لا کے بیچ محل کے پہنچایا اور آپ بیچ خرید عطر و عنبر کے مشغول ہوا۔ بعد فراغت کے بیچ خدمت عمو کے جا کر عرض کیا کہ اس کے تئیں بیچ صحرائے ہولناک کے لے جا کر ٹھکانے لگا دوں تا کہ کوئی شخص واقف اِس اسرار کا نہ ہووے۔ عمو نے یہ بات سن کر بہت پسند کی اور پروانگی میرے لے جانے کی دی۔ آخر الامر مبارک میرے تئیں وقت نیم شب کے باتحفہ ہائے مَسطور[۲۶۹] شہر سے لے نکلا۔ تا مدت یک ماہ طرف مشرق کے چلا جاتا تھا، ایک شب کو کہنے لگا کہ الحمدُ لِلّٰہ والمِنّۃ لشکر جنّیان نمودار ہوا اور میں منزل مقصود کو پہنچا میں نے کہا کہ مجھ کو سوائے تیرے اور کچھ نہیں نظر آتا۔ مبارک نے فی الفور سرمۂ سلیمانی بغل سے نکال کر میری آنکھوں میں کھینچا۔ بہ مجرد اثر سلیمانی سرمہ کے ایک خلقت انبوہ نظر آئی کہ ہر ایک خوشرو اور خوبصورت تھے، ساتھ مبارک کے در ہزل و مطائبہ مشغول ہوئے۔ رفتہ رفتہ تا بہ بارگاہ پہنچے اور داخل خیمہ کے ہوئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ صندلی ہائے طرح طرح ہر مکان پر بچھی ہیں اور فُضلا و علما و ارکان دولت و اعیان مملکت جا بجا بیٹھے ہیں اور اوپر ایک کرسی مرصع کے بیچ صدر مجلس کے ملک صادق با تاج زر و چارقب[۲۷۰] مروارید و تکیہ بر مسند بہ تُزُک تمام بیٹھا ہے۔ میں نے آگے جا کر باادب تمام شرائط تسلیم و کورنش شاہانہ پیش پہنچائے۔ اُن نے از راہ مہربانی کے حکم بیٹھنے کا فرمایا۔ بہ موجب حکم کے کار پردازان نے طعام و شراب حاضر کیا۔

بعد فراغ طعام کے مبارک کو بلا کر از چگونگی [167] حالات پوچھنا شروع کیا۔ مبارک نے تمامی سرگزشت بیان کر کے عرض کیا کہ بیچ حضور لامع النّور کے واسطے استدعائے مدد اور اعانت کے آیا ہے اور جو انعام کہ والد بزرگوار اس کے کو مقرر تھا، یاد ے کہ میمون چہلم پورا ہو اور اس مظلوم بیکس کو بجز ذات فایض البرکات تمھاری کے کوئی مربّی نہیں۔

جز بدرگاہت کجا آرم نیاز
آستانت قبلۂ آمال ماست

عموئے نابکار اِس سرگشتۂ روزگار اوپر زندگی ناپائیدار اس دار پُر آشوب و شرار، فرمانبرداری اِس کے سے راضی نہیں ہے، تا بہ سلطنت بہ مملکت چہ رسد۔ ملک صادق نے سننے اس ماجرائے ہوش رُبا کے سے متأمّل ہو کے فرمایا کہ حقوق خدمت اور دوستی اِ بہت دستگاہ مرحوم مغفور کے اوپر ذمہ دست والا ہمت ہماری کے زیادہ از حد ہیں۔ اور یہ بیچارہ از خانماں آوارہ بیچ پناہ دامن دولت کے آیا ہے، حتی المقدور تغافُل و تکاسُل [168] نہ ہوگا۔ بشرط ایک امتحان کے، جو کچھ کہ چاہیے دوں گا، یہ اقرار کرتا ہوں اور ایک کام فرماتا ہوں۔ اگر بے خیانت از راہ درستی وراستی سرانجام پہنچائے گا، منزلت اور قدر اس کی زیادہ بادشاہ مغفور سے کروں گا۔ میں نے عرض کیا کہ جو کچھ کام اور خدمت لایق اِس فدوی خاکسار و ذرّہ بے مقدار کے ارشاد ہو بیچ تقدیم لوازم احتیاط و ہوشیاری اس کی سعادتِ کونین حاصل کرے گا۔ فرمایا کہ تو جاہل ہے، مُبادا خیانت کرے اور بیچ ایسی آفت کے گرفتار ہوے گا کہ مخلصی اس سے تا قیامت معلوم۔ میں نے عرض کیا کہ اگر شفقت ملک کی اوپر حال کثیر الاختلال اس مرغ بے پر و بال کے ہوگی تو خدا تعالیٰ سب آسان کرے گا، اور میں بہ جان و دل کوشش فراواں بیچ عمل کے لاؤں گا۔ چنانچہ ایک کاغذ بغل سے نکال کر اور مجھ کو آگے بلا کے بیچ ہاتھ میرے کے دیا اور کہا کہ اس تصویر کو واسطے میرے پیدا کر کے لا اور وقت ملاقات کے یہ دو شعر میری طرف سے کہہ سنا:

شعر

سب جان بوجھ کر کے مری بےکلی میاں
کیا واسطہ تھا آ کے خبر کیوں نہ لی میاں
ناحق کی یہ رُکھائی جو کرتے ہو ہم ستی
یہ بانکپن کی طرح نہیں ہے بھلی میاں
آخر کو ہوگا خون ہمارا تمھارے سر
یہ بات ہم نے خوب طرح اٹکلی میاں

بعد اتمام اس خدمت کے جو کچھ کہ مدعا اور آرزو ہوگی زیادہ اُس سے پاوے گا، والاّ جو کچھ خیانت کرے گا، خراب ہوگا۔ جس وقت کہ نگاہ میری اوپر تصویر پارچہ حَریر کے پڑی از خود بے خود ہوا لیکن خودداری، ضرور جان کر خدمتِ فیض [۶۷۳] دَرجت اُس کی سے مع مبارک دَدا کے رخصت ہوا اور بیچ بادیہ تلاش وترّدد کے گرم پویہ [۶۷۴] ہوکر دیہہ بدیہہ، قریہ بہ قریہ، شہر بہ شہر، ملک بہ ملک متلاشی رہا اور محنت بسیار ورنج بےشمار کھینچ کر مایوس مطلق ہوا۔ بعد مدت مدید ہفت سال کے بیچ ایک شہر کے پہنچا کہ تمام مَردُم سکنہ اس جگہ کے اسم اعظم الٰہی پڑھتے تھے اور کوئی متنفس خالی ازیں شغل نہ تھا، بہ مجرد داخل ہونے شہر کے ایک کور چشم عجمی ضعیف نظر آیا کہ در بدر گدائی کرتا ہے۔ اور کوئی اس کو کچھ نہیں دیتا ہے۔ میرے تئیں تعجب آیا اور اوپر احوال پُرملال اس کے رحم کر کے دست بہ جیب ہوا اور ایک دینار طلائی دیا۔ اُس نے کہا کہ اے مرد معلوم ہوتا ہے کہ تو اہل اس شہر سے نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ فی الواقع مدّت ہفت سال سے واسطے حصول مطالب کے نکلا ہوں اور صورت مطلوب کی نہیں دیکھتا ہوں۔ وہ پیر مرد دعا کہہ کر روانہ ہوا اور ہم بھی سیر کرتے ہوئے بیچ ایک مکان ویرانہ کے در آئے کہ عمارت وسیع وجائے رفیع تھی لیکن جابہ جا شکستہ وافتادہ۔ نہایت عبرت سے میں نے کہا کہ سبحان اللہ ایک وقت کیا تیاری ہوگی اور اب کیا صورت ہے۔ ہم کہ داخل عمارت

کے ہوئے نسیم راحت بہ مشام جان ناتواں پہنچی اور ساتھی اپنے سے کہا کہ کیابات ہو جو وہ گنج کہ بیچ تلاش اُس کی ایک مدت العمر سرگرداں مانند دانہ تسبیح کے ہورہا ہوں، اس ویرانہ میں ہاتھ آوے۔ اس عرصہ میں وہ مردِ اعمیٰ[۶۷۵] عصازناں آپہنچا اور اس مکان میں کہ زمین تحت عمارت کے تھی داخل ہوا۔ ایک آواز بیچ گوش ہوش میرے کے پہنچی کہ اے پدر خیر ہے جو آج شتابی مراجعت کی، اُن نے کہا کہ اے فرزند خدا تعالیٰ نے آج ایک جوان کو اوپر حال میرے کے مہربان کیا کہ ایک دینار طلائی خالص مجھ کو دیا۔ ایک مدت سے آرزو طعام لذیذ کی رکھتا تھا، سو خرید کر کے لایا اور واسطے تیرے پارچہ پوشیدنی جو کچھ کہ ضرور تھا، لیا۔ اگرچہ اوپر حاجت اُس جوان کے اطلاع نہ پائی لیکن بہ دل دعا واسطے حصولِ مطلب اُس کے کی اور اب تو بھی اُس کے حق میں دعا کر کہ دعا مظلوموں و مستمندوں[۶۷۶] کی بیچ جناب قاضی الحاجات کے مستجاب[۶۷۷] ہوتی ہے۔ میرے تئیں سننے اس احوال کے سے ایک رقت نے لیا، اور چاہا کہ ایک مُشت درم اس کے تئیں دوں۔ جو خوب نگاہ کر کے دیکھا تو اصل تصویر کہ طومار میں تھی، بعینہٖ معائنہ کی پس جوں ہی نظر میری اوپر اس گوہر مقصود کے پڑی، نعرہ مار کے بے ہوش ہوا۔ بعد ایک ساعت کے افاقت میں آیا اور کہا۔ شعر ؎

غم کے پیچھے راست کہتے ہیں کہ شادی ہوتی ہے
حضرت رمضاں گئے تشریف لے، اب عید ہے

مبارک نے جو میرے تئیں اس حال سے دیکھا فی الفور بغل میں لیا اور پوچھا کہ تجھے کیا ہوا تھا کہ ایسا بے خود ہو گیا۔ ہنوز جواب نہیں دیا اور نظر طرف مقصد کے تھی کہ نازنین نے آواز کی۔ کہ اے جوان شرم خدا سے رکھ کہ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَان سے بھی خبر رکھتا ہے کہ نہیں، میں فصاحت کلام اُس کی سے نہایت والہ و دیوانہ ہوا۔ مبارک اوپر احوال میرے کے بہ غایت دلبری و دلداری کرتا تھا لیکن حال اندرونہ کے سے مطلع نہ تھا میں نے در جواب اُس کے کہا کہ اے نازنین۔

فرد

جب سے کہ راہزن مرا وہ سیم بر ہوا
عاجز ہوا، غریب ہوا، در بدر ہوا

میں مسافر غریب ہوں، از وطن آوارہ، بیکس و بیچارہ۔ التماس یہ ہے کہ ایک لحہ میرے تئیں بیچ خدمت بزرگ اپنے کے راہ دے۔ وہ پیر مرد پہچان کے میرے تئیں اندر لے گیا اور بغل گیر ہوا اور وہ سرو ناز بیچ ایک گوشہ کے پنہاں ہوئی اس بزرگ نے سرگزشت میری پوچھی۔ میں نے ملک صادق کے ماجرے سے کچھ ذکر اور بیان نہ کیا اور کہا کہ اے پدر میں ایک صورت تصویر کو دیکھ کر عاشق ہوا ہوں، اس سبب سے حیران و سرگرداں اور پریشان بصورت درویشاں پھرتا ہوں اور باپ میرا فرمانروا ملک چین کا ہے۔ یہ تصویر ایک سوداگر سے، بہ عوض مبلغ خطیر ناگزیر لی ہے۔ دل اپنا سب تعلقات دُنیوی سے اُٹھا کر سیر ہر ملک و ہر دیار کا کیا تا ایں کہ بہ مقصد پہنچا ہوں۔ باقی اختیار تمھارا ہے۔ پیر مرد نے کہا، اے جوان نیک عنوان فرزند دلبند میری گرفتار دام بلا اور مصیبت میں مبتلا ہے، کوئی بشر مجال نہیں رکھتا ہے کہ دست ہوس کا بیچ دامن وصال اُس کے مار سکے۔ میں نے باعث اُس کا پوچھا:-

تب اس پیر مرد اعمیٰ نے حقیقت احوال اس وجہ سے اظہار کیا کہ میں بزرگ زادہ والا تبار اس دیار نا ہنجار کا ہوں۔ خدائے تعالیٰ نے میرے تئیں یہ دختر ہچو تابندہ اختر کرامت فرمائی کہ بیچ حسن و جمال اور غنج و دلال کے ثانی و نظیر نہیں رکھتی ہے جس وقت کہ آوازہ حسن و خوبی اس کے کا افسانہ ہوا جس نے سنا دل سے دیوانہ ہوا۔

بیت

باولے لاکھوں زلیخا سے پڑے پھرتے ہیں
کئی یوسف ہیں اسی چاہ زنخدان کے بیچ

اتفاقاً یہ مقدمہ گوش زد پسر فرمانروائے اس شہر کے ہوا۔ بہ موجب مضمون اس شعر کے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد
در آید جلوۂ حسن از رہِ گوش
ز جاں آرام بباید ز دل ہوش

اُن عزیز نے غائبانہ عاشق اور شیدا اس شیریں شمائل پر ہوکر اظہار بیدلی کا کیا۔ تب والد بزرگوار اس کا یعنی والی اس دیار کے نے میرے تیں خلوت میں بلا کر رضامند نسبت اور بیاہ کا کیا، بعد ازاں کہ ہر دو طرف سے کام نے سرانجام پایا ساعت سعید اختیار کر کے علما وفضلا نے عقد ازدواج کا باندھا۔ بیچ شب زفاف کے نوشہ نے چاہا کہ شرط مواصلت کی بجا لاوے اور گلشن جمال اُس کے سے گل کامیابی کے چنے۔ شعر ؎

دل جلے لالہ کے گلشن میں جب آتی ہے بہار
رنگ گل کو، آگ کے شعلے دکھاتی ہے بہار
بلبل و قمری کو دام طوق دیتی ہے بتا
مست دیوانوں کی زنجیریں تڑاتی ہے بہار

جوں ہی مرد و زن حجرہ سے باہر ہوئے کہ آوازہ نالہ و آشوب کی بلند ہوئی۔ سب نے متحیر ہو کے چاہا کہ دروازہ حجرے کا کھولیں اور اندر جا کے باعث اس خرابی کے سے مطلع ہوں۔ یہ بات ہرگز میسر نہ آئی۔ جب ہنگامہ برطرف ہوا اور شور وغل نے تسکین پایا اور دروازہ حجرے کا توڑ کر اندر داخل ہوئے، دیکھتے کیا ہیں کہ نوشہ کی گردن سر سے جدا ہے اور دلہن کف بہ لب بیچ خاک اور خون کے بے ہوش پڑی ہے۔ بہ مجرد دیکھنے اس حادثۂ جانگداز کے شادی بہ منزلہ مرگ کے ہوئی۔

مخمس

شرح اس غم کی زبان سیتی نہیں کی جاتی
شارحوں کے تئیں کچھ بات نہیں بن آتی
لکھنے بیٹھے ہیں تو کاغذ کی پھٹے ہے چھاتی
حالت اس دولھا دولہن کی نہیں لکھی جاتی
یوں قلم حرف کے آگے بہ زباں روتے ہیں

القصہ بادشاہ نے از روئے غضب اور قہر حکم واسطے قتل دختر کے فرمایا۔ پھر اسی طرح سے ازسرنو آشوب فتنہ وفساد نے سر اٹھایا۔ چنانچہ بادشاہ ترس جان کے سے خلوت نشین ہوا اور فرمایا کہ دولت سرائے خاص سے ان کو بدر کریں۔ بہ موجب حکم قضا قوام کے یہ بات فی الفور عمل میں آئی اور شہرہ شہر میں ہوا۔ کنیزوں نے دختر کو لاکر گھر میں رکھا۔ جو قتل شاہزادے کا بہ سبب دختر بد اختر کے ہوا تھا، بادشاہ اور تمام ارکان دولت، دشمن جان اور مال میرے کے ہوئے۔ بعد فراغ تعزیت شہزادے کے اُمراءؤ ندماءٗ وسائر[۱۶۸] عوام الناس اوپر قتل میرے اور قصاص دختر اور تاراج اموال کے مستعد ہوئے۔ ایک جماعت کثیر واسطے، سر انجام، اس کام کے تعین ہوئی۔ جس وقت کہ بیچ حوالی حرم سرا میری کے پہنچے، نگاہ سنگ اور خشت در و دیوار اور عمارت بام سے برسنے صادر ہوئے۔ اس واردات سے ہر ایک نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی اور ایک آواز مہیب گوش زد بادشاہ کے ہوئی کہ دستِ تعدّی[۱۶۹] اور ظلم و آزار اس گلعذار کے سے کوتاہ رکھ۔ والا جو کچھ کہ بیٹے تیرے نے دوستی اس کی سے دیکھا تو دشمنی اس کے سے دیکھے گا اور بیماری سخت و آسیب واقع ہوں گے چنانچہ حکم اعلیٰ صادر ہوا کہ ان کو گھر سے نہ نکالو اور تعدی اور ستم سے باز آوو۔ حافظوں نے تلاوت قرآن اور عالموں نے عمل اور صاحبِ افسوں نے منتر شروع کیے چنانچہ سالہائے سال اسی نوع سے گزرتے ہیں۔ ع دیو بہ گریزد وازاں قوم کہ قرآں خوانند

اور میں بھی مُفَصَّل اس واردات سے مطلع نہیں ہوں۔ مگر ایک روز عاجزہ سے پوچھا تھا

کہ تجھ کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیا اسرار ہے در جواب کہا کہ اتنا معلوم ہے کہ بیچ شبِ زِفاف کے شوہر میرے نے چاہا کہ مباشرت کرے، ناگاہ چھت مکان کی چری اور ایک جماعت پیدا ہوئی اور تخت مُکلّف بہ جواہر درمیان حجرہ کے آیا اور ایک شخص اوپر اس کے باجمال دلفریب بیٹھا تھا، جماعت نے قصد قتل شہزادے کا کیا اور وہ تخت نشین میری طرف متوجہ ہوا اور کہا۔ شعر ؎

کیونکہ اب رم کر سکو گے ہم ستی اے من ہرن
اب تو ہم نے تم ستی باندھا ہے اپنا جیوڑا
اے صنم تیرے جمال وخال اور ابرو کو دیکھ
اس سیہ کافر نے مسجد کو کیا ہے دیو ہڑا

میں واہمہ سے غش میں آئی اور جان از قالب تہی کی اور معلوم نہ ہوا کہ یہ کون ہے۔ درمیان انسان کے اور اُن کے اتنا تفاوت پایا کہ پاؤں اس گروہ کے مانند پاؤں گوسفندوں[۶۸۰] کے تھے لیکن۔

بیت

عشق میں ہندو ترک کے کچھ نہیں ہے بیوڑا
یاں مُنڈایا سر ہوا آزاد وہ با سیوڑا

پس اے جوان غریب و مہمان عجیب اس وقت سے کہ مال و اموال میرا قبضہ وتصرف میرے سے باہر گیا اور آشناؤں نے کنارا پکڑا خادم اور فرمانبردار جدا ہوئے، میں بیچ اس کنج ویرانے کے پڑا ہوں اور جس کسی نے کہ رفاقت نیک و بد کی دی اور جدا نہ ہوئی، یہ لڑکی ہے۔ اب کہ کارم بجاں و کاردم بہ استخواں پہنچا ہے بایں شکستگی احوال و دستیاری عصائے چوبیں سے گدائی کوچہ بہ کوچہ کرتا ہوں اور کوئی بدنامی کے باعث بھیک بھی نہیں دیتا ہے۔

فرد

ماراز خاک کویش پیراہن ست برتن
آں ہم زآب دیدہ صد چاک تابہ دامن

بعد مدت کے خدائے تعالیٰ نے تیرے تئیں اوپر حال ضعیف میرے کے مہربان کیا کہ طعام لذیذ کھایا اور دختر برہنہ تھی اُس کے کپڑے بنوائے۔ اگر خوف وخلل آسیب کا نہ ہوتا تو واللہ یہ عاجزہ بیچ کنیزی تیری کے دیتا اور باعث افتخار وسعادت اپنی کا جانتا۔ اب مُرتکب اس امر ناصواب کا ہونا مصلحت نہیں۔ ہر چند کہ میں نے اس قدر عجز والحاج کیا کہ بیچ شرح اور بیان کے نہ آوے، وہ پیر مرد ہرگز راضی نہ ہوا بلکہ مُبالغہ اور مُکابرہ حد سے درگزرا اور وقت شام کا ہوا۔ میں اس بزرگ کو دعائے خیر کہہ کے بیچ کارواں سرا کے آیا۔ مبارک خوشی وشادی سے بیچ جامہ کے پھولا نہ سماتا تھا اور کہتا تھا اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَ المِنَّۃ کہ مقصد دلی پر فائز ہوئے۔ میں تخلل عشق سے بے خود وحیران تھا کہ واللہ اعلم بالصواب یہ مرد دختر اپنی کو مجھے دے یا نہ دے اگر وہ نہ دیوے اور مبارک جو ملک صادق کے واسطے چاہتا ہے تو کس طور سے اس کو راضی کروں اور معشوقہ کو بیچ قابو کے لاووں اور یہ وصال جاناں کامیاب ہوں مگر شرارت جنوں سے نجات پاؤں یا نہ پاؤں اور جو اس شہر میں سکونت اختیار کروں تو ملک صادق یہ بات سن کر واللہ اعلم کیا سلوک کرے بیچ اس منصوبہ اور پیچ وتاب کے نہایت غرق و مُشَوّش تھا۔ بارے علی الصباح بیچ بازار کے جا کے لباس فاخرہ واسطے دختر کے اور واسطے اس پیر مرد کے خرید کیا اور میوہ ہائے گوناگوں اور غذاہائے لطیف لے کر بیچ خدمت اس خضر گم گشتگان بادیۂ ناکامی کے پہنچا۔ ان نے نہایت مہربانی اور تَلَطُّف اوپر حال خسراں مآل میرے کے کیا اور فرمایا کہ اے عزیز تیرے تئیں جان سے بھی زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ مبادا مفت مارا جاوے تو حسرت قیامت تک باقی رہے۔ میں نے عرض کیا کہ اے پدر مہربان ایک مدت سے بادل بریاں ودیدۂ گریاں رنج غربت کشیدہ ومصائب سفر دیدہ از شہر بہ شہر ودیہہ بہ دیہہ وصحرا بہ صحرا وکوچہ بہ کوچہ حیراں وسرگرداں ہو کر اوپر سرچشمۂ وصال

اِس نونہال کے پہنچا ہوں۔

فرد

کے از دست خواہم رہا کردنش
کنونم کہ باشد بہ کف دامنش

القصہ تامدت یک ماہ بیچ خدمت اس پیر ہدایت مَصیر [۶۸۱] کے دوڑا اور کوئی دقیقہ بیچ عجز و انکسار کے باقی کے نہ چھوڑا تا آنکہ وہ مرد کامل سخت بیمار و کاہل ہوا اور مجھ سے فرمایا کہ ہر چند منع کرتا ہوں اور تو دست ہوس کا دامن اس آرزو کے سے کوتاہ نہیں کرتا ہے، خوب آج مصلحت دختر سے کروں گا، دیکھیے کیا کہتی ہے۔ میں سننے اس مژدۂ راحت افزا سے بہت خوش وقت ہوا اور آداب بجالا کے رخصت ہوا۔ تمام شب مارے خوشی کے نیند نہ آئی۔ علی الصباح خوش وخرم بیچ خدمت اُس بزرگ کے آیا۔ اُن نے فرمایا کہ اے جوان میں نے دختر اپنی تجھ کو دی اور اس کو اور تجھ کو بخدا سپرد کیا۔ پس جب تک کہ دم باقی ہے، میرے پاس حاضر رہ بعد ازاں جو کچھ کہ چاہے عمل میں لائیو، مختار ہو۔ بعد چند روز کے جو اُس پر صاحب تدبیر نے اس جہان فانی کو لبیک بہ داعیٔ اجل گفتہ وداع کیا اور داغِ مہاجرت کا اوپر ہمارے چھوڑا، تجہیز و تکفین اس کی سے فراغت پا کے مبارک دختر کے تئیں چادر اُڑھا کر بیچ کارواں سرا کے لایا اور میں نے چاہا کہ بیچے قدم اس معشوقۂ دِلنواز کے سراپنا ڈالوں، مبارک نے کہا کہ اے عزیز ملک صادق سے اندیشہ کر کہ تمام یہ محنت و مشقت سالہا سال کی رائیگاں جائے گی۔ میں نے سننے اس نصیحت کے سے کنارا کیا۔ مبارک نے واسطے تسلّی اور تسکین میری کے کہا کہ اس امانت کو سلامت بیچ حضور ملک صادق کو پہنچا دیں۔ اگر وہ ازراہِ عنایت کے تیرے تئیں مرحمت فرماوے تو، بڑا لطف ہے والّا ہاتھ اُس بادشاہ جنوں کے سے جانبر نہ رہے گا۔ بارے دو شتر اور کجاوے [۶۸۲] خرید کر کے روانہ منزل مقصود کے ہوئے اور بعد مدت مدید کے قریب آپہنچے ایک آواز ہنگامہ وشور کی مسموع ہوئی اور مبارک نے کہا کہ فوج

جنات کی آئی اور الحمد للہ کہ محنت بہ راحت مُبدّل ہوئی۔ چنانچہ مبارک نے ملاقات کر کے پوچھا کہ آنا تمھارا کیوں کر ہوا۔ کہا کہ جس وقت خبر شاہ کو پہنچی کہ معشوقہ تمھارے ہاتھ آئی، ہم کو تعینات کیا کہ بہ محافظت تمام در ہر منزل و مقام، گام تا گام، مدام ہم عناں ہو کے چلے آؤ۔ اب کہ نزدیک تر پہنچے ہیں، اگر کہو تو ہم ایک لحہ میں پہنچادیں۔ مبارک نے کہا اگر نازنین کو از راہ وحشت کے کچھ آسیب پہنچے تو محنت سالہا رائیگاں ہو جائے اور مَورِدِ عتاب و خطاب شاہ کے ہوویں گے، جلدی خوب نہیں۔ سب نے در جواب کہا۔

ع صلاحِ ما ہمہ آنست کاں صلاح شماست

پس شب و روز با مَحَن [۶۸۳] وسوز چلے جاتے تھے کہ ایک رات مبارک نے از بس بیداری سے بستر خواب کا گرم کیا اور میں نے اپنے تیئں زیر قدوم میمنت لزوم اُس سرِ تکیۂ ناز کے پہنچایا، گریۂ وزاری اور عذر خواہی بسیار و نہایت بے قراری درمیان لا کر کہا کہ اے نازنین مہہ جبینِ باعث آرام خاطرِ غمگیں ع قسم بجانت کہ بر نہ دارم سرِ ارادت ز خاک آں پا

جس روز سے کہ صورت تیری دیکھی بتلا زلف دل آویز کا ہوا ہوں دام الفت میں گرفتار ہوں۔ در جواب اُس نے فرمایا کہ شہر وطن مالوف میرے سے قصد اس طرف کا کیوں کیا۔ میں نے کہا کہ خوف تظلم بادشاہ کے سے چل نکلا۔ تب کہا کہ چشم کرم کی خدا تعالیٰ سے رکھا چاہیے کہ جو کچھ چاہے سو کرے لیکن اے جوان میں نے بھی دل اپنا بیچ وفا اور دوستی تیری کے باندھا ہے، چاہیے کہ بیچ کسی حال کے مجھ سے غافل اور فراموش نہ رہ۔ چنانچہ سخت زار زار مانند ابر بہار کے روئی اور مبارک اوپر اس حال کے مطلع ہو کر نہایت غمگین ہوا اور کہا کہ ایک روغن میرے پاس ہے وہ بیچ بدن اس گلبدن کے لگاؤں گا کہ ملک صادق نفرت کرے گا اور معشوقہ تیرے ہاتھ آوے گی۔ یہ بات سن کر نہایت خوش ہوا اور شکرِ الٰہی وحقوق خدمت مبارک کا ادا کیا اور بیچ خواب غفلت کے سو رہا۔ صبح کے وقت ایک آوازِ جنوں کی سامعہ افروز ہوئی اور میں نے دیکھا کہ چند کس واسطے طلب ہماری کے آئے ہیں اور دو

خلعت فاخرہ لائے ہیں اور ہودج زرنگار مزین بہ جواہر آبدار واسطے اس گلعذار کے ہمراہ ہے ،مبارک نے فی الفور روغن بدن میں اس معشوقہ کے لگایا اور اس ہودج پر سوار کیا۔ جنیاں [۶۸۴] وہیں حضور میں لے گئے اور ہمارے تئیں تحسین وآفریں کر کے امیدوار انعامات بیش از احاطہ بشری کا کیا۔ شعر

کیا کہوں اپنے دلستاں کی طرح
پھر نہ آیا، گیا جو جاں کی طرح

جب وہ صنم حضور ملک صادق کے گئی، نہایت پُرملال وسراپا رنج ونکال [۶۸۵] اور حال سے بے حال تھی۔ بوئے ناخوش روغن کی بیچ دماغ ملک صادق کے پہنچی برہم ہوکر باہر آیا اور ہم کو بیچ حضور کے بلایا اور مبارک سے فرمایا کہ اے مرد، شرط بجا نہ لایا اور کہا تھا کہ خیانت نہ کروں گا۔ پس یہ بد بو روغن کی کیا ہے؟ یہ بات کہہ کر مَوردِ عتاب وخطاب کا کیا۔ مبارک نے فی الحال بند شلوار کا کھول کر اندام نہاں اپنا دکھایا اور کہا کہ حضرت سلامت غلام جس وقت مامور اوپر اس امر خطیر کا ہوا اُسی وقت رجولیت [۶۸۶] اپنی کاٹ کر اور حوالہ خازن ملک کی کر کے اور اَنذَک [۶۸۷] مرہم سلیمانی لگا کے بعد از فرصت روبراہ ہوا۔ تب اُن نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ معلوم ہوا کہ یہ خیال محال تیرے سر میں ہوگا، جو یہ امر شنیع [۶۸۸] بیچ ظہور کے لایا، دیکھ تو تیرا کیا حال کرتا ہوں اور اس قدر غصہ کیا کہ میں تاب نہ لا سکا اور آگے دوڑ کر مبارک کی کمر سے خنجر لے کر اوپر ملک صادق کے مارا۔ بہ مجرد اس عمل کے میرے پیروں پر جھکا۔ میں نے متردد اور متفکر ہو کر معلوم کیا کہ ضربت نے کام پورا نہ کیا کہ اتنے میں وہ یکایک روئے زمین پر لوٹ کر مانند گیند ہوا اور طرف ہوائے آسمان کے اڑا اور نظر سے غائب ہوا۔ بعد ایک لمحے کے ہوائے فلک سے نیچے آیا، مانند رعد کے جوشاں و خروشاں اور مانند برق کے جہندہ [۶۸۹]۔ پاس میرے آکر ایک لات ماری کہ میں بیہوش ہوا۔ جس وقت کہ ہوش میں آیا بیچ جنگل سخت کے پایا کہ بغیر از ریگ بیاباں ومغیلاں کے کچھ اور نہ تھا۔ ایک آہ سرد دلِ پُردرد سے بر لایا اور مانند مجذوبوں کے صحرا نورد و دشت پیما

بادیۂ ضلالت و ناکامی کا ہوا اور جس کسی سے مکان ملک صادق کا پوچھا نشان نہ پایا، احوال میرا مطابق مضمون اس شعر کے ہوا۔ شعر ؎

نام لیلیٰ کا دم بہ دم لے لے
مارتا ہے جنگل میں مجنوں سر
اُن ڈبائی ہے میرے دل کی ناؤ
زلف ہے جس پیارے کی لنگر

لاچار مایوس ہو کر چاہا کہ اپنے تئیں ہلاک کروں، یہ سوچ اوپر اُس کوہ کے پہنچا کہ یہ درویش جہاں پہنچے ہوئے تھے اور اشارہ اُس عابد کے سے بیچ اس مکان کے آیا اور تم بزرگوں سے مشرف ہوا۔ اب بیچ خدمت بادشاہ کے ملازمت کیمیا خاصیت حاصل کی۔ آگے دیکھیے کہ خواست الٰہی کیا ہے۔

جس وقت کہ سرگزشت درویش چہارم کی تمام ہوئی ناگاہ ایک غلغلہ شادی کا حرم سرائے شاہی سے بلند ہوا۔ خواجہ سرایان ڈیوڑھی خاص محل خبر لائے کہ تولد فرزند نونہال چمن شہر یاری مبارک باد۔ فرخندہ سیر اس خبر بہجت اثر سے نہایت خرم و دل شاد ہوا اور فرمایا کہ ظاہر میں تو کوئی بارور نہ تھا اہل حرم سے دریافت کرو کہ مژدۂ راحت اَفزا کہاں سے سامعہ افروز ہوا۔ عرض کیا کہ فلانی سہیلی کہ مورد عتاب کی ہوئی تھی اور ایک مدت سے داخل مغضوبوں کے ہو کر بیچ عافیت کے مخفی تھی اور مجرائے پابوسی سے محروم رہتی تھی اور کوئی ترس اور بیم جاں سے خدمت اُس کی نہ کرتا تھا اور متحیر تھی کہ انجام حمل اس کے کا کیوں کر ہوا اور کیا ہوگا۔

فرد

نہ ہووے کام دل کا کیونکہ حاصل عجز و خواری سے
کہ دانا سبز ہو اُفتادگی اور خاکساری سے

الحمد للہ و المنۃ کہ گلبن عصمت و بختیاری کے سے گل مراد کا شگفتہ ہوا اور بادشاہ

خدمت ہر چہار درویش دل ریش کے سے رخصت ہو کر اندرون محل کے تشریف لایا اور اس گل گلشن، حسن و لطافت کو بغل میں لے کر بوسہ اوپر پیشانی اُس کے دیا اور بیچ پائے درویشوں کے ڈال کر کہا، کہ از قُدوم بہجت لزوم تمھارے سے یہ دولت غیر مُترقب میسر آئی، شعر ؎

جوانی بیچ زور عشق نے جب پیر کر ڈالا
مرا قد بار غم نے، حلقۂ زنجیر کر ڈالا
قیامت سحر ہے اس شاہ خوباں کی نگاہوں میں
ہمارے ملک دل کو دیکھیے تسخیر کر ڈالا

اور بیچ عیش محل کے لے جا کر دائی ہائے صاحب ذکا کے تئیں سپرد کیا اور جشن نوروزی اور شادی عید جمشیدی کر کے داد عیش و نشاط کی دی اور لشکر کو ساتھ داد و دہش فراواں کے سرفراز و بے نیاز کیا اور سہ سال محصول رعیت کو معاف فرمایا اور بندیوانوں کے تئیں قید سے چھوڑا اور کہا:

فرد

نو بہار آئی ہے، پابندوں کی زنجیروں کو توڑ
فصل گل میں نئیں گوارا ان کو زنداں کی ہوا

اس عرصہ میں پھر ایک آواز خَلل کی محل خاص سے ایسی ہی آئی کہ ایک عالم کانپ اٹھا اور بیچ ورطۂ تحیر و گرداب تفکر کے حیران رہے۔ خبر اندرون محل سے آئی کہ جس وقت شہزادہ بلند اقبال کے تئیں بیچ کنار دایہ بلند پایہ کے رونق افزا کیا۔ ایک ابرِ تیرہ[۲۹۰] غیب سے نمودار ہوا اور دایہ کو مع شاہزادہ احاطہ کیا۔ بعد ارتفاع اس دود حیرت آمود کے دایہ بے ہوش اور طفل ناپیدا ہوا۔ بہ استماع اس سانحہ عجیب و واقعہ غریب بادشاہ اور جملہ حاضران متحیر اور متعجب ہوئے اور کہا:

فرد

کیوں نہ ہو اس دُکھ سے ہم کو بے قراری الغیاث
ہے ترے تیرِ نگہ کا زخم کاری الغیاث

القصہ بعد دو روز کے شاہزادہ کو با گہوارہ زرّیں و مرصّع و گہوارہ پوش معہ جھالر مروارید و خلعت فاخرہ پنہا کر بیچ دولت خانہ حضرت ظل اللہ کے لائے۔ دیکھنے اس عجائب و غرائب کے سے جمیع خادمان محل نے مانند گل کے شگفتہ اور مانند تصویر کاغذ کے متحیر ہو کر کہا کہ یا الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ بادشاہ نے ایک عمارت نو کار مطبوع و دلکش واسطے درویشوں کے متصل خاص محل کے تیار کروائی اور اکثر اوقات بعد از فراغ امور مملکت جلیس ہمدم و انیسِ دل پُرغم درویشاں دل ریشاں کا رہتا۔ چنانچہ ہر مہینہ میں ایک دفعہ ابر تیرہ آتا اور شاہزادے کے تئیں بدستور مذکور لے جاتا اور بعد دو سہ روز کے با خوان ہائے لطیف و کسوت ہائے مُنیف کہ چشم مردم کی دیکھنے اُس کے سے خیرہ ہوتی تھی لے آتا۔ تا آنکہ سن شریف اس کا بہ ہفت سالگی پہنچا۔ بادشاہ اور درویشوں نے مصلحت باہم کی اور ایک عریضہ، نیاز بدیں مضمون لکھا کہ اگر ایں حیرت زدگان را از راہ شفقت و الطاف بلا اکناف کے ورطۂ حیرت اس امر عجیب کے سے اوپر ساحل آگاہی کے لا کر اطلاع بخشو گے، بعید از توجہات و مہربانی نہ ہوگا ۔

بہت ہے عشق میں تیرے ہمیں خوشی کی ہوس
نکالیں کس طرح اے جان اپنے جی کی ہوس
اگر زمیں پہ بہشت بریں ملے ہم کو
نہ جائے تو بھی، مرے دل سے، اس گلی کی ہوس

یہ لکھ کر بیچ گہوارہ شہزادے کے رکھ دیا اور شہزادہ بہ طریق مَعہود کے غائب ہوا۔ جس وقت آفتاب عالمتاب بیچ آرام گاہ مغرب کے گیا اور شاہ زریں کلاہ انجم سپاہ ماہ کا اوپر تخت زمرّد گوں آسمان کے جلوہ افروز ہوا، فرخندہ سیر بیچ صحبت درویشوں کے ہم جلیس و ہم کلام تھا

کہ ناگاہ ایک کاغذ بیچ دامن بادشاہ کے آن پڑا۔ دیکھا تو لکھا تھا کہ "ہمارے تئیں مشتاق طاق تصوّر کر کے تخت پر کہ واسطے سواری کے بھیجا ہے، سوار ہو کر تشریف ارزانی فرماؤ کہ جشن عالی ترتیب دیا ہے اور منتظر قدوم میمنت لزوم تمھارے کا ہوں کہ جائے شما خالی است" بہ مجرد پڑھنے خط کے اور ملاحظہ تخت کے بادشاہ مع درویشاں سوار ہوا۔ تخت کو مانند تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے بادصبا او پر دوش اپنے کے لے اُڑی اور یے پانچوں شخص بے ہوش ہوئے اور یہ شعر بہ زبان دُر بیان خندہ سیر کی سے سرزد ہوا۔ شعر ؎

اٹھا سر پر بلائے آشنائی
ہوا ہوں مبتلائے آشنائی
ملے کیوں کر نہ حسرت دلبروں سے
ہے اس کا دل فدائے آشنائی

وقت ہوشیاری کے اپنے تئیں ایسے مکان پر پایا کہ تمام عمر میں نہ دیکھا تھا اور نہ کسی سے سنا تھا۔ کسی نے کہا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ سلیمانی کھینچو۔ بہ مجرد اس عمل کے دو چار قطرے آنکھوں سے گرے اور ایک جماعت پریوں کی نظر پڑی کہ واسطے طلب کے آئیں تھیں، کہا کہ ملک شہبال بن شاہ رُخ نے حضور طلب کیا ہے۔ فرخندہ سیر بہ رفاقت درویشاں روانہ ہوا۔ دیکھا کہ تخت مرصع اور کرسی جڑاؤ متعدد بچھی ہیں اور فوج فوج پریزاد دست بستہ استادہ ہیں اور شہبال بن شاہ رُخ او پر تخت مرصع تکیہ لگائے بہ تزک تمام بیٹھا ہے اور ایک پریزاد ہفت سالہ بیچ حضور کے بیٹھی ہے اور ساتھ شاہزادہ بختیار بن فرخندہ سیر کے بیچ لہو لعب کے مشغول ہے۔ ملک شہبال بہ مجرد دیکھنے کے اٹھ کر بغلگیر ہوا اور او پر تخت کے پاس اپنے بٹھایا اور کرم اور نوازش بے اندازہ کرامت فرمائی اور تمام روز بیچ عیش وعشرت اور راگ ورنگ کے گزرا۔ روز دوم جس وقت کہ خسرو گردوں کا بیچ اسپک نیلگوں سپہر کے رونق افزا ہوا۔ ملک شہبال نے حقیقت احوال فرخندہ سیر کی اور باعثِ رفاقت درویشوں کا استفسار کیا چنانچہ بادشاہ عالی جاہ نے مفصل کیفیت ہر چہار شخص کی کہ بہ منزلہ اربعہ عناصر کے

متفق تھے حواس خمسہ اپنے کے تئیں درست کر کے گزارش کیا اور کہا کہ اگر سعی و توجہ خود بدولت و اقبال کے سے یہ مظلومان بے چارہ از خانماں آوارہ، گرم و سرد زمانہ کشیدہ و رنج و راحت و ہر چشیدہ کہ بہ دامنِ دولت مستفیض و مستفید ہوئے ہیں، مطلب اور مراد کو پہنچیں تو بعید از بندہ پروری و مسافر نوازی نہ ہوگا ؎

چشمِ ترحم ز تو داریم ما
قبلہ توئی رو بہ کہ آریم ما
حاجتِ ما از تو بر آید تمام
دامنت از کف نہ گزاریم ما

بادشاہ شہپال نے سننے اس ماجرائے تعجب افزا کے سے نہایت مستعد و سرگرم ہو کر نگاہ تند و تلخ سے طرف دیواں و عفریتاں و پریاں کے دیکھا اور بزرگان و سرداران جنیاں کے تئیں جابجا لکھ بھیجا کہ بہ مجرد مطالعہ اس فرمان قضا جریان [۶۹۱] کے اپنے تئیں بیچ حضور لامع النور کے حاضر کریں اور توقف ایک ساعت کا روانہ رکھیں و اِلّا موردِ عتاب و خطاب کے ہوں گے اور جنس آدم زاد سے کیا مرد و کیا زن جس کے پاس ہو ہمراہ لاوے اور اِخفا اس معنی کا موجب پریشانی و حیرانی اپنی کا جانے، دیوان و عِفریتان و جنیان بیچ اطراف عالم کے پراگندہ ہوئے اور نامہ متضمّن [۶۹۲] تاکید اکید کے جابجا پہنچائے اور ملک شہپال ساتھ بادشاہ اور درویشوں کے ہم کلام بہ ایں حکایت ہوا کہ مدت سے بیچ آرزوئے تولد فرزند دلبند کے تھا اور یہ عہد کیا تھا کہ جس وقت میرے تئیں حق تعالیٰ پسر یا دختر عنایت فرماوے گا تو جو کوئی پسر یا دختر بادشاہان اَقالیم میں سے بیچ زُمرۂ انسان کے تولد ہوگا نسبت اس کی ساتھ فرزند اپنے کے مقرر کروں گا۔ بارے اندرون محل کے جو ملکۂ آفاق بارور ہوئی اور بعد اِنقضائے ایام حمل کے دختر خجستہ اختر مُتَوَلّد ہوئی، اسی وقت حکم کیا کہ جہاں کہیں بیچ گھر سلاطین زماں کے لڑکا تَوَلُّد ہوا ہو اس کے تئیں لا کے حاضر کرو۔ بہ موجب حکم قضا توام [۶۹۳] کے اس شہزادہ بختیار کے تئیں لائے اور میرے تئیں محبت اس کی دامنگیر خاطر کے ہوئی۔ چنانچہ ہر ماہ میں

ایک دفعہ حضور میں بلا کر مُوردِ عنایات کا کرتا ہوں اور شرط تربیت و پرورش کی بجالاتا ہوں اور بیچ دامادی اپنی کے ممتاز و سرفراز کیا۔ فرخندہ سیر نے سننے اس داستان ہدایت بنیان کے سے خوش وقتی حاصل کی۔ القصہ بیچ ہفتہ عشرہ کے تمامی بزرگان و سرداران، جنات گلستانِ ارم اور شہر سبز اور پردۂ کوہ قاف اور اور دریائے قلزم کے اور ملک عرب و عجم و ہندوستان وغیرہ اور کوہستان جزائر و بنادر کے بالکل آکر حاضر ہوئے۔ اول ملک صادق سے طلب اس گلعذار کا کیا کہ شہزادہ چین کا گرفتار زلف پُرچین اس کے کا تھا۔ بعد پیچ و تاب بسیار کے لاچار ہو کر حاضر کی۔ بعد از اں بادشاہِ جنیان ولایت عمان کے سے دختر عفریت کی کہ اس پر شہزادہ ملک نیمروز کا گرفتار اور گاؤ سوار تھا، طلب کی، بعد از عذر ہائے بسیار کے وہ بھی آئی۔ جس وقت دختر بادشاہ فرنگ اور بہزاد خاں کے تئیں طلب کیا، سب منکر پاک ہوئے بلکہ قسم اَقسام شدید درمیان لائے مگر سردار جنیان دریائے قلزم نے سر آگے ڈالا اور خاموش رہا۔ ملک شہبال نے از روئے عقل دریافت کر کے اس کی طرف نگاہ گرم سے دیکھا، ان نے عرض کیا کہ جس وقت والد بزرگوار اس شہزادے کا، واسطے استقبال کے آیا، اور ان نے گھوڑا بیچ دریا کے ڈالا میں کہ واسطے سیر و شکار اس دیار کے سوار ہوا تھا۔ یکایک نگاہ میری اوپر اس معشوقہ جادو نگاہ کے پڑی۔ بہ مجرد دیکھنے کے بے اختیار عاشق و فریفتہ ہو کر شکار سے خالی ہوا اور صبر و قرار میرا گیا۔ جس وقت کہ ان نے گھوڑی اپنی بیچ دریا کے ڈالی میں نے حلو اس کی پکڑ کے بیچ قابو کے کیا اور جو بہزاد خاں فرنگی کے تئیں بیچ عالم انصاف کے مردمردانہ پایا، فرمایا کہ اس کے تئیں بھی لے لو، چنانچہ وہ بھی ہمارے پاس سلامت و حاضر ہے۔ یہ کہا اور دونوں حاضر کیے۔ بعد اس کے دختر فرمانروائے شام کے تئیں تلاش کیا اور ہر ایک سے پوچھا کچھ نشان نہ پایا بلکہ سوگند [۱۹۴] عظیم درمیان لائے۔ ملک شہبال نے فرمایا کہ کوئی غیر حاضر بھی ہے یا سب آچکے۔ عرض ہوئی کہ مسلسل جادو نے ایک قلعہ مستحکم علم سحر سے بیچ کوہ قاف کے بنایا ہے اور اس میں مستحصن [۱۹۵] ہے و اسیر دستگیر کرنے میں اس کے کسی کو طاقت اور مجال نہیں ہے۔ یہ بات سن کر ملک شہبال نے فرمایا کہ جنیان و دیوان و عفریتان فوج

فوج وتوپ توپ مستعد و مسلح ہو کر جاویں اور اس کو اسیر و دستگیر کر کے حضور میں لا دیں اور ملک و مال اس کا تاخت و تاراج کر کے صَفاً صَفا[۶۹۶] کی نوبت پہنچا دیں۔ بہ مجرد ہونے حکم کے افواج قہار و لایق کارزار افزوں از حد و شمار روانہ ہوئے۔ آخرش تھوڑی فرصت میں داد مردی و مردانگی کی دے کر حلقہ بگوش کیا اور حضور میں لائے۔ جس وقت ملک شہبال نے استفسار ماجرا کیا، مطلق جواب نہ دیا۔ تب بادشاہ نے فرمایا، اس کے تئیں بانواع عقوبت و عذاب مَعاذب[۶۹۷] کر کے پارہ پارہ کریں اور افواج پری کے تئیں حکم کیا کہ تفحص و تجسس کر کے اس نازنین کو پیدا کریں۔ وے بہ موجب حکم بادشاہ کے ملکہ شام کے تئیں تلاش کر کے حضور میں لائے۔ درویش دیکھنے اس حکم اور عدالت کے سے بیچ تعریف اور توصیف بادشاہ شہبال کے رَطبُ اللِّسان اور عذب البیان ہوئے اور حکم بادشاہ شہبال کا یوں نفاذ ہوا کہ مردوں کے تئیں، باہر دیوان خانہ میں اور عورتوں کے تئیں اندر عیش محل کے لے جاویں اور فرمایا کہ شہر کے تئیں آئین بندی و چراغاں و آرائش کی تیاری ہو۔ پس ساعت سعید اختیار کر کے، اول شہزادہ بختیار بن فرخندہ سیر بادشاہ کو ساتھ دختر روشن اختر اپنی کے جلوہ افروز تخت عروسی کا کیا اور خواجہ زادہ یمنی کو ساتھ دختر سلطان دمشق کے کیا۔ اور بادشاہ زادہ ملک فارس کو ساتھ شاہزادی بصرہ کے منعقد کیا اور بادشاہ زادہ عجم کو ساتھ ملکہ فرنگ کے ازدواج بخشا اور بہزاد خاں کو ساتھ دختر فرماں روائے نیمروز کے منکوح فرمایا اور شاہزادہ چین کو ساتھ دختر پیر اعمیٰ کے کہ در قبض تصرف ملک صادق کے تھی، جلوہ عروسی و دامادی کا دیا اور شاہزادہ نیمروز کو ساتھ دختر عفریت کے شرف مناکحت کا بخشا۔ القصہ چالیس روز تک گلستان ارم کے باعیش وعشرت مشغول رہے اور داد خوشی اور کامرانی کی دی۔ بعد ازاں ملک شہبال نے ہر ایک کو باتحفہ ہائے انواع ہر ملک و دیار کے بہ ہر اطراف مطلوبہ ان کے باجمعیت شایستہ روانہ کیا کہ ہر ایک بیچ وطن اپنے پہنچا اور واسطہ استعانت ملک شہبال کے قابض ومتصرف مملکت موروثی اپنی کے ہو کر بقیہ عمر مستعار ساتھ کام دل کے زندگی بسر لے گئے اور خواجہ زادہ یمنی و بہزاد خاں فرنگی بیچ رفاقت فرخندہ سیر کے بہ خواہش دل و رضامندی جاں حاضر

رہے اور خواجہ زادہ یمنی بخدمت خانسامانی اور بہزاد خاں فرنگی بہ علاقہ بخشی گری فوج شاہزادہ بلند اقبال بختیار والا تبار کے سربلند ہوئے۔ عاقبتُ الامر بہ مُقتضائے اس کے کہ یہ جہان فانی ہے، ندائے کُلُّ نفسٍ ذَائِقَۃُ المَوت کی دے کر آسودہ عالم بقا کے ہوئے۔ الٰہی جس طرح یہ چار درویش مع بادشاہ فرخندہ سیر و شہزادہ نیمروز و بہزاد خاں فرنگی ہر ایک اپنی مراد کو پہونچے اسی طرح ہر ایک کی مراد اور مقصد بر آوے۔ مصرع

یاالٰہی دُعائے خستہ دِلاں مُستجاب کُن

❑❖❑

نورالحسن ہاشمی

مقدمہ

''نوطرز مرصع'' شمالی ہند میں اردو نثر کی سب سے پہلی کتاب ہے، اس سے پہلے کی ہمیں اب تک کوئی مکمل کتاب شمالی ہند میں نہیں مل سکی ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد اس کا سالِ تصنیف ۱۷۹۸ء بتاتے ہیں، حالانکہ یہ اس سے بہت قبل لکھی گئی تھی۔ ڈاکٹر سید سجاد نے اس کتاب کے متعلق بڑی کاوش سے تحقیق کی ہے اور لندن یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹری کی سند بھی اس پر عطا کی ہے۔ ''نوطرز مرصع'' کی تاریخ کے سلسلے میں یہاں انہیں کی تحقیقات سے افادہ کیا گیا ہے۔

''نوطرز مرصع'' کے مؤلف کا نام میر محمد حسین عطا خاں ہے۔ تخلص تحسینؔ، اٹاوہ (یوپی)، وطن۔ ان کے تفصیلی حالات ابھی تک نہیں معلوم ہو سکے ہیں۔ عموماً صرف اسی قدر معلوم ہیں جتنے انہوں نے نوطرز مرصع کے دیباچے میں خود لکھے ہیں، بات یہ ہے کہ اس وقت اردو نثر نگاری کی بساط ہی کیا تھی، تحسین کے زمانے میں کتنے نثار تھے جو ان سب کا تذکرہ لکھا جاتا، البتہ شاعروں کی تعداد بہت تھی اس لیے ہمارے

اردو ادب میں قدما نے جتنے تذکرے لکھے وہ سب شاعروں کے متعلق ہیں، شاعری میں تحسین کا مرتبہ بہت بلند نہ تھا، اس لیے تذکروں میں اگر کہیں ان کا نام آیا بھی ہے تو بہت سرسری طور پر۔

سب سے پہلے ان کا ذکر ہماری زبان اور ادب کی سب سے پہلی تاریخ آبِ حیات میں ملتا ہے جس میں ابتدائی نثر نگاروں کا ذکر کرتے ہوئے تحسینؔ کا ذکر نوطرز مرصع کے مصنف ہونے کے سلسلے میں کر دیا گیا ہے اور اس کتاب کا سال تصنیف آزادؔ نے ۱۷۹۸ بتایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آزادؔ کو خود ان کا حال زیادہ معلوم نہ تھا۔ صرف دو سطروں میں ان کا ذکر ختم کر دیا ہے [۱] کہ آزاد کے بعد جتنے اور دیگر ادب کے مورخ ہوئے ہیں انہوں نے بھی اس کے ذکر میں کسی تحقیق سے کام نہیں لیا اور ہر ایک آزاد کی نقل کرتا چلا گیا۔ سیر المصنفین (محمد یحیٰ تنہا)، نمونہ منثورات (احسن مارہروی)، گل رعنا وغیرہ میں محض آب حیات کی عبارت ملتی ہے۔ داستان تاریخ اردو (حامد حسن قادری) میں اس کا ذکر اس دیباچے سے نقل کر دیا گیا ہے جو مولوی عبدالحق نے میر امنؔ کی باغ و بہار پر لکھا تھا۔

قدیم تذکروں میں بحیثیت شاعر کے سب سے پہلے جس تذکرے میں تحسین کا ذکر ملتا ہے وہ خوب چند ذکا کا ہے جو غالباً ۱۷۸۸ء میں ترتیب دیا گیا اس میں تحسین کا ذکر صرف بہ حیثیت شاعر کے ہے بہ حیثیت نثار کے نہیں، نوطرز مرصع کا اس میں کہیں ذکر نہیں ہے اور ان کے والد کا نام بھی غلط لکھا ہے یعنی مراد خاں شوق۔ تذکرہ سرور میں دو شخص تحسین کے تخلص سے درج ہیں۔ ایک منشی محمد حسین عطا خاں جن کی بابت صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ اٹاوے میں رہتے ہیں۔ دوسرے محمد حسین خاں ساکن لکھنؤ جن کی بابت لکھا ہے کہ ان کا خطاب ''مرصع رقم'' ہے اور یہ اچھے خوش نویس اور انشاء پرداز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرورؔ نے ایک ہی شخص کے دو کر دیے ہیں۔ محی الدین کے تذکرۂ طبقات سخن میں البتہ سب سے پہلے ان کا ذکر بہ حیثیت نثر نگار کے ملتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''ان کا نام میر محمد حسین عطا خاں ولد محمد باقر خاں شوق ہے۔ ابوالمنصور خاں صفدر

جنگ کے درباری تھے۔انہوں نے فارسی میں ضوابط انگریزی اور تواریخ قاسمی لکھی ہیں اور اُردو میں ''نوطرز مرصع'' جس میں چہار درویش کا قصہ بیان کیا گیا ہے''۔

ڈاکٹر گلکرائسٹ نے میر امنؔ کی تصنیف باغ و بہار کے مقدمے میں تحسینؔ کے طرز پر صرف تنقید کی ہے اور حالات کچھ نہیں لکھے ہیں۔غلام علی خاں نے اپنی فارسی تاریخ اودھ مسمّٰی بہ عماد السعادت (۱۸۰۸) میں تحسینؔ کا ذکر سرسری طور پر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ فیض آباد کے ریزیڈینٹ کپتان ہارپر کی ملازمت میں تھے۔ اس میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ شجاع الدولہ کے ایک خفیہ خط کا مفہوم جو حیدر نائک کے نام تھا تحسین سے ہارپر نے سنا۔ یہ واقعہ ۱۷۷۲ کا ہے۔ڈاکٹر سجاد نے ایک اور تذکرے کا ذکر کیا ہے جو انہیں انڈیا آفس لائبریری میں ملا تھا۔اس پر مصنف کا نام درج نہیں ہے اور نہ سنہ تصنیف لکھا ہے۔لیکن ان کا خیال ہے کہ ۱۸۰۶ء اور ۱۸۲۶ء کے درمیان لکھا گیا ہے۔اس تذکرے میں شعرائے ہمعصر کے حالات تفصیل سے دیے ہیں اور تذکرہ مستند معلوم ہوتا ہے،ان کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ تذکرہ کسی ہندو مصنف کا لکھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں بہت سے ہندو شعراء کا ذکر ہے۔ تحسینؔ کے متعلق اس تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رضوی سید تھے۔وطن اٹاوہ تھا۔اشعار قابل تعریف اور گفتگو فصیح ہوتی تھی،فن کتابت میں کمال رکھتے تھے۔خطاب ''مرصع رقم'' تھا اور خطاطی میں اعجاز رقم خاں کے شاگرد تھے،نثر و نظم دونوں میں ملکہ خاص رکھتے تھے۔فارسی میں ضوابط انگریزی اور تاریخ قاسمی لکھی اور اردو میں ''نوطرز مرصع'' جس میں محاورے کی صفائی اور الفاظ کی بندش ادبی ذوق رکھنے والوں کو لبھاتی ہے۔فارسی شعر سے زیادہ شغف تھا،ان کے بیٹے نوازش علی خاں سرکار انگریزی میں سکندر آباد کے تحصیل دار تھے اور نستعلیق اور شکست خط خوب لکھتے تھے۔

شیفتہؔ نے اپنے تذکرہ گلشن بے خار میں تحسینؔ کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے البتہ تحسینؔ کے نبیرہ (پوتے یا نواسے) قاسم علی خاں قاسم کی موسیقی دانی کی تعریف کی ہے اور قاسم کے متعلق لکھا ہے کہ لکھنؤ میں رہتے ہیں اور تحصیلداری کے مرتبے پر فائز ہیں۔گارساں دتاسی

نے بھی تحسینؔ کا ذکر کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ تحسین کلکتہ، پٹنہ اور فیض آباد میں رہ چکے ہیں، شجاع الدولہ اور پھر آصف الدولہ کے دربار میں بھی باریاب ہوئے۔ نوطرز مرصع شجاع الدولہ کے کہنے سے لکھی پھر اسے آصف الدولہ نے بھی پسند کیا۔ اس کے بعد گلکرائسٹ کا نوٹ دہرایا ہے۔ ضوابط انگریزی اور تاریخ قاسمی کا بھی ذکر کیا ہے۔

کریم الدین نے تذکرہ طبقات الشعراء ہند میں صرف گارساں دتاسی کے بیان پر اکتفا کی ہے۔ میر قطب الدین باطنؔ نے جو تحسین کے نبیرہ قاسم کے دوست تھے تحسین کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے البتہ قاسم کے متعلق لکھا ہے کہ سرکار انگریزی میں مراتب عالیہ پر ممتاز تھے اور فن شعر میں ناسخؔ کے شاگرد تھے۔ عبدالغفور خاں نساخؔ نے اپنے تذکرے میں تحسین کے بیٹے سید حیدر علی خاں حیدر کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کے بیٹے قاسم کے متعلق جو کچھ شیفتہؔ نے لکھا ہے وہی دہرا دیا ہے۔

بہر حال خارجی شواہد سے کچھ مفصل حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ نہ سنین پیدائش و وفات نہ تعلیم و تربیت اور نہ کوائف زندگی۔ جو کچھ تحسینؔ کے متعلق معلوم ہو سکا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھے اور معزز گھرانے سے تھے، خاندان میں علم و ہنر کا چرچا تھا۔ ان کے دادا سے لے کر ان کے پوتے تک تقریباً سب سرکار انگریزی میں اچھے عہدوں پر فائز رہے اور غالباً کپتان ہارپر کی سفارش سے شجاع الدولہ اور ان کے بعد آصف الدولہ کے دربار سے منسلک رہے۔

تحسینؔ اردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے اور اس زمانے میں جب کہ زباں دانی کا معیار بہت بلند تھا، ان کا ذکر تذکروں میں بحیثیت اچھے شاعر کے آنا ظاہر کرتا ہے کہ ان کا شمار معمولی شاعروں میں نہ تھا کچھ مرثیے بھی لکھے تھے، پر گو شعراء میں شمار تھا، حالانکہ اب ان کا کلام نہیں ملتا۔ شعر و شاعری کے علاوہ خطاطی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور نثر نویسی میں بھی مشہور تھے۔

خوش قسمتی سے تحسینؔ نے اپنی تصنیف کے شروع میں ایک دیباچہ بھی شامل کر دیا ہے

جس سے بعض باتوں پر بہت روشنی پڑتی ہے خصوصاً یہ کہ کتاب کی تالیف کا سبب کیا تھا، کب اسے لکھنا شروع کیا، پھر کچھ دن یہ کام کیوں ملتوی رہا اور آخر تکمیل کی نوبت کیوں کر آئی؟ دیباچے کی زبان بہت مرصع و مسجّع ہے۔ آغاز ایک چھوٹی سی نظم سے ہوتا ہے جس میں حمد و نعت کے ایک ایک دو دو اشعار ہیں، اس کے بعد اپنا اور اپنے والد کا حال بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ بہت مشہور آدمی ہیں۔ اپنے استاد اعجاز رقم خاں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ شاعر و نثار اور بہت اچھے خوش نویس تھے۔ تحسینؔ نے باپ کے مرنے کے بعد کئی داستانیں چھوٹی بڑی لکھیں۔ ''نوطرز مرصع'' کا سبب تالیف یہ لکھا کہ ایک مرتبہ تحسین کو جنرل اسمتھ کے ساتھ کشتی پر کلکتے تک سفر کرنا پڑا۔ جنرل صاحب انگریزی فوج کے کمانڈر تھے۔ سفر بہت طویل تھا۔ طبیعت کی دل بستگی کا کوئی سامان نہ تھا۔ چنانچہ تحسین کا ایک اور ساتھی اہل کشتی کو مختلف قسم کی داستانیں سنا کر دل بہلایا کرتا تھا، ایک دن اس نے وہ داستان سنائی جو ''نوطرز مرصع'' میں مذکور ہے۔ اس کو سن کر تحسینؔ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس داستان کو مرصع ہندی زبان میں لکھیے تو ایک نئی چیز ہوگی اور انشائے تحسین، ضوابط انگریزی اور تواریخ قاسمی سے کہیں زیادہ دلچسپ۔ چنانچہ انہوں نے اس داستان کے شروع کے کئی حصے لکھ ڈالے لیکن ان کو پورا نہ کر سکے کیونکہ جنرل اسمتھ جب انگلستان واپس جانے لگے تو پٹنہ میں وکیل نظامت کا عہدہ ان کے سپرد کر گئے۔ اس نئے کام کی وجہ سے فرصت نہ ملتی تھی کہ وہ اس کام کو مکمل کر سکیں۔ لیکن دل میں خیال لیے رہے کہ اسے پورا کرنا ہے، غرض عرصے تک یہ کام ملتوی رہا۔ اتفاقاً چند حاسدوں کی وجہ سے وہ اپنے عہدے سے ہٹا دیے گئے اور سخت مشکلات میں پڑ گئے۔ اس بے سروسامانی کی حالت میں سودا کے اشعار ان کی ہمت بندھاتے رہے جن کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نے چند دن دنیا میں اچھی طرح بسر کیے ہیں تو اب یہ چند دن مصیبت کے بھی خندہ پیشانی کے ساتھ کاٹنا چاہیے اور کوئی شکوہ و شکایت نہ کرنا چاہیے کیونکہ قسمت کا وطیرہ یہی ہے۔ انقلابات زمانہ تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ آخر کار ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اب شجاع الدولہ کا دامن پکڑنا چاہیے، چنانچہ وہ فیض آباد گئے

جو شجاع الدولہ کی فیاضیوں کی بدولت مرجع انام بنا ہوا تھا۔ وہاں جاکر دربار سے وابستہ ہو گئے۔ ایک دن موقع پاکر انہوں نے چند مقامات اس داستان کے شجاع الدولہ کو سنائے۔ اس نے سن کر اسے بہت پسند کیا اور حکم دیا کہ اسے لکھ کر مکمل کرو۔ چنانچہ یہ اس کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد وہ اسے ختم کر کے شجاع الدولہ کی خدمت میں پیش کرنا ہی چاہتے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور تحسین بقول خود ''لاچار پائے تردد و تلاش کا بیچ دامن قناعت کے کھینچ کر بیچ کنج خموشی کے چپکا ہو رہا''۔ اب آصف الدولہ تخت نشین ہوئے تو انہوں نے سوچا کہ اس تصنیف کو ان کے حضور میں گزرانیں۔ چنانچہ دیباچے میں چند کلمات توصیف کے اور ایک قصیدہ ان کی تعریف میں بڑھا کر آصف الدولہ کے حضور میں پیش کیا اور کامیاب و کامگار ہوئے۔

تصانیف تحسینؔ

تحسینؔ نے نوطرزِ مرصع میں اپنی تین اور کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے فارسی زبان میں ''نوطرزِ مرصع'' سے پہلے لکھی تھیں۔ تاریخ قاسمی، ضوابط انگریزی اور انشائے تحسینؔ وغیرہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کچھ اور بھی کتابیں تصنیف کی تھیں جن کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ یہ کتابیں اب کہیں نہیں ملتیں صرف ان کے نام باقی ہیں۔ ایک بات البتہ لائق تحقیق ہے یعنی ''تواریخ قاسمی'' کے بجائے اکثر نسخوں میں ''تاریخ فارسی'' کا ذکر ملتا ہے۔ سید سجاد صاحب کا یہ خیال درست ثابت ہو گیا کہ تاریخ فارسی تو کوئی چیز نہیں۔ ممکن ہے کہ تواریخ یا تاریخ قاسمی نام ہو اور اس میں نواب قاسم علی خاں کا ذکر ہو جن کو چند سال پہلے ۱۷۶۰ء میں بنگال، بہار اور اڑیسہ کی مسند نیابت ملی تھی۔ یہ تحسینؔ کے ہمعصر بھی تھے اور ممکن ہے کہ جب تحسین بنگال گئے ہوں تو وہ ان کے مربی بھی رہے ہوں۔ ''ضوابط انگریزی'' بظاہر انگریزی کی گرامر معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ اس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کچھ ضوابط وغیرہ درج ہوں، صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

نوطرزِ مرصع

بعض قدیم تذکروں اور ''نوطرز مرصع'' کے پرانے نسخوں میں کتاب کا نام ''انشاء نو طرز مرصع'' ملتا ہے، لیکن بعد کے نسخوں میں صرف نوطرز مرصع باقی رہ گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ پرانے زمانے میں انشاء کا لفظ ہر اس نثر کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا جس میں اسلوب بیان کی کچھ ندرت ہوتی تھی۔ بعد میں کاتبوں کے سہو سے یا عمداً ناشرین نے یہ لفظ اڑا دیا اور ویسے دیکھیے تو یہ لفظ تھا بھی کچھ بیکار ہی کیونکہ نوطرز مرصع کے معنی ہی میں اسلوب بیان کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

''نوطرز مرصع'' کی تاریخ تدوین کے سلسلے میں ناقدوں اور تذکرہ نویسوں نے بڑی غلطیاں کی ہیں۔ ڈاکٹر سید سجاد صاحب نے اس کی تصنیف کی صحیح تاریخ دریافت کرنے میں قابل تعریف کاوش کی ہے، ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

آزاد نے اس کا سال تصنیف جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ۱۷۹۸ء قرار دیا تھا۔ چنانچہ بلوم ہارٹ اور بعض تذکرہ نویسوں مثلاً تنہاؔ، صاحب گل رعنا اور بیلی وغیرہ نے بھی یہی تسلیم کر لیا لیکن چونکہ چوبیس برس بعد بلوم ہارٹ نے دوبارہ جب اس کتاب کے دیباچے پر نظر ڈالی اور اسے اپنی غلطی نظر آئی تو اس نے انڈیا آفس کی فہرست مخطوطات میں ''نوطرز مرصع'' کے باب میں یہ نوٹ بڑھا دیا:۔

''آزاد کے بیان کے مطابق (آب حیات ص ۲۴) یہ تصنیف ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء میں مکمل ہوئی لیکن یہ غلط ہے کیونکہ مصنف کے دیباچے کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس نے شجاع الدولہ کے انتقال ہی کے وقت (تقریباً ۱۷۷۵ء) ختم کر لی تھی اور آصف الدولہ کے انتقال (۱۷۹۰ء) سے تو بہت پہلے ختم ہو چکی تھی، اس لیے تاریخ تصنیف ۱۷۸۰ء کے قریب ہوگی۔''

یہ بیان آزاد کے بیان سے زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے پھر بھی اس میں ایک کمی رہ گئی ہے وہ یہ کہ درحقیقت بہ استثناء قصیدۂ مدح آصف الدولہ خود تحسینؔ کے بیان کے مطابق پوری

تصنیف شجاع الدولہ کی وفات (۱۷۷۵ء) سے پہلے ختم ہو چکی تھی بلکہ اس کا شروع کا کچھ حصہ تو بہت پہلے لکھا جا چکا تھا، چونکہ قیام پٹنہ کے زمانے میں یہ کام ملتوی ہو گیا تھا، ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قصہ کی داغ بیل ۱۷۷۵ء سے بہت پہلے پڑ چکی تھی البتہ ختم ۱۷۷۵ سے کچھ پہلے ہوا لیکن شجاع الدولہ کی وفات کی وجہ سے پیش نہ کیا جا سکا اور آصف الدولہ کی تخت نشینی کے بعد ان کی مدح میں قصیدہ بڑھا کر اسے تحسین نے بعد میں پیش کر دیا۔

اب اگر ہم کسی صورت سے یہ پتہ لگا لیں کہ تحسین کو کلکتے کا سفر کشتی کے ذریعے کب پیش آیا تھا تو اس کے پہلے حصہ کی تاریخ ترتیب صحیح طور پر مرتب کی جا سکتی ہے۔

دیباچے میں تحسین نے ایک انگریز مسمی بہ جنرل اسمتھ کا ذکر کیا ہے جن کے ساتھ یہ کشتی میں کلکتہ گئے۔ یہ جنرل اسمتھ کون تھے، کس زمانے میں یہ ہندوستان میں رہے اور کب کلکتے سے انگلستان گئے۔ ان کو خطابات مبارز الملک، افتخار الدولہ، صولت جنگ کس نے دیے؟ کلکتہ کا سفر انہوں نے کب اور کیوں کیا؟ اگر یہ سب باتیں تاریخ سے معلوم ہو سکیں تو یہ عقدہ کہ تحسینؔ نے کب یہ قصہ لکھنا شروع کیا حل ہو جائے گا، ڈاکٹر سجاد نے اس سلسلہ میں بڑی تحقیق اور جستجو اور محنت سے کام لیا ہے اور انڈیا آفس وغیرہ کی لائبریریوں کی تمام وہ مشہور و مستند کتابیں دیکھ ڈالیں جن میں ان انگریز افسروں کا ذکر ملتا ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں یہاں ملازم رہے۔ ایک کتاب میں ایک شخص جنرل جوزف اسمتھ کا پتہ چلا جو تقریباً تحسین کا ہمعصر تھا لیکن یہ افسر زیادہ تر دکن میں ملازم رہا تھا اور شمالی ہند کی کسی سرکار سے اس کو ہندوستانی خطابات نہیں ملے تھے اس لیے اسے بھی نظر انداز کر دینا پڑا۔ انجام کار انڈیا آفس کے متفرق ریکارڈ کے کاغذات میں ایک دوسرے شخص رچرڈ اسمتھ کا پتہ چلا۔ اس شخص کی زندگی کا بیشتر حصہ شمالی ہند میں خاص کر دہلی اور کلکتے میں گزرا تھا اور شمالی ہند کی سرکاروں سے اسے ہندوستانی خطابات بھی ملے تھے، مزید تحقیق سے شاہ عالم کے ایسے خطوط ملے جن میں سے ایک میں اس کا ذکر کرنل اسمتھ بہادر کے نام سے تھا اور دوسرے میں (جو گورنر فورٹ ولیم کے نام ہے) اس کا ذکر مبارز الملک اور صولت جنگ کے

خطابات سے ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہی جنرل اسمتھ بہادر تھے جن کے ہمراہ تحسینؔ غالباً الہ آباد سے کلکتہ گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ سفر کب ہوا تھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ صحیح تاریخ ''نوطرزِ مرصع'' کے شروع کرنے کی کیا ہے۔ دیباچے میں تحسینؔ نے اسمتھ کے نام کے ساتھ ''جنرل'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ اسمتھ نے جنرل ہونے کے بعد کلکتے کا یہ سفر کیا۔ انڈیا آفس کے کاغذات سے معلوم ہوا کہ وہ ۲ر نومبر ۱۷۶۸ء میں جنرل بنایا گیا تھا لیکن اس سے پہلے کے ان دو خطوں سے جو اسمتھ نے انگلستان لکھے تھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں وہ ۳۴ پیدل دستوں کا کمانڈر تھا اور فوجی افسروں کو اس وقت ہندوستانی لوگ بالعموم جنرل ہی کہتے تھے، اس لیے اگر تحسینؔ نے اس کو واقعی جنرل ہونے سے پہلے جنرل لکھ دیا تو چنداں تعجب کی بات نہیں۔ اسمتھ کے مزید خطوں سے جو سجاد صاحب کو یورپین مخطوطات کے ایک پرانے بستے میں بندھے ہوئے ملے یہ پتہ چلا کہ اسمتھ یکم جنوری ۱۷۶۸ء سے ۱۹ر ستمبر ۱۷۶۸ء تک الہ آباد، پٹنہ اور کلکتے میں گھومتا رہا۔ اس سے تحسینؔ کے بیان کی مطابقت ہو گئی کہ تحسین اور ان کے ساتھی اس سفر میں گرفتگیِ دل کے باعث داستانیں سننے سنانے میں اپنا اور سب کا دل خوش کرتے رہے۔

بعض اور خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمتھ نے غالباً ۱۷۶۹ء کے آخر میں ہندوستان کو خیر باد کہا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب تحسینؔ کلکتے سے پٹنہ آئے اور اسی جرنیل کی سفارش پر مقدمات نظامت کے مختار ہو گئے۔ دیباچے میں اصل عبارت یوں ہے:

''بعد ازاں جرنیل بہادر نے وقت روانگی ولایت کے اس بندۂ عاجز کے تئیں کلکتہ سے بہ سرفرازی بعضے خدمات عمدہ صوبہ عظیم آباد کے ومختاری مقدمات نظامت کے امتیاز بخشے''۔

تقریباً ایک یا ڈیڑھ سال پٹنہ میں رہنے کے بعد تحسینؔ فیض آباد آ گئے۔ تاریخ ''عماد السعادت'' سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۷۲ء میں تحسینؔ فیض آباد میں تھے اور کپتان ہارپر کی ملازمت میں تھے۔

اس تمام بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ تحسین نے ''نوطرزِ مرصع'' کا ابتدائی حصہ غالباً

۱۷۶۸ء کی ابتداء میں لکھنا شروع کیا ہوگا جب کہ انہوں نے سفر گنگا اختیار کیا اور اواخر ۱۷۶۹ء تک لکھا جاتا رہا ہوگا جب کہ جرنل اسمتھ کلکتے سے انگلستان چلا گیا اور تحسین کو عظیم آباد میں مختار بنا گیا۔ ڈاکٹر سجاد ''نوطرز مرصع'' کے دیباچے سے یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ سفر کشتی ہی کے درمیان یعنی ۱۹ر ستمبر ۱۷۶۸ء تک اس کا ابتدائی حصہ ضرور لکھ لیا ہوگا۔ یہ اندازہ آزاد اور بلوم ہارٹ کے اندازوں سے ظاہر ہے کہ بہت زیادہ مستند ہے اب مختصراً ''نوطرز مرصع'' کی تاریخ تصنیف کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۷۶۸ سے شروع ہو کر ۱۷۷۵ء میں تمام ہوئی اور دو ایک سال بعد کچھ عبارتیں اور مدحیہ قصیدے میں شجاع الدولہ کے بجائے آصف الدولہ کا نام لکھ کر ان کے حضور میں پیش کر دی گئی ہوگی۔

نوطرزمرصع کے قصے کا ماخذ

نوطرز مرصع میں چار درویش کا مشہور قصہ ہے۔ یہ قصہ کہاں سے آیا۔ اس کے متعلق محمود شیرانی نے بڑی تحقیق کی ہے۔ اس جگہ انہیں کی تحقیق کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے ۲ یہ قصہ دراصل پہلے فارسی میں لکھا گیا۔ فارسی کے قدیم مولفین میں سے دو نام ہم کو اب تک معلوم ہو سکے ایک تو حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں کا، دوسرے انجبؔ جن کا ذکر مصحفیؔ نے اپنے تذکرہٴ ''عقد ثریا'' میں کیا ہے۔ انجب کا قصہ چار درویش اب ناپید ہے۔ بعد کے مؤلفین میں میر احمد خلف شاہ محمد کی فارسی تالیف زیادہ مشہور ہوئی اور کئی بار چھپ کر ملک میں رائج ہوئی لیکن ایک خاص فرق قدیم اور بعد کے مؤلفین میں یہ ہے کہ قدیمی مولفین کا اسلوب بیان بہت سادہ اور صاف زبان میں ہے اور بعد کے مؤلفین نے عبارت کو بہت رنگین اور شگفتہ بنا دیا ہے۔ میر احمد خلف شاہ محمد کی تالیف کو پہلے قاضی محمد ابراہیم بن قاضی نور محمد نے چھاپا بعد کو شیخ الٰہی بخش محمد جلال احمد تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور نے شائع کیا اور یہی نسخہ بہ اختلاف قلیل مطبع محمدی بمبئی نے ۱۳۱۸ھ میں طبع کیا۔ میر احمد خلف شاہ محمد کی اس تالیف میں اس چہار درویش کے قصے کی تصنیف امیر خسرو کے نام منسوب کی گئی ہے:

''باعث تصنیف ایں داستان از راز پژوہان اخبار پیشنیاں بایں نوع مفہوم گردید

کہ بارے طبع مقدس جناب سالک مسالک طریقت وناسک مناسک شریعت، قدوۃ العارفین وزُبدۃ الصالحین، حامی دین متین، چراغ ہدایت وشمع یقین، حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ العزیز، بعارضہ علیل بودند، حضرت امیر خسرو دہلوی مدام ایں قصہ را زیب رقم فرمودہ بحضور پیر ومرشد خودمی خواندے تا آنکہ حضرت موصوف غسل صحت فرمودند وایں دعامی نمودند کہ یارب ہر کس کہ ایں قصہ را بخواند یا بشنود از علت امراض نجات یابد''

اسی روایت کو میر امنؔ نے باغ وبہار میں بھی قبول کیا ہے۔اس عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اصل قصہ امیر خسروکی تالیف ہے اور یہ مختصر دیباچہ کسی نے بعد میں اضافہ کر دیا، لیکن یہ محض من گھڑت ہے کیونکہ:

(۱) باوجودیکہ اس قصے کے ایک سے زیادہ متن موجود ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی زبان اور اسلوب بیان ایسا نہیں جسے امیر خسروؔ یا ان کے عہد کی طرف منسوب کیا جا سکے۔

(۲) چہار درویش کے جتنے قلمی نسخے ملتے ہیں ان میں سے کوئی بارہویں صدی ہجری سے پہلے کا نہیں ہے نہ اس عہد سے پیشتر کوئی اہل قلم اس تالیف سے آشنا معلوم ہوتا ہے۔ابوالفضل نے آئین اکبری میں جہاں اپنے عہد کے مشہور افسانوں کا ذکر کیا ہے مثلاً کلیلہ دمنہ نل دمن، رامائن، رزم نامہ اور قصہ امیر حمزہ وغیرہ ان میں چہار درویش کا کوئی ذکر نہیں۔

(۳) شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حالات ومقالات وملفوظات پر متعدد کتب اور رسائل موجود ہیں جو خود اسی عہد کے مشاہیر نے مرتب کیے ہیں ان ملفوظات ومؤلفات کے ذریعہ تقریباً شیخ کی زندگی کے روزانہ حالات وواقعات پر اطلاع بہم پہنچ سکتی ہے لیکن ان کتابوں میں چہار درویش یا اس کے سبب تالیف کا کوئی ذکر نہیں۔

(۴) امیر خسرو کے حالات وتصنیفات بھی بالتفصیل معلوم ہیں لیکن مؤرخین یا تذکرہ نگار کوئی اس نام کی تالیف کو ان سے منسوب نہیں کرتا۔

(۵) خلف شاہ محمد کے اس مطبوعہ نسخے سے پہلے جتنے قدیم نسخے اس قصے کے ملتے ہیں

ان میں یہ امیر خسرو اور نظام الدین اولیاءؒ والی روایت نہیں ملتی۔

(۶) داخلی شواہد یہ ہیں:

(الف) فارسی کے اس نسخے میں موقع و محل کی مناسبت سے ایسے اشعار لائے گئے ہیں جو ان شعراء کے ہیں جو خسروؔ کے بعد گزرے ہیں مثلاً خواجہ حافظؔ، نظیریؔ، فغانیؔ، عرفیؔ وغیرہ۔

(ب) ''تومان'' اور ''اشرفی'' مروج سکے کی حیثیت سے جدید الاستعمال اصطلاحیں ہیں۔ خسروؔ کے زمانے میں ان کا رواج نہ تھا۔

(ج) مختلف منصب داروں کے خطابات مثلاً قورچیان، وکیل السلطنت، خزانہ دار، امیر آخور وغیرہ ہندوستان میں مغلوں کی آمد کے بعد رواج پذیر ہوئے۔

(د) دوربین کا ذکر خواجہ سگ پرست کے قصے میں ملتا ہے، دوربین امیر خسروؔ کے زمانے میں کہاں؟ خود یورپ میں جو اس کا وطن ہے سترہویں صدی عیسوی میں رائج ہوئی۔

(ہ) متن کی بعض عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذہب اثناعشری رکھتا ہے لیکن امیر خسرو پکے سنّی تھے۔

ان دلائل سے ثابت ہوگیا کہ قصہ چار درویش امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے تو پھر اب اس کا مؤلف کون ہے؟ ایک قدیمی قلمی نسخے کے مطالعے سے اس امر پر روشنی پڑے گی۔

اس قلمی نسخے کے مؤلف کا پورا نام حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خاں ہے۔ وہ محمد شاہ بادشاہ (۱۱۳۱-۱۱۶۱ھ) کے عہد میں گزرا ہے۔ محمد علی نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے کہ ایک روز میں نے محمد شاہ بادشاہ کی خدمت میں کسی تقریب پر درویشوں کی ایک کہانی بہ زبان ہندی سنائی جسے اعلیٰحضرت نے بہت پسند کیا اور حکم دیا کہ اسے ہندی عبارت سے فارسی زبان میں ترجمہ کردو۔ تعمیل ارشاد عالی میں میں نے اسے فارسی زبان میں منتقل کردیا۔ مصنف کی اصل زبان یہ ہے:

''دریں ایام کہ جہان و جہانیاں از ریزش سحاب عدل و کرم شاہنشاہی چوں روضۂ جنت و ساکنانِ فردوس خرم و مسرور می باشند و بندۂ درگاہ عرش اشتباہ ملائک پناہش غبار

آستان کیواں نشانش کحل الجواہر دیدۂ پر نوری باشند یعنی حضرت خدیو جہانکشائے عالمگیر، اقلیم ستان جہانگیر وملائک سپاہ، خلافت پناہ نور پیشانی صبح سعادت، دعائے جوشن بازوئے شجاعت ماحی اطوار جور داعتساف، بانی آثار عدل وانصاف، فرازندۂ تخت وتاج، معالج روزگار علیل مزاج، مسمی حضرت ختمی پناہ ظل اللہ طرز ندۂ اورنگ جہاں بانی، حضرت صاحبقراں ثانی، محمد شاہ دام دولتہ وقام بقابہ الی یوم القیام۔ امابعد روزے ایں غلام مستہام درمحفل اقدس ومجلس مقدس خسروگردوں پناہ حاضر وپروانہ آسابراں شمع خورشید ناظر بود۔ بہ تقریبے حکایتے ازدل ریشاں ودرویشاں وسرگزشتے از سرگزشتگان وقلندراں بہ زبان ہندی بعزعرض ہمایوں رسانیدوآں حکایت مرغوب طبع وپسند خاطر مشکل پسند بادشاہ فیروز مند آمد۔ بہ ایں کمینہ حکیم محمد علی مخاطب بہ معصوم علی خاں فرمانِ فرماں فرمائے دل وجاں صادر شد کہ آں را از عبارت ہندی بہ زبان فارسی ترجمہ نماید، بناء علی ہذا اطاعت فرمان واجب الاذعان نمودہ آں حکایت را بالسطر بہ زبان عجمی نقل نمود''۔

حکیم محمد علی نے اس قصہ کا کوئی نام نہیں رکھا تھا لیکن اس قلمی نسخے کے کاتب نے آخر میں یہ عبارت لکھی ہے۔

''تمت حکایات عجیب وغریب بتاریخ ۱۴ شہر شوال ۱۵ محمد شاہی الراقمہ عبدالکریم''

ممکن ہے کہ ابتداء میں اس قصہ چہار درویش کا نام ''حکایات عجیب وغریب ہی رہا ہو۔ ۳

اس نسخے کی داستانوں کے اکثر مطالب اور دیگر خدوخال تو تقریباً وہی ہیں جو میر احمد خلف شاہ محمد کے مطبوعہ نسخے میں ملتے ہیں البتہ مطبوعہ متن کے مقابلے میں اس نسخے کی عبارت اکثر مختصر، سادہ اور عاری ہے۔ اس کی زبان میں وہ شگفتگی اور برجستگی نہیں ملتی جو مطبوعہ نسخے میں ہے اس میں حسن بیان کے بجائے واقعات کے بیان پر زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے۔ داستانی واقعات کے سلسلے میں بعض موقعوں پر اس میں اور دوسری تالیف میں کسی قدر فرق ہے لیکن قصہ خواجہ سگ پرست میں یہ فرق بہت نمایاں ہو جاتا ہے۔ مثلاً

(۱) مطبوعہ نسخے میں دوسرے درویش کی کہانی کے بعد بادشاہ آزاد بخت، خواجہ سگ

پرست، کی کہانی شروع کرتا ہے، میر امنؔ نے ''باغ و بہار'' میں بھی اسی کا تتبع کیا ہے۔ برخلاف اس کے محمد علی یہ کہانی تیسرے درویش کی کہانی کے بعد لاتا ہے۔ تحسینؔ نے محمد علی ہی کی یہ ترتیب قائم رکھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحسینؔ کے سامنے محمد علی ہی کا نسخہ تھا۔

(۲) خواجہ سگ پرست روم کی وزیرزادی کے ساتھ جو مردانہ بھیس میں تھی قسطنطنیہ کے قریب پہنچ جاتا ہے اور شہر کے باہر خیمہ لگا کے ٹھہر جاتا ہے۔ آزاد بخت کے دربار میں اس کی طلبی کے متعلق دونوں نسخوں میں فرق ہے۔ مطبوعہ نسخے کے مطابق شاہی قراول کی معرفت اس کی آمد کی اطلاع دربار میں پہنچتی ہے۔ محمد علی کا بیان ہے کہ خود دختر وزیر اپنی ماں کو ترغیب دیتی ہے کہ خواجہ بلایا جائے۔ یہی تحسین نے بھی لکھا ہے۔

(۳) خواجہ سگ پرست شہزادی فرنگ سے شادی کر کے ممالک فرنگ میں آباد اور شاہ بندر کے عہدے پر ممتاز ہے اور بھائیوں کو پنجروں میں قید کر چکا ہے۔ مطبوعہ نسخے میں اور اسی سے نقل کر کے باغ و بہار میں ذیلی کہانی کے طور پر ایک آذربائیجانی نوجوان کا قصہ درج ہے جو اپنے باپ کے ساتھ بغرض تجارت ہندوستان آتا ہے وہاں سے زیر باد اور زیر باد سے بہ ارادۂ دیارِ فرنگ سفر اختیار کرتا ہے۔ راستے میں طوفان آتا ہے، جہاز ڈوب جاتا ہے۔ یہ نوجوان تختے کے سہارے ایک دیارِ غیر میں جانکلتا ہے۔ وہاں اس کی شادی ہوتی ہے، کچھ عرصہ بعد بیوی مرجاتی ہے اور یہ ایک قلعہ نما گورستان میں قید کر دیا جاتا ہے، وہاں کے وکیل السلطنت کا داماد مرجاتا ہے، اس کی لاش کے ساتھ اس وکیل کی لڑکی اسی گورستان میں لائی جاتی ہے، یہ نوجوان اسے اپنی بیوی بنالیتا ہے اور آخر کار یہ دونوں بہ صد دشواری اس گورستان سے نکلتے ہیں اور طرح طرح کی مصیبتیں اٹھا کر خواجہ سگ پرست کے محل کے قریب پہنچتے ہیں۔ خواجہ دوربین سے ان کو آتا دیکھتا ہے بلا کر اس کی رام کہانی سنتا ہے اور بڑی مہربانی سے پیش آتا ہے بلکہ جب اپنے مقید بھائیوں سمیت اپنے وطن نیشاپور روانہ ہوتا ہے تو اس آذربائیجانی نوجوان کو اپنی جگہ شاہ بندر کا منصب بادشاہ سے دلوادیتا ہے۔

محمد علی کے نسخے میں اور اسی لیے ''نوطرز مرصع'' میں اس آذربائیجانی نوجوان کا کوئی ذکر نہیں، ان دونوں میں یہ قصہ درحقیقت خواجہ سگ پرست کی اپنی سرگزشت کا ایک جزو ہے جس میں خواجہ کا کتا بھی برابر کا شریک رہا ہے۔

(۴) اسی قسم کا ایک فرق خواجہ سگ پرست کی کہانی میں اس موقع پر ملتا ہے جب خواجہ کے بھائی خواجہ کو اپنا غلام ظاہر کر کے اس پر اپنے بھائی کے قتل کی تہمت لگاتے ہیں اور سوتومان حاکم کو رشوت دے کر پھانسی کا حکم حاصل کر لیتے ہیں۔ مطبوعہ نسخے کے متن کے مطابق خواجہ عین اس وقت جب کہ اسے پھانسی دی جانے والی تھی چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ وہاں کے حاکم کے درد قولنج اٹھا تھا اس لیے حکم ہو گیا تھا کہ قیدی رہا کیے جائیں لیکن خواجہ کے بھائی پھر حاکم کو رشوت دے کر خواجہ کو زندان سلیمان میں ڈلوا دیتے ہیں۔ یہ تیرۂ تار کنواں ایک صحرا میں تھا جس میں پڑ کر آدمی بھوک پیاس سے مر جاتا تھا۔

میر محمد علی کے نسخے میں یہ فرق ہے کہ خواجہ پھانسی کے تختے سے چھوٹ کر شہر سے باہر نکل جاتا ہے، ایک گاؤں میں پہنچتا ہے، وہاں ایک فقیر ملتا ہے جو اس کی سرگزشت سن کر اسے کچھ رقم دیتا ہے تاکہ خواجہ اس سے تجارت کر سکے، خواجہ کو اس رقم سے تجارت کرنے میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ وہ مالا مال ہو جاتا ہے اور چالیس غلام اس کی خدمت میں رہنے لگتے ہیں۔ پھر گاؤں جا کر اس فقیر کی کچھ خدمت کرنا چاہتا ہے لیکن فقیر منظور نہیں کرتا تو یہ رخصت لے کر شہر واپس جاتا ہے، وہاں اپنے دونوں بھائیوں کو چوری کی سزا میں ماخوذ دیکھ کر انہیں چھڑا لاتا ہے۔ اس کے بھائی چند دن بعد اسے پھر دھوکا دیتے ہیں یعنی ایک سفر کے دوران میں وہ دونوں بھائی حیلے سے اسے ایک کنویں میں ڈھکیل دیتے ہیں جسے چاہ سلیمان کہتے تھے۔

یہ چند مثالیں ہیں۔ اس قسم کے جزوی اختلاف تلاش سے اور نکل آئیں گے عموماً یہ اختلافات اس قسم کے ہیں کہ یا تو پیرایہ بیان کو پھیلا دیا گیا ہے، یا عبارت میں اصلاح دے دی گئی ہے، چست فقرے بڑھا دیے گئے ہیں، یا مختصر عبارت کو بعض باتیں بڑھا کر

جونفس قصہ پر اثر انداز نہیں ہوتیں طول دے دیا گیا ہے، یا بیان واقعہ میں آراشگی اور تزئین کی خاطر کچھ تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ کہیں بیان غائب کو بہ صیغہ متکلم تبدیل کر دیا ہے، کہیں شخصوں اور شہروں کے نام بڑھا دیے ہیں، مناسب موقع و محل پر اشعار داخل کر دیے ہیں۔ اس طور پر مطبوعہ نسخہ میر محمد علی والے اصل نسخے سے حجم میں دگنا ہو گیا ہے۔ پھر بھی محمد علی کے اصل متن کے آثار طبع شدہ نسخے میں جگہ جگہ بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ مطبوعہ متن کا مؤلف محمد علی کے متن سے نہ صرف واقف ہے بلکہ اسی کی عمارت پر اس نے اپنی عمارت کھڑی کی ہے، اس کے باوجود یہ عبارت وضع کرنا کہ امیر خسرو نے یہ قصہ اپنے پیر کی علالت کے موقع پر تصنیف کر کے سنایا تھا محض من گھڑت ہے اور کسی وقعت کا مستحق نہیں۔ محمد حسین عطا خاں مولف ''نوطرز مرصع'' بھی اس روایت سے بے خبر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت سب سے پہلے طبع شدہ فارسی نسخے سے شروع ہوئی اور میر امنؔ نے اس سے نقل کی۔ باغ و بہار کے بیان نے اس کو شہرت دے دی دراں حال کہ اس کی صحت کے حق میں کوئی دلیل بھی باوجود تلاش کے نہیں ملتی۔ مسلمانوں میں افسانوں کے متعلق ہر زمانے میں تعصب رہا ہے، علمائے کرام مخرب اخلاق قصوں کے ہمیشہ مخالف رہے، فسانۂ وامقؔ و عذرا اور ویسؔ و رامین اسی بنا پر ممنوع تھے، اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ امیر خسروؔ کو اس کا مصنف بنا کر اور نظام الدین اولیا سے تبریک دلوا کر مرتب قصہ نے اس کو مقبول عام بنانے کی غرض سے دروغ مصلحت آمیز والا حیلہ تراشا ہو۔ نیم مذہبی قصوں میں مصنفین، قاری و سامع کو ثواب دارین کی بشارت اکثر دیا کرتے ہیں۔

نوطرزِ مرصّع اور باغ و بہار

ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے اس مسئلہ پر بڑی تحقیق سے بحث کی ہے کہ باغ و بہار کا ماخذ کیا ہے اور اس صحیح نتیجے پر پہنچے ہیں کہ باغ و بہار کا ماخذ ''نوطرز مرصع'' ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس بات پر تعجب کیا ہے کہ ''میر امنؔ نے فارسی کتاب اور اس کے ترجمے کا تو

ذکر کیا مگر ''نوطرز مرصع'' کا ذکر صاف اڑا گئے'' معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو ''باغ و بہار'' کی ان پرانی اشاعتوں میں کا کوئی نسخہ نہیں مل سکا جو مدتوں سے کمیاب ہیں اور جن کے سرورق پر یہ عبارت ہے:

''باغ و بہار تالیف کیا ہوا میر امن دلی والے کا، ماخذ اس کا ''نوطرز مرصع'' کہ وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں کا ہے فارسی قصہ چہار درویش سے''

اسی اشاعت میں ڈاکٹر گلکرائسٹ نے جو ایک دیباچہ بزبان انگریزی لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں:

''عطا حسین خاں نے ابتداً اصل فارسی سے اس کا ترجمہ شائع کیا مگر چونکہ اس کی زبان بوجہ کثرت تراکیب ومحاورۂ فارسی وعربی مغلق اور قابل اعتراض مانی گئی تھی اس لیے اس نقص کو رفع کرنے کی غرض سے کالج کے ملازمین میں سے میر امنؔ دہلوی نے مذکورہ بالا ترجمہ سے موجودہ متن تیار کیا ہے''۔

اس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ میر امنؔ نے ''باغ و بہار'' لکھتے وقت ''نوطرز مرصع'' ہی کو سامنے رکھا ہے۔ بعد کو دیگر ہندستانی ناشرین نے جب اس باغ و بہار کو چھاپا تو سرورق کی یہ عبارت اڑا دی اس لیے مولوی صاحب موصوف کو یہ صحیح غلط فہمی پیدا ہوئی۔

لیکن ایک بات اور بھی ہے کہ میر امنؔ نے صرف تحسینؔ کی ''نوطرز مرصع'' ہی کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ مطبوعہ فارسی نسخہ ''چہار درویش'' مصنفہ میر احمد خلف شاہ محمد کو بھی پیش نظر رکھا ہے کیونکہ باغ و بہار میں قصہ کے اجزا کی جو ترتیب ہے وہ اسی فارسی نسخے کے مطابق ہے البتہ کہانی کہنے کا ڈھنگ اور عبارت ''نوطرز مرصع'' ہی کی سامنے رکھی ہے صرف اپنی ٹھیٹھ ہندستانی زبان میں اس کا ترجمہ کردیا ہے۔ اشعار اور دوہے تک اکثر اسی سے نقل کیے ہیں۔ پیش نظر ''نوطرز مرصع'' کے نسخے میں ہندی کے دوہے پانچ ہیں۔ باغ و بہار میں تین۔ ان تین میں سے دو نوطرز مرصع ہی سے لیے گئے ہیں۔ برخلاف میر امنؔ کے تحسین نے اپنے قصہ کی جزئیات میر محمد علی کے غیر مطبوعہ نسخۂ فارسی سے لی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ

تحسین کے سامنے میر احمد خلف شاہ محمد والا نسخہ کبھی آیا ہی نہیں۔ اس لیے اس میں امیر خسرؔو والی روایت کا پتہ بھی نہیں ہے۔ میر احمد کے فارسی نسخے نے بعد میں طبع ہو کر رواج پایا قصہ کی جزئیات کے سلسلے میں ''باغ و بہار'' اور ''نوطرز مرصع'' میں وہی اختلافات ہیں جو میر محمد علی اور میر احمد خلف شاہ محمد والے فارسی نسخوں میں ملتے ہیں اور جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، اس لیے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ میر امنؔ نے قصہ کی دروبست فارسی والے نسخے سے اخذ کی ہے اور عبارت میں ''نوطرز مرصع'' ہی کو پیش نظر رکھا ہے۔

نوطرز مرصع کا اسلوب بیان

نوطرز مرصع جس زمانے میں لکھی گئی یعنی آخر اٹھارویں صدی عیسوی میں اس وقت زبان و بیان کا معیار فارسی انشا پردازی کے تتبع میں یہی تھا کہ عبارت میں تکلف و تصنع بہت ہو۔ سیدھی سی بات بھی تشبیہ و استعارے کے پردے میں کہی جاتی تھی، رعایت لفظی کا بہت خیال رکھا جاتا تھا اور صنائع لفظی و معنوی کا التزام خاص طور سے کیا جاتا تھا۔ کسی کے معائب یا محاسن بیان کرنا ہوتے تو وہاں بھی مبالغہ غلو کی حد تک پہنچ جاتا تھا، عبارت آرائی کی خاطر ذرا سی بات کو بے جا طول دیا جاتا تھا۔ غرض کہ یہ تمام لوازم اس زمانے کی انشا پردازی کا معیار تھے جو انشا پرداز ان خوبیوں کے ساتھ عبارت نہ لکھ سکتا انشا پرداز اور ادیب نہ سمجھا جاتا تھا، منشی محمد حسین عطا خاں تو منشی کے عہدے ہی پر فائز تھے یعنی ان کو اس قسم کی ملازت اسی لیے ملتی تھی کہ وہ اس قسم کے انشا پرداز تھے کیونکر اس قسم کی عبارت نویسی میں امتیاز نہ رکھتے۔ ''مرصع رقم'' کا خطاب تو یقیناً ان کی خوش خطی کے باعث انہیں ملا تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کی مرصع انشا پردازی نے بھی ان کے خطاب کو خوب اجاگر کیا ہے۔ مزید یہ کہ یہ داستان انہوں نے بادشاہ کی فرمائش پر مکمل کی تھی ناممکن تھا کہ وہ اس تحریر میں ایسی انشا پردازی سے کام نہ لیتے جو اس عہد کے بادشاہوں کی سماعت کے لیے شایان شان ہو۔ معمولی سیدھی سادی عبارت لکھنا تو بہت ہی حقیر بات سمجھی جاتی تھی۔ اس عہد کے تمام تمدن پر تصنع چھایا ہوا تھا تو پھر اس عہد کے ادیبوں کے اسلوب میں یہی طرز

کیوں کر نہ رچ جاتا، غرض کہ "نوطرز مرصع" میں یہی سطحی اور مصنوعی مرصع کاری ہر جگہ ملتی ہے۔ نواب شجاع الدولہ کا ذکر کیا ہے تو آٹھ نو سطروں میں توصیفی الفاظ لکھے ہیں پھر ان کا نام لیا ہے۔ جہاں داستان شروع کرتے ہیں وہاں عبارت آرائی کے جوہر ضرور دکھاتے ہیں:

"بیچ سرزمین فردوس آئین ولایت روم کے ایک بادشاہ تھا، سلیمان قدر فریدوں فر، جہاں باں، دیں پرور، رعیت نواز، عدالت گستر، بجا آرندۂ حاجات بستہ کاراں، بخشندۂ مراعات امیدواراں، فرخندہ سیر نام کہ اشعہ شوارق فضل ربانی کا اور شعشہ بوارق فیض سبحانی کا ہمیشہ اوپر لوح پیشانی اس کے لمعاں و نورافشاں رہتا۔"

یا: "چنانچہ رفیق اول نے غزال رعنائے اس داستان ندرت بیان و واردات احوال صدق مقال اپنے کے تئیں بیچ چراگاہ مجلس کے یوں جولاں گر عرصۂ تقریر کا کیا"

یا: "درویش چہارم نے زارزار مانند ابر بہاررو کے حقیقت حال حیرت اشتمال اپنے کے تئیں قلم بیان سے اوپر صفحۂ بیان کے یوں نگارش کیا"۔

صبح و شام کی کیفیت کو ترصیع کے ساتھ پیش کرنے کا طریقہ قدیم روش داستان گوئی کا ایک مرغوب انداز تھا، تحسینؔ نے بھی قدیم فارسی انشا پردازی کا تتبع اس باب میں خوب کیا ہے اور ہر موقعے پر انہوں نے بھی نئے استعارے اور نئی تشبیہیں لانے کی کوشش کی ہے۔

"جب طائر زریں بال آفتاب کے نے رُخ بیچ آشیانۂ مغرب کے کیا اور بیضۂ سیمیں ماہتاب کا بطن مرغ مشکیں شب تار کے سے نمودار ہوا"۔

یا: "روز چہارم جس وقت مغبچۂ مخمور خورشید کا خم خانۂ مشرق کے سے گلابی صبح کی ہاتھ میں لے کر واسطے شکست خمار کے طرف ساغر گل کے کہ شراب صبوحی شبنم کی سے پُر تھا، متوجہ ہوا"۔

فارسی انشاء پردازی کا تتبع اس سے بھی ظاہر ہے کہ جگہ جگہ فارسی حروف ربط، در، بر، اور درمیان وغیرہ کے ترجمے 'بیچھے'، بیچ، کے تئیں، اوپر، اندر، لائے ہیں 'اضافت کو ظاہر کرنے کے لیے 'کا'، 'کے سے'، 'کے نے' وغیرہ کا استعمال کیے ہیں تاکہ جملوں کی ترکیب وہی فارسی کی انشاء کے مطابق رہے۔ اٹھارہویں صدی میں عام طور سے یہی اسلوب رائج

تھا، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن پاک کے جو ترجمے کیے ہیں وہ بھی اسی قسم کے ہیں اور گریرسن نے اسی قسم کے انداز بیان کو پیش نظر رکھ کر اپنی مشہور کتاب ''جائزۂ لسانیات ہند LINGUISTIC SURVEY OF INDIA کی جلد نہم حصہ اول صفحہ ۵۲ پر ہندی اور اردو کی قواعد کا فرق اس طرح بتایا ہے کہ اردو جملوں میں اکثر و بیشتر فارسی اور عربی جملوں اور ترتیب کلمات کی طرح افعال جملے کے وسط میں لائے جاتے ہیں برخلاف اس کے ہندی کے جملوں میں افعال ہمیشہ آخر میں لائے جاتے ہیں (ان خاص صورتوں کے سوا جب کسی امر خاص پر زور دینا ہو) اس میں شک نہیں کہ اٹھارھویں صدی اور اس سے پہلے کی ہندی اور اردو تحریروں میں یہ فرق ضرور ملتا ہے لیکن جس زمانے میں گریرسن نے اپنا ''جائزہ'' ترتیب دیا ہے اس وقت یہ صورت بہت شاذ ہی رہ گئی تھی۔

''نوطرز مرصع'' میں پرانے الفاظ جو (بمعنی چونکہ) سیتی (سے) ٹک، تلک، کتیں (کے تئیں) کہوں (کہیں) کسو، کے علاوہ کہیں کہیں افعال کی پرانی ترکیبیں بھی ملتی ہیں مثلاً ''گزرانیں'' کے بجائے ''گزرانیاں''، ۔'کریں ہیں' بجائے 'کی ہیں'ہیں املا بھی قدیم ہے مثلاً نیں (نے)،توں (تو)،توڑناں (توڑنا)،اتناں (اتنا) وھاں (واں) وغیرہ۔

بعض الفاظ کے تلفظ میں بھی آج کل کے تلفظ سے فرق ہے مثلاً گویا، بروزن کہا، سنگار، بروزن دلدار وغیرہ۔غرض کہ عبارت کی قدامت جگہ جگہ نمایاں ہے، البتہ بعد کے کاتبوں نے املا اپنی طرف سے درست کر دیا ہے اس لیے اکثر نسخوں میں وہ املا نہیں ملتا جو قدیم نسخوں میں ملتا ہے۔

اسلوب کے سلسلے میں آخری بات قابل ذکر یہ ہے کہ ''نوطرز مرصع'' کے ابتدائی حصے خصوصاً درویش اول کی کہانی میں تحسین نے عبارت آرائی کی کاوش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے، تقریباً ہر صفحہ مزین اور مرصع نظر آتا ہے جگہ جگہ تشبیہوں اور استعاروں کی رنگینی ، پیچیدہ فقروں کی دقیق بندش، عربی و فارسی کے الفاظ کی بہتات اور صنائع و بدائع کے التزام سے نثر میں شاعری معلوم ہوتی ہے لیکن جیسے جیسے داستان آگے بڑھتی ہے شہباز تخیل آسمان

سے زمین کی طرف مائل پرواز نظر آتا ہے یہاں تک کہ آخر میں گنجلک بہت کم ہوجاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یا تو مصنف عجلت میں ہے کہ اپنی داستانیں ختم کر کے انہیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دے یا پھر آگے داستان کے واقعات مصنف کو اتنی مہلت نہیں دیتے کہ اس کا اشہب فکر کہیں ٹھہر کر پہلے کی طرح اپنے کاوے دکھا سکے۔

جگہ جگہ تحسینؔ نے اپنے زمانے کے مشہور شعراء کے منتخب کلام سے بھی اپنی عبارتوں کو زینت دی ہے بلکہ بسااوقات تو موقعے پیدا کیے ہیں تا کہ ان اشعار کی کھپت وہاں ہو سکے۔ اپنے اشعار بھی موقع موقع سے درج کیے ہیں نیز اپنے عہد کے مشہور ہندی دوہے بھی پیش کیے ہیں، اگر اس بات کی تحقیق کرنا ہو کہ اس عہد میں کون کون سے شعراء مقبول تھے یا کون کون اشعار لوگوں میں معروف و مروج تھے تو تحسین کی اس تصنیف سے یقیناً مدد ملے گی۔ شروع میں سوداؔ اور بعد کی کہانیوں میں حسرتؔ کے اشعار زیادہ ملتے ہیں۔

الغرض یہ تصنیف اپنے اسلوب کے اعتبار سے ان ہندوستانی فارسی کے ادیبوں کی یاد تازہ کرتی ہے جن کی کتابیں سہ نثر ظہوری، مینا بازار، شبنم شاداب، پنج رقعہ، بہار دانش وغیرہ، آخرِ عہدِ مغلیہ میں فارسی انشا پردازی کی سنگ میل سمجھی جاتی تھیں۔

''نوطرز مرصع'' کی داستانوں کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہی اس لیے کہ یہ تحسین کی جدت طبع کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ عہد محمد شاہ یا اس کے پہلے کے مؤلفین کی رہین منت ہیں۔ پیچ در پیچ واقعات، افسانے میں افسانہ، دیووں، پریوں، جنوں اور طلسمات کی مافوق الفطرت فضاء دکھانا اس عہد کی داستانوں کی عام روش تھی، سننے والا صرف اس میں محو رہتا تھا کہ ''آگے پھر کیا ہوگا''؟ اس زمانے کے لوگوں کا عقیدہ مافوق الفطرت عناصر میں اس قدر راسخ تھا کہ ان کی قوت تنقید اس قسم کے قصوں کی لغویت کی طرف مائل ہی نہ ہوتی تھی، داستان گو کا فن محض اس ہنر میں صرف ہوتا تھا کہ وہ سننے والوں کی توجہ کو اپنی قوت بیان سے قائم رکھ سکے۔ بیچ بیچ میں مناسب عبارت آرائی اور شعروشاعری کا چٹخارہ دیتا رہے۔ واقعات سے قصہ کی کڑیاں ملاتا جائے اور حسن وعشق کے رمزیہ چھینٹوں سے محفل

گرم رکھے تا آنکہ داستان رات بھر میں ختم ہو جائے۔ داستان گوئی کوئی معمولی فن نہ تھا۔ ایک طرح کی سحر آفرینی ہوتی تھی جس کے اثر سے سامعین خود فراموشی کی حد تک مسحور ہو جاتے تھے اور بسا اوقات تو محض نیند لانے کے لیے ہی اس قسم کی داستانیں سنائی جاتی تھیں، امراء، رؤساء اور بادشاہوں کے وہاں پیشہ ور داستان گو اسی کام کے لیے ملازم رکھے جاتے تھے کہ وہ شب کو اپنی داستانوں کے ذریعے ان کے دماغ کو افکار دنیوی سے دور، افسانوں کی دنیا میں لے جا کر میٹھی نیند سلا دیں۔ تحسین نے داستانیں تو گڑھیں نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اپنی انشا پردازی سے چہار درویش کی داستانوں کو اجاگر کر کے فن داستان گوئی کا حق اس زمانے کے معیار کے مطابق پورا پورا ادا کر دیا ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ تحسین نے اس تالیف کی بدولت نثر نویسی میں ایک نیا معیار قائم کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے ''نوطرز مرصع'' کی قدر و قیمت تاریخی، لسانی اور ادبی حیثیتوں سے تاریخ ادبیات اردو میں ہمیشہ مسلم رہے گی۔

✓

ڈاکٹر جمیل جالبی

نوطرز مرصع

''نوطرز مرصع'' اس دور کی ایک اور قابل ذکر تصنیف ہے جس میں فارسی انشا پردازی کی روایت کو داستان نویسی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے مصنف میر محمد حسین عطا خاں تحسین، مرصع رقم خاں جن کا خطاب تھا، ضلع اٹاوہ کے ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد محمد باقر شوق فارسی کے صاحب دیوان شاعر، خوش نویسی میں بے مثال اور نستعلیق آمیز شکستہ کے موجد تھے۔ تحسین نے اعجاز رقم خاں کی تعلیم وتربیت سے فن خوش نویسی وانشا پردازی میں کمال حاصل کیا۔ امر اللہ الہ آبادی نے لکھا ہے کہ یہ گردیزی سید تھے اور ان کے بزرگ بابر بادشاہ کے زمانے میں گردیز سے ہندوستان آئے اور کٹرہ مانک پور میں قیام کیا لیکن تحسین کے والد بچپن ہی میں دہلی آگئے اور اورنگ زیب کے زمانۂ حکومت میں سہ ہزاری منصب وجاگیر سے سرفراز ہوئے۔ تحسین انقلاب زمانہ کے باعث دہلی سے نکل کر مدت تک ناظمان بنگال کی خدمت میں رہے اور انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں کمپنی کے ہندوستانی ملازمین میں شامل ہو گئے۔ تحسین کو فارسی زبان پر پوری

قدرت حاصل تھی۔ سوانح قاسمی، انشائے تحسین اور ضوابطِ انگریزی ان کی فارسی تصانیف ہیں۔ تحسین نے خود لکھا ہے کہ انھیں شروع ہی سے قصے اور افسانوں کا شوق تھا اور 'مزاج اپنے کے تئیں اور شوق مطالعہ قصہ ہائے رنگین اور لکھنے افسانہ ہائے شیریں کے از بس مصروف رکھتا تھا۔ لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی میں بھی بے مثال تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں وہ کلکتہ میں رہے لیکن جب جنرل اسمتھ ۱۷۶۹ میں انگلستان جانے لگا تو تحسین کو "بعضے خدمات عمدہ اور مختاری مقدمات نظامت" پر صوبہ عظیم آباد میں متعین کر دیا، لیکن 'مختار معاملہ' سے اختلافات کی وجہ سے وہ ملازمت چھوڑ کر فیض آباد آ گئے۔ 'عماد السعادت' کے مطابق تحسین ۱۷۷۰ء میں فیض آباد میں موجود تھے اور شجاع الدولہ کا خریطہ کیپٹن ہارپر کو پڑھ کر سنایا تھا۔ اس لحاظ سے وہ کم و بیش ڈیڑھ سال عظیم آباد میں رہے۔

'نوطرزِ مرصع' لکھنے کا خیال، جس کا اصل نام 'انشائے نوطرزِ مرصع' ہے، تحسین کو اُس وقت آیا جب وہ جنرل اسمتھ کے ساتھ کشتی کے ذریعے کلکتہ جا رہے تھے۔ تحسین نے اپنے دیباچے میں خود لکھا ہے کہ سفر طویل تھا اس لیے ایک 'عزیز سراپا تمیز' حکایات عجیب وغریب سے دل بہلاتے تھے۔ ایک دن اسی 'عزیز' نے دورانِ سفر 'قصہ چہار درویش' بھی تحسین کو سنایا اور اسے سن کر ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ 'مضمون اس داستان بہارستان کے تئیں بھی بیچ عبارت رنگین زبان ہندی کے لکھا چاہیے کیونکہ آگے سلف میں کوئی شخص موجد اس ایجاد تازہ کا نہیں ہوا اور یہ کہ جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردوئے معلّٰی کا رکھتا ہو، مطالعہ اس گلدستہ بہاریں کے سے ہوش و شعور فحوائے کلام کا حاصل کرلے۔ تحسین نے یہ بھی لکھا ہے کہ 'چنانچہ چند فقرے' بیچ تفنن طبع کے 'شروع داستان اول میں نوک ریز خامہ عجز نگار کے کیے۔' ڈاکٹر سید سجاد حسین مرحوم نے 'نوطرزِ مرصع' کے بارے میں انڈیا آفس کے مسودات وخطوط وغیرہ سے یہ معلومات فراہم کیں۔ جنرل اسمتھ یکم جنوری ۱۷۶۸ سے ۱۹ ستمبر ۱۷۶۸ تک الہ آباد، پٹنہ اور کلکتہ آتا جاتا رہا۔ اس سفر میں تحسین اس کے ساتھ تھے اور 'نوطرزِ مرصع' کا ابتدائی حصہ ۱۷۶۸ کے اوائل اور ۱۷۶۹ کے درمیان (جب جنرل اسمتھ

انگلستان چلا گیا) لکھا گیا۔ اسمتھ کے جانے کے بعد عظیم آباد میں تحسین سرکاری خدمات کی وجہ سے اتنے مصروف ہوئے کہ انشا پردازی کا دماغ نہ رہا اور جب اس ملازمت سے الگ ہو کر فیض آباد آئے تو اس داستان کو لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اسی زمانے میں نواب شجاع الدولہ تک ان کی رسائی ہوئی اور 'دو چار فقرے اس داستان کے کہ اول ذکر اس کا بیان کر گیا ہوں، بیچ سمع مبارک حضرت ولی نعمت کے پہنچائے۔۔۔ توجہ دل سے مقبول خاطر و منظور نظر اشرف کے کر کے ارشاد فرمایا کہ از سرتا پا اس محبوب دل پسندیدہ دلہا کے تئیں زیور عبارت سے آراستہ کر۔' نواب شجاع الدولہ کے ارشاد پر تحسین نے اس داستان کو لکھا لیکن ابھی وہ اسے مکمل کر کے نواب شجاع الدولہ کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ ۲۹ جنوری ۱۷۷۵ کو نواب کا انتقال ہو گیا۔ جب غموں کی آندھیاں اتر گئیں اور نواب آصف الدولہ دادِ عیش دینے لگے تو انھوں نے 'نوطرزِ مرصع' کو ایک قصیدے کے ساتھ نواب آصف الدولہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح یہ داستان شجاع الدولہ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ۱۷۷۴ میں مکمل ہوئی۔

اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کیا تحسین نے 'نوطرزِ مرصع' کے چاروں قصوں کو ۱۷۷۴ تک مکمل کر لیا تھا یا باقی حصے بعد میں تحسین نے یا کسی اور نے مکمل کیے؟ اس سلسلے میں شعبۂ فارسی لکھنؤ یونی ورسٹی کے قلمی نسخے کے ترقیمے کے یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں — "میر محمد حسین عطا خاں نے ایک قصہ لکھا تھا کہ وفات پا گئے۔ باقی ماندہ تین بھی اسی قدر تھے۔" اس ترقیمے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تحسین نے نواب شجاع الدولہ کی وفات سے پہلے 'نوطرزِ مرصع' کا ایک قصہ لکھا تھا جس کا ثبوت ان مخطوطات سے بھی ملتا ہے جن میں صرف پہلے درویش کی داستان ملتی ہے؛ مثلاً انجمن ترقی اردو کراچی کا مخطوطہ بھی پہلے درویش کی داستان پر ختم ہو جاتا ہے۔ انڈیا آفس لندن کے نسخے میں (فہرست نمبر ۱۳۰) جو کرنل منکاف کے لیے لکھا گیا تھا، صرف پہلے درویش کی داستان ملتی ہے۔ اسی طرح انڈیا آفس لندن کے نسخہ نمبر ۱۳۱ میں، جو رچرڈ جانسن کے لیے لکھا گیا تھا، صرف پہلے درویش کی

داستان ملتی ہے۔ فہرست کے نمبر ۱۳۲ میں بھی یہی صورت ہے۔ ان مخطوطات کے بعد ہماری نظر وقائع عبدالقادر خانی پر پڑتی ہے جس میں تحسین کا ذکر دو جگہ ان الفاظ میں آیا ہے:

(الف) ''دوسرے صاحب کا رفیق بینی رام اور صاحب کا منشی مشرف علی خاں پسر عطا حسین خاں اٹاوہ کا باشندہ تھا۔ 'قصہ چہار درویش' اسی زمانے کی عطا حسین خاں کی تصنیف ہے۔''۲۴

(ب) ''اور علی الدین خاں، حاجی رفیع الدین خاں کا بھتیجا ہے کہ عطا حسین کی 'چہار درویش' میں منثور کلام سب اسی کا ہے۔''۲۵

اقتباس الف میں عبدالقادر خاں نے قصۂ چہار درویش کو عطا حسین خاں کی تصنیف بتایا ہے اور اقتباس ب میں اس کے منثور کلام کو علی الدین خاں سے منسوب کیا ہے اب یا تو پہلی بات صحیح ہے یا دوسری۔ دونوں باتیں بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتیں۔ جہاں تک صرف پہلے درویش کی داستان لکھنے اور مختلف نسخوں میں، جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، صرف پہلے درویش کی داستان موجود ہونے کا تعلق ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تحسین نے نواب شجاع الدولہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے جو نسخہ تیار کیا تھا اس میں صرف پہلے درویش کی داستان تھی اور باقی نسخے اسی نسخے سے تیار ہوئے۔

چہار درویش کی کہانی، جسے تحسین نے 'نوطرزِ مرصع' میں لکھا ہے، خود تحسین کی تخلیق نہیں ہے بلکہ اس نے 'عزیز سراپا تمیز' سے دوران سفر سن کر اسے اپنے مخصوص انداز میں اردو میں لکھا ہے۔ یہ وہی کہانی ہے جسے حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خان نے کسی تقریب کے موقع پر محمد شاہ بادشاہ کو ہندی عبارت میں سنائی اور بادشاہ نے اتنا پسند کیا کہ اسے فارسی میں لکھنے کا حکم دیا۔ قصۂ چہار درویش کے فارسی ترجمے کے دیباچے میں حکیم محمد علی نے خود اس بات کی صراحت کی ہے۔ یہی داستان 'نوطرزِ مرصع' کا ماخذ ہے۔ جب 'نوطرزِ مرصع' سامنے آئی تو یہ اپنے انداز کی ایک نئی چیز تھی جس میں اردو زبان کو فارسی کے ساتھ ملا کر مرصع بنایا گیا تھا۔ لکھنؤ کی تہذیب بھی مرصع سازی کی تہذیب تھی اسی لیے یہ داستان اپنے زمانے

میں اتنی مقبول ہوئی کہ بہت سے لکھنے والوں نے اس کی پیروی کی۔ مہر چند مہر کھتری نے 'ملک محمد و گیتی افروز' کے قصے کو ۸۹۔۱۷۸۸/۱۲۰۳ھ میں جب اردو میں لکھا تو اپنی کتاب کا نام 'نو آئین ہندی' رکھا۔ نو آئین اور نوطرز ایک طرح سے مترادف ہیں اور دیباچے میں اعتراف کیا کہ 'عطا حسین خاں چار درویش کا قصہ فارسی سے ہندی زبان میں تضمین کر کے نوطرز مرصع نام رکھا، سوالحق نوطرز مرصع ہے۔' بعد میں میر امن نے بھی نوطرز مرصع ہی کو سامنے رکھ کر اپنی مشہور زمانہ تصنیف 'باغ و بہار' لکھی جس کے ابتدائی ایڈیشنوں میں یہ عبارت ملتی ہے: 'باغ و بہار' تالیف کیا ہوا میر امن دلی والے کا، ماخذ اس کا نوطرز مرصع کہ وہ ترجمہ کیا ہوا عطا حسین خاں کا ہے فارسی قصہ چہار درویش سے۔' اسی طرح حکیم محمد بخش مہجور لکھنوی نے ۱۸۰۵/۱۲۲۰ھ میں 'گلشن نو بہار' کے نام سے ایک قصہ لکھا اور اس کے دیباچے میں اعتراف کیا کہ 'اس قصہ فصیح و ملیح کو بہ خط گلزار بہ صفحۂ رنگین زبان ہندی میں بہ طرز نو مرصع کے لکھیے۔' محمد غوث زرّیں کا قصۂ چہار درویش بھی نوطرز مرصع کے بعد لکھا گیا۔ نوطرز مرصع نے اس قصے کو وہ شہرت دی کہ یہ سب کی نظروں میں آ کر مقبول ہو گیا۔

اس تصنیف کا نام 'نوطرز مرصع' رکھنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو تحسین نے اپنے خطاب کی مناسبت سے کہ مرصع رقم کہلاتے تھے، اس کا نام نوطرز مرصع رکھا۔ دوسرے یہ کہ مرصع رقم نے اردو انشا کا ایک نیا طرز نکالا تھا جس میں 'عبارت رنگیں' کو 'ہندی زبان' میں لکھا تھا اور جس کے موجد ہونے کے وہ خود دعویدار تھے کہ 'آگے سلف میں کوئی شخص موجود اس ایجاد تازہ کا نہیں ہوا۔' یہ نیا طرز بھی تھا اور مرصع بھی۔ 'نوطرز مرصع' کے نام سے مصنف کے نام اور کام، اس کی شخصیت اور ایجاد کا پورا اظہار ہوتا ہے۔

قصۂ چہار درویش بارھویں صدی ہجری کی تخلیق ہے اور جیسے الف لیلہ کا کوئی ایک مصنف نہیں ہے بلکہ پوری تہذیب نے اپنی تخلیقی قوتوں سے اسے جنم دیا ہے اسی طرح قصۂ چہار درویش بھی کئی ارتقائی منازل سے گزر کر اپنی اس صورت تک پہنچا ہے۔ یہ قصہ نہ ہندی الاصل ہے اور نہ فارسی الاصل بلکہ ان دونوں تہذیبوں کے صدیوں کے میل ملاپ کا

نتیجہ ہے۔ اس قصے کو 'ہندو مسلم کلچر' کے اس روپ نے جنم دیا ہے جو محمد شاہی دور میں سنبھالا لے رہا تھا۔ اس میں مختلف ایرانی و ہندوستانی عناصر ایک دوسرے سے گھل مل کر ایک ایسی شکل اختیار کر گئے تھے کہ ان کو پہچاننے کے باوجود الگ کرنا مشکل تھا۔

کہانی کا ڈھانچہ یہ ہے کہ آغاز میں ولایت روم کے بادشاہ فرخندہ سیر کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ اپنی ڈھلتی عمر کو دیکھ کر وہ بہت غمگین اور اداس رہتا تھا۔ آخر کار وہ دنیا ترک کر کے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ خردمند نامی وزیر کے سمجھانے بجھانے پر وہ دوبارہ دن میں امور سلطنت پر توجہ دینے لگا لیکن رات عبادت اور مقابر کی زیارت میں گزارتا۔ ایک دن وہ خلاف معمول آدھی رات کے وقت محل سے نکلا۔ ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ کیا دیکھتا ہے کہ دور ایک چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ اسے خیال ہوا کہ یہ تجلی کسی مرد خدا کے مکان پر متجلی ہے۔ یہ سوچ کر وہ ادھر روانہ ہوا کہ شاید اس کی آرزو کا چراغ بھی منور ہو۔ وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ چار درویش بیٹھے آپس میں سرگرم سخن ہیں۔ بادشاہ چھپ کر کھڑا ہو گیا اور ان کی باتیں سننے لگا۔ پہلے ایک درویش نے اپنا قصہ سنایا جو ملکہ دمشق کی سرگزشت پر مشتمل تھا۔ پھر دوسرے درویش نے حاتم طائی کی سرگزشت اور اسی سے متعلق ملکہ بصرہ اور شہزادہ نیمروز کا قصہ سنایا۔ جب تیسرے درویش نے اپنی داستان ختم کی تو صبح ہو گئی۔ بادشاہ محل میں واپس آ گیا اور دوسرے دن درویشوں کو دربار میں بلوایا۔ درویش آئے تو سب درباریوں کو رخصت کر کے بادشاہ ان سے مخاطب ہوا کہ تین درویشوں کی سرگزشت اس نے کل رات سنی۔ اب چاہیے کہ چوتھا درویش بھی اپنی سرگزشت سے استفادہ بخشے لیکن درمیان سے حجاب کا پردہ اٹھانے کے لیے پہلے خود بادشاہ نے فرخ سیر کا قصہ بیان کیا۔ خواجہ سگ پرست کا قصہ بھی اسی سرگزشت کا ایک حصہ ہے۔ اس کے بعد چوتھا درویش اپنی سرگزشت سناتا ہے اور جیسے ہی یہ سرگزشت ختم ہوتی ہے، اندر محل سے غلغلہ شادی کا بلند ہوتا ہے اور خبر ملتی ہے کہ فرخندہ سیر کے ہاں فرزند تولد ہوا ہے لیکن یہ خوشی جلد ہی غمی میں بدل جاتی ہے۔ کالے بادل کا ایک ٹکڑا آتا ہے اور شہزادہ کو لے جاتا ہے دو

دن بعد شہزادہ اسی طرح واپس آتا ہے۔ اس کے بعد ہر مہینے ابر تیرہ آتا اور شہزادے کو لے جاتا۔ جب اس طرح کافی عرصہ گزر گیا تو ایک دن، چاروں درویشوں سے مشورہ کر کے، بادشاہ نے ایک خط شہزادے کے گہوارے میں ڈال دیا۔ اس بار شہزادہ واپس آیا تو خط کا جواب موجود تھا اور بادشاہ کو شاہ جنات ملک شہپال بن شاہ رخ نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ بادشاہ درویشوں کی رفاقت میں روانہ ہوا اور ملک شہپال کی مدد سے ہر درویش اپنی مراد کو پہنچا۔ اس جملے پر قصہ ختم ہو جاتا ہے کہ ''الٰہی جس طرح یہ چاروں درویش مع بادشاہ فرخندہ سیر و شہزادہ نیمروز و بہزاد خاں فرنگی ہر ایک اپنی مراد کو پہنچے اسی طرح ہر ایک کی مراد اور مقصد بر آوے۔''

کہانی کے اس ڈھانچے میں چاروں قصوں کو بادشاہ روم فرخندہ سیر اور دوسرے ضمنی قصوں کے ساتھ ملا کر ایسا باہمی ربط پیدا کیا گیا ہے کہ یہ الگ الگ داستانیں مل کر ایک بڑی وحدت بن جاتی ہیں۔ 'نوطرز مرصع' کے اس قصے کو ناول کی تکنیک اور معیار سے دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے کپڑے کو ناپنے کے بجائے تولا جائے۔ ناول اور داستان میں قصے کی دلچسپی اور تجسس ضرور مشترک ہے لیکن داستان کی دنیا الگ ہے۔ اس کا الگ مزاج اور تقاضے ہیں۔ داستان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دلچسپ و حیرت انگیز قصے سے سننے والوں کا دل بہلایا جائے اور انھیں ایسی دور دراز کی دنیاؤں اور فضاؤں میں پہنچا دیا جائے جو ان کی حقیقی زندگی سے مختلف ہوں۔ عشق اس دور کا تہذیبی مزاج تھا اسی لیے بنیادی طور پر داستانیں عشق و رومان کی ایسی کہانیاں پیش کرتی ہیں جن کو سن کر افسردہ دل بھی افسردہ نہیں رہتے۔ یہاں ذہن کو سکون اور ٹھنڈک بہم پہنچانے کا عمل ملتا ہے۔ ہجر اور راستے کی دشواریاں عارضی ہوتی ہیں اور ہر کردار دنیا کے عیش و آرام کو چھوڑ کر اسی لیے ہفت اقلیم سر کرنے پر آمادہ ہے کہ اسے یقین ہے ایک نہ ایک دن وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔ ان کرداروں کا مزاج اُس اسلامی عقیدے سے بنا ہے جہاں مایوسی کفر ہے۔ کسی بھی کردار میں عزم کی کمزوری اس لیے محسوس نہیں ہوتی کہ وہ اللہ کی ذات سے، جو کارکشا و کارساز ہے، ذرا بھی مایوس نہیں ہوتا۔

وہ لوگ جو ذہن انسانی پر اس مابعد الطبعیات کے اثر کو بھلا دیتے ہیں، اس امید پرستی کو ازمنۂ وسطی کی امید پرستی کا نام دیتے ہیں۔ ان داستانوں کے مطالعے سے اس تہذیب کا انداز نظر، طرز فکر و احساس، عقائد اور زندگی کے اٹل قوانین کا سراغ ملتا ہے۔ یہاں زندگی کا سارا تضاد گھلا ملا ایک ساتھ نظر آتا ہے۔ درویش نماز بھی پڑھتا ہے اور شراب گل فام سے اپنے دماغ کو گرم بھی کر لیتا ہے۔ وہ ایک طرف فرنگن سے شراب وصل پی رہا ہے اور دوسری طرف خدائے بے ہمتا کی عبادت بھی کر رہا ہے۔ اس سطح پر وہ کسی قسم کی مصالحت نہیں کرتا بلکہ اپنے عقیدے کی گرمی سے کافر فرنگن کو بھی مسلمان کر لیتا ہے۔ اس دور کی داستانوں میں ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ اور دوسرے کرداروں کے ساتھ فرنگی کردار بھی نظر آنے لگتا ہے اور دوسرے کرداروں کے مقابلے میں یہ کردار ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہی صورت ہمیں 'نوطرز مرصع' میں بھی نظر آتی ہے۔

'نوطرز مرصع' اور 'باغ و بہار' میں، کہانی کے جزوی اختلاف کے باوجود، بنیادی فرق زبان و بیان اور طرز ادا کا ہے۔ 'نوطرز مرصع' ایک مخصوص طرزِ احساس کی ترجمان ہے اور 'باغ و بہار' اس بدلتے ہوئے طرز احساس کی ترجمان ہے جو آئندہ دور میں واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ تحسین بنیادی طور پر انشا پرداز تھے۔ انھوں نے 'نوطرز مرصع' میں اپنی انشا پردازی کا کمال دکھایا ہے اور وہ کام، جو اب تک فارسی میں کرتے رہے تھے، اسے اردو میں کیا ہے۔ اسی لیے 'نوطرز مرصع' کا اسلوب مقفی و مسجع ہے اور اس میں بیان کی رنگینی اور عبارت آرائی موجود ہے۔ رجب علی بیگ سرور کا 'فسانۂ عجائب' 'نوطرز مرصع کے اسی اسلوب کی ایک ارتقائی کڑی ہے۔

'نوطرز مرصع' کے اسلوب کے بارے میں یہ رائے عام ہے کہ اس کی زبان رنگین، دقیق اور طرز ادا مصنوعی و پرتکلف ہے۔ عربی و فارسی الفاظ و تراکیب، تشبیہات و استعارات کی اتنی کثرت ہے کہ اکثر فقرے دشوار فہم ہونے کے علاوہ مذاق سلیم کے لیے نہایت ثقیل و مکروہ ہیں۔ اور اسلوب پر سطحی و مصنوعی مرصع کاری چھائی ہوئی ہے۔ یہی بات

گلکرائسٹ نے 'باغ و بہار' کے دیباچے میں لکھی ہے کہ کثرت تراکیب ومحاورہ فارسی وعربی کی وجہ سے چونکہ اس کی عبارت قابل اعتراض تھی اس لیے اس نقص کو دور کرنے کے لیے میر امن دہلوی نے اس کا یہ متن تیار کیا ہے۔ یہ وہ آرا ہیں جن میں ان تہذیبی عوامل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جو کسی تصنیف کا مزاج بناتے ہیں۔ جیسے آج 'نوطرز مرصع' کی سی نثر نہیں لکھی جاسکتی، اسی طرح شجاع الدولہ کے دور میں ایسی سادہ نثر لکھنا، جو طبقۂ خواص کو بھی پسند ہو، ممکن نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ 'نوطرز مرصع' جس تجربے کی نمائندگی کرتی ہے وہ دراصل آج ہمارا تجربہ نہیں ہے۔ جیسے 'باغ و بہار' ایک خاص ضرورت اور مقصد کے تحت لکھی گئی تھی، اسی طرح 'نوطرز مرصع' ایک خاص ماحول، معاشرے اور ضرورت کے تحت لکھی گئی تھی۔ 'باغ و بہار' 'صاحبان نو آموز' کو اردو سکھانے کے لیے لکھی گئی تھی اور 'نوطرز مرصع' نواب شجاع الدولہ کے حضور میں پیش کرنے کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس لیے تحسین نے ایک ایسا اسلوب اختیار کیا جو اس دور کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں اور طبقۂ خواص کا دل پسند ومحبوب اسلوب تھا۔ تحسین کا کمال یہ ہے کہ اس نے فارسی اسلوب کو اردو کا اسلوب بنا کر اس طور پر پیش کیا کہ اہلِ علم کے ہاتھ اردو کا ایک نیا معیاری اسلوب آ گیا۔ اسی وجہ سے یہ اتنا مقبول ہوا کہ اس دور کے ادیبوں اور انشا پردازوں نے اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اس دور میں اس اسلوب میں سحر کرنے کی پوری قوت تھی۔ رجب علی بیگ سرور، جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے، فسانۂ عجائب میں اسی اسلوب کو مکمل کرتے ہیں۔ اس دور میں اس اسلوب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے میر بہادر علی حسینی نے اپنی تالیف 'نثر بے نظیر' دو بار لکھی۔ ایک بار عام زبان میں فورٹ ولیم کی ضرورت کے مطابق اور دوسری بار ایسی نثر میں کہ 'ہر ایک زبان داں وشاعر اس کو سن کر عش عش کرے اور ہیچ مداں کی ایک یادگاری اس دنیا میں رہے۔ اس دور میں نوطرز مرصع کا یہی وہ معیاری اسلوب تھا جس کو اختیار کر کے اس دنیا میں یادگاری رہ سکتی تھی۔ فضلی نے جب کربل کتھا لکھی تو اس میں معذرت کا لہجہ اختیار کیا اور کہا کہ یہ عورتوں کے لیے لکھی گئی ہے

اس لیے اس میں ایسی زبان استعمال کی گئی ہے جو ان کی سمجھ میں آ سکے۔ میر امن نے 'باغ و بہار' لکھی تو اس میں بھی معذرت کا لہجہ موجود ہے۔ اردو میں تحسین اس خاص طرز و اسلوب کے بانی ہیں۔ یہ ایک ایسا اسلوب تھا جو اس تہذیب کے تصور حقیقت اور طرز احساس سے پوری مطابقت رکھتا تھا۔ 'نوطرز مرصع' کے اسلوب کی اولیت و اہمیت کی داد اسی وقت دی جا سکتی ہے جب اس تصور حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے جس نے اس منفرد اسلوب کو جنم دیا تھا۔ محمد حسن عسکری نے لکھا ہے کہ 'ہر طرز احساس حقیقت کے ایک خاص تصور سے پیدا ہوتا ہے اور جب تصور بدلتا ہے تو طرز احساس بھی بدل جاتا ہے بلکہ ایسے چپکے سے بدلتا ہے کہ ہم مدت تک یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم جیسے تھے اب بھی ویسے ہیں۔ ہمارے ہاں جب انگریزوں کا اثر پھیلا تو ہمیں اپنے ادب میں تبدیلیاں کرنے کی ضرورت تو محسوس ہونے ہی لگی مگر اس سے بھی بڑی بات یہ ہوئی کہ ہم اپنی زبان کے خصائل کو سمجھنے کی صلاحیت آہستہ آہستہ کھونے لگے اور اردو زبان کے قاعدے انگریزی اصولوں کے مطابق ترتیب دینے لگے۔ پرانے طریقے سے لفظ کی تین قسمیں ہوتی تھیں — اسم، فعل، حرف۔ اب انگریزی دستور کے مطابق لفظ کی آٹھ قسمیں بتائی گئیں اور انھیں آسان کا نام دیا گیا۔ لیکن اصل بات تھی کہ انگریزوں کے اثر سے ہمارے لیے حقیقت کا روایتی تصور مشکل چیز بنتا جا رہا تھا اور ہم غیر شعوری طور پر انگریزوں کا تصور قبول کرتے جا رہے تھے اور حقیقت کا تصور بھی بدل رہے تھے۔ اسی بدلے ہوئے تصور حقیقت کی وجہ سے ہم 'نوطرز مرصع' کے اسلوب پر آج مکروہ، ثقیل، مصنوعی اور سطحی ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور اس طرح اپنے ماضی کو اپنے وجود سے کاٹ کر الگ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ حسن عسکری نے لکھا ہے کہ 'ماضی کو قبول کیے بغیر نہ تو ہم اس سے تخلیقی طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں، نہ اس سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ اس طرح تو ماضی کا بھوت ہمارا گلا دبائے رکھے گا اور ہمیں سانس تک نہیں لینے دے گا۔۔۔ آج کل لکھنے والے تو یہ بات اپنے آپ سے پوچھتے بھی نہیں کہ ماضی سے ہمارا علاقہ کس قسم کا ہے اور ہمارے طرز احساس میں ماضی کے اجتماعی تجربے کو کیا دخل ہے۔ اس بات سے واقف

ہوئے بغیر اردو کے اسالیب میں معنی خیز ترمیمات اور اضافے کیسے کرسکیں گے۔ ماضی کو سمجھے بغیر رد کر کے ہم ماضی سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتے، مثلاً جس تصور حقیقت کے زیر اثر 'نوطرزِ مرصع'، لکھی گئی اس کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صفات کا استعمال کم اور اسم کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ 'نوطرزِ مرصع'، 'طلسم ہوش ربا' یا کسی بھی داستان میں آپ باغ، خالہ باغ، دعوت یا میلے کا بیان پڑھ لیجیے۔ آپ کو یہی صورت ملے گی۔ بقول حسن عسکری ایسے موقع پر مغرب کے ادیب صفات کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں لیکن ہمارے ہاں صرف چیزوں کے ناموں کی فہرست ملے گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسماء کے ساتھ صفات لگانے کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں کی گئی کہ ہر چیز صفت خاصہ رکھتی ہے اور خود چیز کا نام اس صفت پر دلالت کرتا ہے یا نام کے ساتھ اس صفت کا خیال بھی خود ہی آجاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ادب میں بلکہ سارے مشرق کے ادب میں تشبیہ واستعارہ کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ وہ تصور حقیقت ہے جو ہماری اور سارے مشرق کی مخصوص مابعد الطبعیات سے پیدا ہوا ہے اور یہ جدید مغرب کی طبعیات سے مختلف ہے۔ اس دور میں ہماری تہذیب زوال آمادہ ہوکر مغلوب ہورہی تھی لیکن اپنے مخصوص طرز احساس کا شعور بھی باقی تھا اسی لیے 'نوطرزِ مرصع' اس طرز میں لکھی گئی جس طرز میں وہ ہمیں آج مصنوعی اور سطحی معلوم ہوتی ہے، حالانکہ اگر اس پس منظر میں دیکھیے تو وہ ہمارے ایک مخصوص طرز احساس کی منفرد تصنیف ہے۔ 'نوطرزِ مرصع' میں مجلس ضیافت کا بیان پڑھیے، آپ کو اس طرز احساس کے بہت سے پہلو نظر آئیں گے:

> "کبھی نکتہ ہائے شیریں سے بیچ گوش سامعان مجلس انبساط کے موتی لذت کے پروتا اور کبھی لطیفہ ہائے رنگین سے غنچہ خاطر حاضران مجلس نشاط کے تئیں شگفتگی عشرت کی دیتا۔ جب کاسہ دماغ کا شراب خرمی کے سے لبریز ہوا اس وقت چار امرد سادہ روغلمان سرشت مانند ماہ شب چہار دہم کے زلف مسلسل اوپر رخسارے کے مثل سنبل کے گل یاسمیں پر پیچیدہ کیے زینت بخش محفل کے

ہوئے اور ساز خوش آواز چھیڑ کر کے ایسی خوش الحانی سے نغمہ تہنیت آمیز شروع
کیا کہ ایک مرتبہ اس کے سننے سے داؤد بھی وجد میں آجاوے اور جو آواز اس کی
بیچ سرزمین ہند کے پہنچے تو بے شائبہ تکلف اودھو نائک اور تان سین سبق تربیت کا
بیچ دبستان شوق کے پڑھیں۔'' (ص ۹۸/۹۷)

اسلوب کے اس تخلیقی عمل کا تعلق ہمارے اس طرز احساس سے ہے جسے ہمارے تصور حقیقت نے جنم دیا تھا۔ جب تک یہ طرز احساس ہمارے اندر زندہ اور جاری وساری رہا ہمیں 'نوطرز مرصع' کے اسلوب میں دلوں کو گرمانے والی اثر آفرینی اور استعاروں کے ذریعے بات کرنا ایک زندہ وموثر اسلوب معلوم ہوتا رہا۔ اس تصور حقیقت نے ہمیں خیال آرائی کی پوری آزادی دے رکھی تھی، اس لیے عبارت کی رنگینی، استعارات وتشبیہات کا استعمال ہمارے طرز احساس کا حصہ تھے۔ یہ سارے عوامل ہمارے روایتی معاشرے کے مسلمہ حقائق تھے۔ اسی لیے اس زمانے میں 'نوطرز مرصع' کا اسلوب سحر آفریں معلوم ہوتا تھا۔ یہ بات واضح ہے کہ جب کسی زبان کا اسلوب بدلتا ہے تو صرف اسلوب کے مطالعے ہی سے اس زبان کے بولنے والوں کے طرز احساس کا پتا لگا کر اس لیے تصور حقیقت تک پہنچا جاسکتا ہے جہاں وہ قوم اب پہنچی ہے۔ 'نوطرز مرصع' کے اسلوب کو بلا سوچے سمجھے مکروہ اور مصنوعی کہہ کر ہم نے ادبی عوامل کو پورے طور پر نہ صرف سمجھا نہیں ہے بلکہ ادب کو، زندگی سے بے تعلق کر کے، پڑھنے کی کوشش کی ہے۔

تصورِ حقیقت کے اسی اثر کی وجہ سے شاعری ہمارے مزاج سے ہمیشہ قریب رہی ہے اور شاعری کا اثر ہماری پوری زندگی، معاشرت اور طرز احساس پر گہرا پڑا ہے۔ آداب محفل، طریق گفتار، وضع قطع، مشغلے اور ذہن وفکر سب اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ نثر، جو ہمارے تہذیبی وفکری اظہار کا ایک حصہ تھی، اس سے الگ رہتی۔ اس لیے اس میں بھی وہ خصوصیات در آئیں جو ہمارے طرز احساس میں موجود تھیں۔ ہماری نثر کا رنگ و آہنگ اسی لیے آج تک شاعرانہ ہے اور ہم خیال کو تشبیہ واستعارہ کے ذریعے آئینہ

دکھاتے ہیں۔ 'نوطرز مرصع' کا اسلوب اسی طرز احساس کا نمائندہ اسلوب ہے اور آج یہ اسلوب اسی لیے مقبول نہیں ہے کہ ہمارا طرز احساس بدل گیا ہے۔ اگر انگریزوں کا تصور حقیقت وہی ہوتا جو چودھویں پندرھویں صدی کے انگریزی ادب میں نظر آتا ہے تو گلکرائسٹ کو 'نوطرز مرصع' کو میر امن سے دوبارہ لکھوانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ خود 'نوطرز مرصع' میں طرز احساس بدلنے اور کمزور پڑنے کا احساس ہوتا ہے۔ یہاں فرنگی کردار موجود ہیں۔ ایک درویش ملکہ فرنگی کا بت بنا کر اس کے قدموں میں گڑگڑا کر روتا نظر آتا ہے۔ بہزاد خاں فرنگی ایک بہادر وجری انسان ہے جو درویش کی مدد کو پہنچتا ہے۔ یہاں وہ ایسے مخلص، ہمدرد، نیک خو، بے غرض، آڑے وقت پر کام آنے والے انسان کے روپ میں نظر آتا ہے کہ ہم اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس سے ہماری یہ محبت خالی از علت نہیں ہے۔ یہ ہماری ان چھپی ہوئی خواہشات کا اظہار ہے کہ ہم خود کو بدل کر انگریزوں کے تصورات کو اپنا لینا چاہتے ہیں۔ انیسویں صدی ان تصورات کو قبول کر لیتی ہے۔ 'نوطرز مرصع' میں ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ تخلیقی سطح پر تحسین خود اس نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہیں اور یہ دو طرزِ احساس ان کے اندر دھوپ چھاؤں کی طرح موجود ہیں۔ اسی لیے 'نوطرز مرصع' میں ہمیں تین اسالیب بیان ملتے ہیں:

(1) ایک وہ اسلوب جو ہمارے روایتی طرزِ احساس سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔ اس سے استعاروں کی کثرت ہے۔ عبارت رنگین، مسجع و مقفیٰ ہے۔ خیال آرائی اور مرصع کاری ہے۔ عربی الفاظ و فارسی تراکیب اور ان زبانوں کے مزاج، ان کی روایت و تہذیب کی گہری چھاپ ہے۔ اردو کے ضمیر، فعل، حرف جار وغیرہ کے علاوہ سب کچھ فارسی اسالیب کا گہرا اثر لیے ہوئے ہے۔ یہ اسلوب اردو زبان کو فارسی کے ساتھ مرصع کرنے سے وجود میں آیا ہے جملے کی ساخت اور لہجے پر فارسی جملے کی ساخت اور لہجہ اتنا غالب ہے کہ مضاف و مضاف الیہ، صفت و موصوف اور جار و مجرور کا استعمال بھی اکثر اسی انداز سے ملتا ہے۔ 'نوطرز مرصع' میں اس اسلوب سے جو شکل بنتی ہے وہ یہ ہے:

''جب طائر زریں بال آفتاب کے نے رخ بیچ آشیانۂ مغرب کے کیا اور بیضۂ سیمیں ماہتاب کا بطن مرغ مشکین شب تار کے سے نمودار ہوا مستحفظان و محارسان شہر کے نے کہ بموجب حکم والی اس دیار کے مامور تھے، دروازہ شہر پناہ کا مسدود کر کے راہ آمد و رفت صادر و وارد کی بند کی۔ ہر چند کہ عاجز نے ساتھ کمال لجاجت و سماجت کے زبان عجز و نیاز کی واسطے درآمد ہونے شہر کے کھولی اصلا عرض میری کے تئیں پیرایہ اجابت کا نہ بخشا۔ لاچار بیچ پناہ دیوار کے استقامت کر کے مزاج کے تئیں واسطے شغل بیداری و شب گزاری کے اوپر تماشا برج حصار کے کہ رفعت عمارت اس کی ہمسر چرخ بریں کی تھی، مصروف کیا۔ جس وقت زلف خاتونِ شب کی کمر تک پہنچی اور چشم خلائق کی خمار نشۂ غنودگی کے سے سرمست خواب غفلت کے ہوئی، یکا یک صندوق چوبیں فراز دیوار حصار کے سے مانند خورشید کے برج حمل کے سے جلا بخش دیدۂ تماشا بیں ہوا۔'' (ص ۸۳)

(۲) دوسرا وہ اسلوب ہے جس میں دو الگ الگ اسالیب ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ایک اس تصورِ حقیقت کا اسلوب جس کی مثال ہم پہلے اسلوب کے ذیل میں دے آئے ہیں اور دوسرا وہ جس میں برّعظیم کے بدلے ہوئے سیاسی، معاشرتی و تہذیبی اثرات، لاشعوری طور پر، اس تصور حقیقت کو متاثر کر کے اسے آہستہ آہستہ بدل رہے ہیں۔ اسلوب کے اس گنگا جمنی روپ کو اس اقتباس میں دیکھیے۔ اس میں پہلا اسلوب بھی شامل ہے اور وہ بھی جس کا ذکر تیسرے اسلوب کے ذیل میں آگے آئے گا:

''پس توں اوپر مستقل مزاجی میری کے آفریں کر کے کلمۂ چند اس عبارت سے کہ معنی مراد کے تئیں موافق پڑے فصاحت کلام سے بیان کر۔ والّا ممکن ہے کہ دانہ تسبیح دل کا بیچ رشتہ محبت زبان کے کہ کلید گنجینۂ نطق کی ہے، سرگردان نہ ہو کے ایک جان دو قالب نہ رہ سکے۔ ملکہ نے چیں بہ جبیں ہو کے کہا کہ تیرے تئیں یاد ہوگا کہ میں نے اول مرتبہ منع کر رکھا ہے کہ تو بیچ حرکات اور سکنات میری کے زنہار مستفسر و متلاشی نہ ہوجیو۔ پس اب خلاف معمول بات

کہنا کیا لطف ہے۔ فقیر نے ہنستے ہنستے ملکہ سے کہا کہ جیوں اور بات خلاف معمول معاف ہوئی اتنی یہ بھی سہی۔ ملکہ اس وقت جل کر اور بھی آتش کا پرکالہ بن گئی اور نپٹ ہی خفگی سے کہا کہ معقول! یک نہ شد دو شد۔ چل اپنا کام کر، ان باتوں سے کیا چاہتا ہے۔" (ص ۱۲۲)

(۳) تیسرا وہ اسلوب جو داستان میں فرنگی کرداروں کے آنے کے بعد (تیسرے درویش کی داستان سے) بڑی حد تک روایتی طرز احساس پر غالب آنے لگتا ہے اور اس زمانے کے تصور واحساس کے اعتبار سے ایک بے نمک اور سپاٹ سا اسلوب 'نوطرز مرصع' میں ابھرنے لگتا ہے۔ استعارے غائب ہونے لگتے ہیں۔ عبارت کی رنگینی، جو پہلے اسلوب میں بہت نمایاں ہے اور دوسرے میں ملی جلی نظر آتی ہے، پھیکی پڑنے لگتی ہے اور چلتا ہوا مفید اسلوبِ نثر پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہی وہ اسلوب ہے جو بدلتے ہوئے طرز احساس کا اسلوب ہے اور جسے ذیل کے اقتباس میں دیکھا جا سکتا ہے:

"ایک روز اتفاقاً موسم بہار میں کہ مکان بھی دلچسپ تھا اور ابر بھی زور طرح سے ہو رہا تھا اور بجلی بھی یوں کوندر ہی تھی جس طرح بیجنی پوشاک پر کناری چمکتی ہے اور ہوا بھی خوب ہی موافق پڑی تھی اور چھوٹی چھوٹی بوندیوں کے ترشح نے عجب مزا کر رکھا تھا اور ستھری ستھری گلابیاں شرابِ ارغوانی سے بھری ہوئیں اس ڈول سے رکھیاں تھیں کہ یاقوت کا جگر اس کی جھلک کی حسرت سے خون ہو جاوے۔ چاہتی ہوں کہ ایک جام اس بادۂ مروق سے نوش کروں کہ یکا یک ایک شعر بے اختیار زبان میری پر گزرا

چمن ہے ابر ہے عیش وطرب ہے جام وصہبا ہے
پر اک باقی ہے مجھ کو ساقی گلفام کی خواہش

(ص ۱۳۳/۱۳۲)

ان تینوں اقتباسات سے 'نوطرز مرصع' کے مختلف اسالیب کے مزاج کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ یہ فرق نہ صرف بندشوں، تراکیب، لہجوں میں محسوس ہوتا ہے بلکہ جملے کی

ساخت بھی بدلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ پہلے اقتباس میں جو عبارت آرائی، استعارات کا استعمال ورنگینی ہے یہ اثرات دوسرے اقتباس میں ہلکے پڑ جاتے ہیں۔ خصوصاً دوسرے اقتباس کے شروع کے جملے پہلے اقتباس سے اور آخری پانچ سات جملے تیسرے اسلوب کے مزاج، رنگ و آہنگ اور لہجے سے بڑی حد تک مطابقت رکھتے ہیں۔ تیسرے اقتباس میں پہلے اسلوب کا طرزِ احساس پسپا ہو جاتا ہے اور نیا طرزِ احساس لاشعوری طور پر ابھر آتا ہے۔ تیسرے درویش کی داستان کے بعد پیچیدہ جملے سادہ ہونے لگتے ہیں۔ طویل جملے غائب ہو کر مختصر جملوں میں بدل جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ اسلوب کا مزاج، جملے کی ساخت اور لہجہ، لفظوں کی ترتیب، تراکیب و بندش، فاعل، فعل، مفعول کی ترتیب بھی بدل جاتی ہے۔ ان تینوں اقتباسات کو ایک ساتھ پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ۱۷۶۸ سے لے کر ۱۷۷۴ تک خود تحسین کے اندر زبردست تبدیلیاں آئی ہیں۔ یہ وہ دور ہے کہ برعظیم پر انگریزوں کی حکمرانی کم و بیش قائم ہو چکی ہے۔ بادشاہ نام کا بادشاہ رہ گیا ہے اور اس کی بادشاہت کمپنی بہادر کی محتاج ہے۔ ہمارا روایتی طرزِ احساس اس نئے تصورِ حقیقت کے پھیلنے کے ساتھ دم توڑ رہا ہے۔ تحسین اس روایتی اسلوب کا دامن تھامنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ''نوطرزِ مرصع'' گواہ ہے کہ یہ دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ جاتا ہے۔ اس طرح 'نوطرزِ مرصع' سے اسلوب کے دو دھارے نکلتے ہیں۔ ایک روایتی طرزِ احساس کا دھارا اور ایک بدلے ہوئے زمانے کے طرزِ احساس کا دھارا۔ سرور کا فسانۂ عجائب اور آثار الصنادید کا پہلا روپ روایتی طرزِ احساس کا اسلوب ہے۔ فورٹ ولیم کالج اور پھر سرسید کی نثر دوسرے طرزِ احساس کی ترجمان ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں 'نوطرزِ مرصع' کی یہی اہمیت ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ اسے مصنوعی، سطحی یا مذاقِ سلیم کے لیے مکروہ یا ثقیل کہہ کر حقارت سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تصنیف اپنے دور میں قابلِ قدر و اہم تھی جس کا اثر اس دور کے لکھنے والوں نے قبول کیا اور آج بھی اس لیے اہم ہے کہ یہ ایک مخصوص طرزِ احساس کی نمائندگی کرتی ہے۔

(تاریخِ ادب اردو، جلد دوم، حصہ دوم: ڈاکٹر جمیل جالبی، ص ۱۰۹۴ تا ۱۱۰۸)

✓

پروفیسر گیان چند جین

نوطرزِ مرصع

تحسین اٹھارویں صدی کی سب سے اہم اردو داستان کے مؤلف ہیں۔ مہر چند کھتری نے قصہ ملک محمد و گیتی افروز میں، میر امنؔ نے باغ و بہار میں اور آزادؔ نے آبِ حیات میں ان کا نام عطا حسین خاں [1] لکھا ہے لیکن ان کا صحیح نام میر محمد حسین عطا خاں تھا جو ان کے دوست امر اللہ ابوالحسن نے تذکرۂ مسرت افزا میں درج کیا ہے۔ نوطرزِ مرصع کے قدیم ترین نسخوں میں بھی یہی نام ملتا ہے۔ داستان کے مرتب ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی [2] نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ آزادؔ نے ایک اور غلط بیانی کو رائج کیا۔ لکھتے ہیں [3]:

> ''میر محمد عطا حسین خاں تحسینؔ نے چار درویشوں کا قصہ اردو میں لکھ کر نوطرزِ مرصع نام رکھا۔ شجاع الدولہ کے عہد میں تصنیف شروع ہوئی۔ ۱۷۵۸ء/ ۱۲۱۳ھ نواب آصف الدولہ کے عہد میں ختم ہوئی۔''

شجاع الدولہ ۱۷۷۵ء میں اور آصف الدولہ ستمبر ۱۷۹۷ء/ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ میں جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ آزادؔ نے آصف الدولہ کی تاریخِ وفات درج کرتے

ہوئے عیسوی اور ہجری دونوں سنوں میں ایک سال کی غلطی کی۔ تحسینؔ نے خود واضح کر دیا ہے کہ وہ داستان لکھ کر شجاع الدولہ کے حضور میں گزرانا چاہتا تھا کہ حیات مستعار نے نواب سے دغا کی۔ بعدہٗ اس قصہ کو آصف الدولہ کے حضور میں پیش کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصے کی تکمیل شجاع الدولہ کے عہد (۱۷۷۵ء تک) ہی میں ہو چکی تھی۔ اگر چند ورق رہ گئے ہوں گے تو ان کا ترجمہ اسی سال کر لیا ہوگا۔ تمہید میں ایک جملہ یہ بھی ہے:

''اس وقت چندے اشعار مرزا سوداؔ صاحب کے کہ دادِ سخن کی دیتا ہے، میرے تئیں، حسب حال اپنے، یاد پڑے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا المتوفی ۱۷۸۱ء/ ۱۱۹۵ھ اس وقت زندہ تھے۔ بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس اردو مخطوطات کی فہرست میں سالِ تصنیف ۱۷۸۰ء کے قریب قیاس کیا ہے۔ غالباً ۱۷۷۵ء ہی صحیح تاریخ ہے۔

حیدر آباد کے ڈاکٹر سید سجاد نے نوطرز مرصع پر تحقیق کر کے لندن یونی ورسٹی سے ڈاکٹر کی ڈگری لی۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے اپنی مرتبہ نوطرز مرصع (۱۹۵۸ء) کے دیباچے میں درج کیا ہے۔ ڈاکٹر سجاد نے داستان کی ابتدا کی تاریخ دریافت کرنے میں قابلِ قدر کاوش کی۔ تحسین نے لکھا ہے کہ وہ جنرل اسمتھ کی رفاقت میں دریائے گنگ میں بہ سواری کشتی کلکتہ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عزیز نے یہ داستان شروع کی۔ تحسین کو خیال ہوا کہ اس داستانِ بہارستان کو اردو میں لکھنا چاہیے۔ چنانچہ اس کا ابتدائی حصہ کشتی ہی میں سپردِ قلم کیا۔ کلکتہ پہنچنے کے بعد ان کا تبادلہ عظیم آباد کو ہو گیا اور داستان کا کام ملتوی کرنا پڑا۔

ڈاکٹر سجاد نے لندن کی لائبریریوں میں ڈوب کر نہ صرف جنرل اسمتھ کا پتا چلایا بلکہ اس کے سفرِ کلکتہ [۴] کا زمانہ ۱۷۶۸ء بھی معلوم کر لیا۔ اس سے یہ طے ہو جاتا ہے کہ نوطرز مرصع کی داغ بیل ۱۷۶۸ء میں پڑ چکی تھی۔ تکمیل ۱۷۷۵ء میں ہوئی ہوگی۔

اٹھارویں صدی کے آخر تک اردو میں نثر نگاری ایسی ندرت سمجھی جاتی تھی کہ کئی اہلِ قلم

نے اپنی ناواقفیت کی بنا پر یہ سمجھا کہ وہی اس کے موجد ہیں۔ تحسینؔ سے پہلے وجہیؔ اور فضلیؔ نے یہی دعویٰ کیا تھا۔ تحسین کو بھی یہی خوش فہمی ۵ ہے۔

''مضمون اس داستان بہارستان کے تئیں بھی بیچ عبارتِ رنگین زبانِ ہندی کے لکھا چاہیے کیونکہ آگے سلف میں کوئی شخص موجد اس ایجادِ تازہ کا نہیں ہوا۔''

تحسینؔ نے اس کتاب کی تالیف میں دوسرا فائدہ یہ بھی مدِنظر رکھا تھا کہ ''جو کوئی زبانِ اردوئے معلیٰ سیکھنے کا حوصلہ رکھے، وہ اس کا مطالعہ کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرسکتی ہے یا نہیں؟ بعد کے داستان نگاروں نے بھی اپنا سرمایہ ٔ فخر زبان اور اسلوب ہی کو قرار دیا قصہ گوئی کو نہیں۔

نوطرز مرصع جس وقت لکھی گئی اس وقت تک اردو نثر کو علمی درجہ نصیب نہ تھا۔ نوطرز مرصع کے پون صدی بعد تک اردو کے شعرا اردو نثر کو سرمایۂ ننگ سمجھتے تھے۔ مثنویوں کی فصلوں کے عنوان فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ فارسی کے متاخرین انشا پردازوں کی تصانیف مثلاً پنج رقعہ، مینا بازار، سہ نثر ظہوری وغیرہ کا بول بالا تھا۔ اردو میں نثر لکھی جائے تو ان کی تقلید کے سوا چارہ نہ تھا۔ نوطرزِ مرصع کا اسلوب زیادہ سے زیادہ مغلق، مصنوعی اور پُر تکلف ہے۔ اگر ایک طرف اس کتاب میں تشبیہ واستعارہ کی افراط، مبالغے کی بلند پروازی ،تخیل کی فلک سیری ہے تو ساتھ ہی ساتھ عربی و فارسی کے موٹے لغات، فارسی کے انداز پر جار و مجرد اور صفت و موصوف کی معکوس ترکیب، توازن و ہمواری کا فقدان اور تعقید و گنجلک ہے۔ قصہ تو فارسی سے لیا ہی ہے، ان کی عبارت بھی اس انداز کی ہوتی ہے جیسے پہلے فارسی میں لکھ کر لفظی ترجمہ کیا ہو۔ مثلاً نوطرز مرصع کے شروع میں اپنے والد کی توصیف میں لکھتے ہیں:

''بیچ میدانِ تشریح و توصیف ذات اس مفردِ کائناتِ نسریں ہلال آہوئے قلم کا اوپر صفحۂ گلشنِ افلاک چراگاہ سفیدۂ کاغذ کے جلوہ نمائش کا پا کرنا

ریز بہار عرصۂ تحریر کا نہیں ہو سکتا۔"

معلوم نہیں ہو پاتا کہ یہاں کون سا لفظ مضاف ہے کون سا مضاف الیہ۔ فقرہ کہاں ختم ہوا ہے۔ اس قسم کی الجھی ہوئی پر تصنع عبارت کا مفہوم پلے نہیں پڑتا۔ اسے مشکل سے اردو کہا جا سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ تحسینؔ نے جس ماحول میں اپنی تخلیق پیش کی وہاں سلیس عبارت لکھتے تو کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا۔ انہوں نے اس اسلوب کی داغ بیل ڈالی جس کی نکھری ہوئی صورت فسانۂ عجائب میں ہے۔ ملاحظہ ہو:

"در تعریفِ روشنی و آتش بازی گوید۔ از روئے انصاف کے کہیے تو تماشے کی عالم میں وہ رات نہ تھی گویا شبِ برات تھی۔ اگر چراغاں کی کیفیت کا ذکر کروں تو دل مانند محفل سرابستان ارم کے تجلی بخش دیدۂ بصیرتِ اربابِ ذوق کا ہو جاوے اور کنول کی چمن کے روشنی کا بیان کیجیے تو غنچہ دل کا مانند گلریز کے ہوائے محبت اس کی سے گل کی صورت میں پنکھڑی پنکھڑی ہو جھڑ جائے۔ ایک طرف انار کے جھاڑ میں مانند جھاڑ کے درخت انار کے گلہائے آتشیں سے صحنِ باغ کے تئیں گل انار کر رکھا تھا۔"

فسانۂ عجائب سے مشابہت ظاہر ہے۔ فرق یہ ہے کہ تحسین کی نثر اکھڑی اکھڑی، غیر متوازن اور فرسودہ ہے۔ فسانۂ عجائب میں یہی ایک مشاق استاد کے قلم سے رواں دواں ہو کر نکلتی ہے۔ یہ بات بھی نہیں کہ اردو زبان اس وقت تک ابتدائی حالت میں تھی۔ ان سے تقریباً انیس (۱۹) سال بعد مہر چند نے قصۂ ملک محمد و گیتی افروز لکھا۔ اس کی زبان میں بات چیت کی سلاست پائی جاتی ہے۔ زبان کی طویل زندگی میں انیس (۱۹) سال کوئی بڑا عرصہ نہیں۔ چنانچہ اسی زمانے میں ان کی عبارت کے اغلاق پر انگشت نمائی کی گئی۔ مہر چند کھتری ۱۲۰۸ھ میں قصہ ملک محمد و گیتی افروز کی تمہید میں لکھتے ہیں:

"مگر انہیں دنوں میں عطا حسین خاں نے چار درویش کا قصہ فارسی سے ہندی زبان میں تضمین کر کے نوطرز مرصع نام رکھا۔ سوالحق نوطرز مرصع

ہے لیکن جو ریختہ زبان میں بہ الفاظِ دقیق اور عبارتِ رنگین موزوں کیا ہے۔اس سبب سے مطبوع انگریزوں کے نہیں ہوا۔''

ڈاکٹر گل کرسٹ نے باغ و بہار ۶ کے انگریزی پیش لفظ میں بھی اسی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے:

''عطا حسین خاں نے ابتداءً اصل فارسی سے اس کا ترجمہ شائع کیا مگر چونکہ اس کی زبان بوجہِ کثرتِ تراکیب و محاورہ فارسی و عربی مغلق اور قابلِ اعتراض مانی گئی تھی، اس لیے ۔۔۔اس نقص کو رفع کرنے کی غرض سے کالج کے ملازمین میں سے میر امن دہلوی نے مذکورہ بالا ترجمے سے موجودہ متن تیار کیا۔''

تحسین کو اردو نثر کے رجحان کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔نوطرزِ مرصع اور باغ و بہار سے ایک ہی مقام کے دو بیانات ملاحظہ ہوں:

''جس وقت زلف خاتونِ شب کی قمر تک پہنچی اور چشم خلائق کی ،خمار نشۂ غنودگی کے سے سرمست خوابِ غفلت کے ہوئی یکا یک ایک صندوقِ چوبیں فراز دیوار حصار کے سے مانند خورشید کے برج حمل کے سے جلا بخش دیدۂ تماش بیں کا ہوا۔فقیر واردات اس عجائبات کے سے کمال متعجب ہوا کہ آیا یہ خیال طلسمات کا ہے یا مسبب الاسباب حقیقی نے اوپر اس بیکس کے نظرِ ترحم کی فرما کے خزانۂ غیب سے دولتِ غیر مترقب مرحمت کی۔''

(نوطرزِ مرصع ،ص ۸۳)

''جس وقت آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر ہوگئی۔ سنسان ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار سے نیچے چلا آتا ہے۔یہ دیکھ کر میں اچنبھے میں آیا کہ یہ کیا طلسم ہے۔شاید خدا نے میری حیرانی اور سرگردانی پر رحم کھا کر خزانہ غیب سے عنایت کیا۔''

(باغ و بہار)

میر امن کے بیان میں حیرت، سناٹا اور پراسرار فضا کا جو احساس ہے وہ تحسین کے یہاں تقریباً

مفقود ہے۔ قارئین کو باغ و بہار سے زیر باد کی رانی کی سرگزشت یاد ہوگی۔

> ''میں کنیا زیر آباد کے دیس کے راجا کی ہوں اور وہ گبرو جو زندان سلیمان میں قید ہے اس کا نام بہرہ مند ہے میرے پتا کے منتری کا بیٹا ہے۔''

یہ بھی خیال ہوگا کہ یہ دیوان کا پوت کس طرح گھڑ چڑھی کا کسب ظاہر کر رہا تھا اور رانی اور راجکماری جھروکے سے دیکھ رہی تھیں۔ یہ سب امّن کے فکرِ گہر بار کی تخلیق ہے۔ تحسین نے صرف یہ کہا ہے:

> ''دختر روشن اختر فرماں روائے زیر آباد کی ہوں ایک روز نظر میری خلف الصدق وزیر اعظم کے اوپر پڑی بہ ہزار جان و دل فریفتہ اور عاشق اس کی ہوئی۔''

میر امّن کے بیان میں قلبِ نسوانی کی نزاکت اور عاشق کے جذبات کی مہذب شیفتگی ہے۔ تحسینؔ کے یہاں ہوس کی گرسنہ آنکھیں ہیں۔

تحسین کو نثر میں جا بجا اشعار داخل کرنے کا بہت شوق ہے۔ یہ اشعار کبھی کبھی دردؔ، سوداؔ اور دوسرے اساتذہ کے ہوتے ہیں اور بیشتر خود ان کے۔ ان کے اشعار میں عموماً لطفِ شعر نہیں ہوتا۔ ستم یہ ہے کہ یہ محض فرد پر قناعت نہیں کرتے بلکہ پورے کے پورے قطعے اور غزلیں شامل کر دیتے ہیں۔ اس کتاب کی نثریوں ہی کچھ بہت رواں نہیں۔ بات بات پر شعر عرض کرنے کے لپکے کی بدولت تسلسل ڈھیر ہو جاتا ہے۔

جہاں تک زبان کا تعلق ہے نوطرز مرصع فضلی کی کربل کتھا، سوداؔ کے دیباچۂ کلیات انشا اور مرزا مظہر کی گفتگو مندرجۂ آبِ حیات کے زمرے ہی میں رکھی جائے گی۔ تحسین کے انتخاب کی داد ضرور دینی چاہیے کہ انہوں نے ایسی بلند پایہ داستان کا انتخاب کیا جس نے میر امّن کو راہ دکھائی دونوں ادیبوں پر ماحول کا جبر نمایاں ہے۔ تحسین نے لکھنؤ کے زرق برق، صنعت آمیز، شکوہ و نمود کے ماحول میں اپنی تخلیق کی، میر امن نے مکتب کی کاروباری فضا

میں، اس سے دونوں کے اسلوب کی تشکیل ہوئی۔ تحسین کی بد نصیبی تھی کہ میر امن جیسے انشا پرداز نے اس داستان کو دوبارہ لکھا۔ جس کی وجہ سے تحسین کا کارنامہ ماند پڑ گیا۔ لیکن یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ اس وقت شمالی ہند کی اردو نثر میں کوئی ادبی تصنیف نہ تھی۔ نوطرزِ مرصع اپنے طرز کی پہلی کوشش ہے۔

(اردو کی نثری داستانیں، گیان چند، صفحہ ۲۰۰ تا ۲۰۶، اشاعت ۱۹۸۷)

حواشی:

۱: اصلاً مجھے یہ اطلاع مسعود حسین رضوی صاحب نے دی تھی۔

۲: مقدمہ نوطرزِ مرصع، ص ۲۱

۳: طبعِ دوازدہم، شیخ مبارک علی پبلشرز، ص ۲۵

۴: مقدمہ نوطرزِ مرصع، ص ۳۱

۵: نوطرزِ مرصع، ص ۵۴

۶: بحوالہ مقدمہ نوطرزِ مرصع، از ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، ص ۲۳

✓

فرہنگ

بہ اعتبار نمبر

	الفاظ	معانی / تشریحات
۱	لولاک :	حدیث قدسی **لَولَاکَ لَمَاخَلَقتُ الْاَفلَاک** کی طرف اشارہ ہے، یعنی اگر تیری (رسول اکرمؐ) ذات نہ ہوتی تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔
۲	نادِ علیؓ :	ایک مشہور دعا کا نام جسے اکثر زہر مہرے یا چاندی کے پتر پر کھود کر بچوں کے گلے میں ڈالا کرتے ہیں، اسی وجہ سے صرف زہر مہرے کی تختی کو بھی جو گلے میں ڈالنے کے واسطے بنائی جاتی ہے، نادعلی کہنے لگے۔
۳	آلِ عبا:	وہ لوگ جن پر رسول اکرمؐ نے اپنی کملی ڈال کر محبت ظاہر فرمائی، یعنی حضرت علی و فاطمہ، حسن اور حسینؓ

۴ دِرایَت : عقل، دانائی

۵ رزانت : استواری، مضبوطی

۶ نافہ: کستوری، مشک نافہ، مشک کی تھیلی۔ جوایک قسم کے ہرن کی ناف کے پاس تھیلی سے نکلتی ہے۔

۷ مَوہبت : عطا، بخشش، سخاوت

۸ اِستِفاضہ : فیض پانا، فیض اٹھانا

۹ مُبارِزالملک: شاہی خطاب، جنگجو، بہادر

۱۰ بَجرا: ایک قسم کی چھوٹی کشتی جو مور کی شکل کی بنی ہوتی ہے۔ ہلکی پھلکی سیر وتفریح کی سبک رفتار چھوٹی کشتی جس کو ایک آدمی آسانی کے ساتھ کھے لے۔

۱۱ مور پنکھی: ایک طرح کی خوبصورت، سیر وتفریح کی کشتی جو مور کی سی شکل کی بنی ہوتی ہے۔

۱۲ قُمری: فاختہ کی قسم کا ایک طوق دار پرند

۱۳ فَحوائے کلام: گفتگو کا انداز

۱۴ بیرون جات: دیہات، گاؤں

۱۵ ہَرَج مَرج: مصیبتیں، پریشانیاں

۱۶ دُودمان: خاندان

۱۷ صَیقل : جلا، چمک، صفائی

۱۸ تَعب : رنج، دکھ، تکلیف

۱۹ میل سرمہ لگانے کی سلائی

۲۰ کُحل الجَواہر: وہ سرمہ جس کو آنکھوں میں طاقت کے لیے لگاتے ہیں اور جس میں مروارید اور دوسرے جواہر ڈالے جاتے ہیں۔

۲۱ مَزرَع: کھیتی

۲۲ سِفلۂ دوں: کمینہ، حقیر

۲۳ مُلہم غیبی: غیب کی خبر دینے والا

۲۴ تَصدیعہ: تکلیف، دکھ، زحمت

۲۵ شجر طوبیٰ: جنت کا درخت

۲۶ مُستَطاب: مبارک، خجستہ

۲۷ گردوں رَکاب: آسمان پر سوار، گردوں بمعنی آسمان، رکاب: لوہے کا وہ حلقہ جو گھوڑے کی زین میں دونوں طرف لٹکتا رہتا ہے اور سوار اس پر پاؤں رکھ کر گھوڑے پر چڑھتا ہے۔

۲۸ تارَک: مانگ، سر کے بالوں کے درمیان جو لکیر ہوتی ہے۔

۲۹ اَکلیل: تاج مرصع، جواہرات کا سر پیچ

۳۰ فُتُوت: شجاعت، سخاوت

۳۱ عَضد: بازو، عَضد الدولہ: شاہی خطاب

۳۲ مدارُالمہام: وزیر اعظم

۳۳ مائدہ: دستر خوان جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ قرآن شریف کی ایک سورت

۳۴ ترپولیہ: فیض آباد میں تین بلند دروازے اس نام سے شجاع الدولہ نے بنوائے تھے جو آج بھی چوک فیض آباد میں موجود ہیں۔
تین بڑے در جو بازاروں میں اس طرح بنائے جاتے تھے کہ شاہی جلوس کے ہاتھی وغیرہ بآسانی نکل سکیں۔

۳۵ اِرتِفاع: اونچائی، بلندی

۳۶ ہَفت کِشوَر: ہفت اقلیم، دنیا کی سات بڑی سلطنتوں کا نام، جیسے چین، ترکستان، ہند، ایران، توران، روم، شام

۳۷ **شُجاع گڑھ:** شجاع الدولہ نے ایک قلعہ فیض آباد میں اس نام سے بنوایا تھا۔

۳۸ **حِصانت:** پائیداری، مضبوطی

۳۹ **زِیاد:** زیادہ کا مخفف

۴۰ **سما** آسمان، فلک

۴۱ **حَضیض:** گڈھا، پستی

۴۲ **شاہدِ رعنا:** بہت خوبصورت، حسین

۴۳ **حُلّی بند:** چاندی سونے کا زیور

۴۴ **اِعتِضادُ السّلاطین:** بادشاہوں کو قوت پہنچانے والا شاہی خطاب

۴۵(الف) **مَلاذُ المساکین:** مسکینوں کو پناہ دینے والا

۴۵(ب) **بدرالدجیٰ:** اندھیری رات کا چاند، اجالا پھیلانے والا

۴۶ **کہفُ الوَریٰ:** خلق کی پناہ گاہ

۴۷ **غَرہ:** غرور

۴۸ **ناصیہ:** پیشانی، ماتھا، جبین

۴۹ **شہامت:** بزرگی، بہادری

۵۰ **ہِزبَر:** ملک عرب اور براعظم افریقہ کا ایالدار شیر بَبر

۵۱ **ضَعیفُ البُنیان:** جس کی بنیاد کمزور ہو، عموماً انسان کے لیے بولا جاتا ہے۔

۵۲ **صَرّاف:** چاندی سونا پرکھنے والا

۵۳ **عبارت گُستَری:** عبارت آرائی

۵۴ **مَروارید:** موتی

۵۵ **سرپیچ** پگڑی، دستار، عمامہ

۵۶	جیغہ	ایک مرصع زیور کا نام جو پگڑی پر لگایا جاتا ہے۔
۵۷	فَعشَہ:	چمک، آفتاب کی روشنی
۵۸	مِداد:	روشنائی، دوات کی سیاہی
۵۹	خَردَل:	رائی
۶۰	بُرار:	باہر لانے والا
۶۱	فَکَیف:	پس، کیوں کر
۶۲	فرق	(سر) کی مانگ
۶۳	بَغار:	زخم، گھاؤ
۶۴	خَدنگ:	تیر
۶۵	سوُفار:	تیر کا وہ سراخ یا شگاف جو تیر کے گز میں جس طرف سے کمان رکھتے ہیں اس جانب ہوتا ہے اور اسی چلاتے وقت چلہ میں رکھ کر چھوڑتے ہیں، تیر کی چٹکی (فرہنگ آصفیہ)
۶۶	شناوری	تیراکی
۶۷	علم شنا	تیراکی کا فن
۶۸	ترس	ڈر، خوف
۶۹	بُرج اسد:	آسمان کا وہ حصہ جس میں چاند ستارے مل کر شیر کی شکل میں واقع ہیں۔
۷۰	تحت الثرا	پاتال
۷۱	کُمیَت	گہرا سرخ گھوڑا
۷۲	مِضمار:	میدان، وسیع میدان
۷۳	راکِب:	سوار
۷۴	کَجگ	ہاتھی کا آنکس

۷۵ فِیل بان: مہاوت، ہاتھی وان

۷۶ ماہِ نو: مہینے کا پہلا چاند

۷۷ جھول ہاتھی کی پیٹھ پر ڈالنے کا کپڑا

۷۸ جُبن: بزدلی

۷۹ مَوکب: مواکب۔ موکبہ کی جمع، سواروں کے لشکر (شاہی سواری کے ساتھ)

۸۰ کوکب: روشن تارہ

۸۱ فیر: (انگریزی fire) بندوق کو آگ دینا

۸۲ صلابت مضبوطی، استحکام

۸۳ رَعْد: بجلی کی کڑک

۸۴ مطبخ باورچی خانہ

۸۵ فَریدوں فَر: فارس کے ایک عظیم الشان بادشاہ کا نام، جو ضحاک کو قتل کر کے آپ بادشاہ ہوا تھا۔

۸۶ عدالت گستر: انصاف کرنے والا، منصف

۸۷ برآندۂ حاجات حاجت پوری کرنے والا

۸۸ اَشعہ: شعائیں، کرنیں، شعاع کی جمع

۸۹ شَوارِق: شارقہ کی جمع، روشن چیز، سورج کی روشنی

۹۰ بَوارِق: برق کی جمع بمعنی روشن چیز

۹۱ لَمعاں: چمکیلا، روشن

۹۲ بادِسموم: زہریلی ہوا، گرم ہوا

۹۳ ہَودج: اونٹ کا کجاوہ

۹۴ تتق پردہ

۹۵ سپہر: آسمان

۹۶ قران السعدین دو مبارک ستاروں کا ایک برج میں جمع ہونا، نیک شگون

۹۷ تمثال: پیکر، صورت

۹۸ ابرِ نیساں: شمسی مہینے نیساں میں برسنے والا بادل (جو کہ ستمبر کے مطابق ہوتا ہے)
نیساں ساتویں رومی مہینے کا نام ہے کہ آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے (یہ موسم بہار کے آغاز کا زمانہ ہوتا ہے)۔ اس مہینے میں جو پانی برستا ہے اس کو ابر نیساں یا آب نیساں کہتے ہیں۔ یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ اس کے قطروں سے سیپ میں موتی اور بانس میں بنسلوچن پیدا ہوتا ہے۔

۹۹ دِل بریاں: دل جلا، ناراض

۱۰۰ خویش رشتہ دار

۱۰۱ مُشتغل: مصروف

۱۰۲ تَخلّل: جھگڑا، نااتفاقی

۱۰۳ نیک سِگالان: نیک سگال کی جمع، خیر خواہ

۱۰۴ اَشہب: سیاہی مائل سپید رنگ کا گھوڑا، سبزہ (اردو لغت)

۱۰۵ جَولاں: دوڑ، کود پھاند

۱۰۶ خدیو شاہ مصر کا لقب تھا، بادشاہ، مالک

۱۰۷ کِیاست: دانائی

۱۰۸ اِستِصواب: مشورہ لینا، صلاح لینا

۱۰۹ (الف گزیدہ: منتخب، چنندہ

۱۰۹(ب)	توام:	جڑواں بچہ، جوڑواں
۱۱۰	تکلّیم:	چومنا، بوسہ لینا
۱۱۱	سریر	شاہی تخت
۱۱۲	نائرہ:	شعلہ، لپٹ
۱۱۳	تَصَدّق	صدقہ، خیرات
۱۱۴	سرنوشت	تقدیر
۱۱۵	قَریب الِا نقضاء:	مدت پوری ہونے کے قریب
۱۱۶	ذُوالخِرَد دان:	صاحبِ عقل وفہم
۱۱۷	گوئے سبقت	غالب آنا، بڑھ جانا
۱۱۸	فَسخ:	ارادہ منسوخ ہونا
۱۱۹	دوں ہمت	کم ہمت
۱۲۰	طَوف:	طواف کرنا، گرد پھرنا
۱۲۱	کافۂ رعایا:	سبھی لوگ
۱۲۲	رتق وفتق:	بست وکشاد
۱۲۳	بہجت:	مسرت، شادمانی
۱۲۴	خسرو:	مجازاً ہر ایک بادشاہ
۱۲۵	وَالاتَبار:	عالی خاندان
۱۲۶	محک:	کسوٹی، وہ سیاہ پتھر جس پر سونا چاندی پرکھا جاتا ہے۔
۱۲۷	طلائے ناب:	خالص سونا
۱۲۸	گلگونہ:	ایک قسم کے سرخ رنگ کا غازہ جو عورتیں اپنے چہرے پر ملا کرتی ہیں (ابٹن)
۱۲۹	سَحاب:	بادل

۱۳۰ گنبدِ دوار سپہر: مراد آسمان سے ہے۔
۱۳۱ صَفیر: پرندوں کی آواز
۱۳۲ نَفیر: شہنائی کی آواز کی طرح تیز آواز
۱۳۳ مراحم: مرحمت کی جمع، مہربانیاں
۱۳۴ رِفاہت: خوشی، آرام، تن آسانی
۱۳۵ خُجستہ: مبارک
۱۳۶ بسط: کشادگی
۱۳۷ اِستِسعاد: سعادت حاصل کرنا، نیکی چاہنا، برکت یا خوش بختی حاصل کرنا
۱۳۸ مُنقَضِی: گزرا ہوا، گزشتہ
۱۳۹ مَعہُود: عہد کیا گیا، پیمان کیا
۱۴۰ شب یمانی: پھٹکری
۱۴۱ لاہوت: سلوک کا وہ مقام جہاں فنا فی اللہ کا درجہ ہے۔
۱۴۲ اِستِکشاف: کسی چیز کے اظہار یا انکشاف کی خواہش، طلب وضاحت
۱۴۳ مَیمنت: مبارک
۱۴۴ سرگشتہ: حیران، بھٹکا ہوا
۱۴۵ بادیہ: جنگل
۱۴۶ فِتن: فتنہ کی جمع، آفت، بلا
۱۴۷ حِین حیات: دوران زندگی، زمانۂ جاہلیت، جیتے جی
۱۴۸ اِبتہاج: خوشی کی حالت، لطف اندوزی
۱۴۹ تیرہ بخت: بدقسمت
۱۵۰ شب یلدا: سخت تاریک رات

۱۵۱ محظوظ: حظ کی جمع، لطف

۱۵۲ خورسند رخرسند: خوش

۱۵۳ نَرد: چوسر کی گوٹ

۱۵۴ قُرص: ٹکیہ

۱۵۵ اُفتاں وخیزاں: گرتے پڑتے

۱۵۶ لوزیات: بادام کا حلوہ

۱۵۷ گَنجُد: بدشکل

۱۵۸ وَاہِبُ العَطَایا: بہت بخشنے والا

۱۵۹ مَطعُونی: رسوا، خوار، بدنام

۱۶۰ مَظنّہ: قیاس، گمان

۱۶۱ اِستِصلاح: صلاح لینا، مشورہ کرنا

۱۶۲ خجلت دہِ خطوط شعاعی: سورج کی کرنوں کو شرمانے والا

۱۶۳ مُنفک: جدا کیا گیا

۱۶۴ توڑا: تھیلی، اشرفیوں کی بھری تھیلی

۱۶۵ بے غایات: بے شمار

۱۶۶ پادررکاب: چلنے کو تیار، آمادہ

۱۶۷ بدرقہ: وہ شخص جو راہ میں مسافر کی حفاظت کرے

۱۶۸ مستحفظان محافظ

۱۶۹ چوبیں: لکڑی کا، لکڑی کا بنا

۱۷۰ بُرجِ حَمل: آسمان کے برجوں میں سے پہلا برج جس کی شکل مینڈھے کی سی ہوتی ہے۔ جس دن آفتاب اس برج میں آتا ہے، شرف آفتاب ہوتا ہے اور یہی نوروز مینڈھے کا دن ہے۔

۱۷۱	مسبب الاسباب:	سبب پیدا کرنے والا یعنی خدا
۱۷۲	فروغ	روشنی، چمک
۱۷۳	مِہر وَرزی:	دوستی، عاشقی
۱۷۴	شب زندہ دار:	رات بھر جاگنے والا، متقی، عابد
۱۷۵	ساحت:	احاطہ، میدان
۱۷۶	خُورجین:	وہ تھیلا جو گھوڑی کی پیٹھ پر ضروری اسباب وغیرہ کے واسطے باندھ دیتے ہیں، خرجی، خرجین
۱۷۷	مستفسر	پوچھنے والا، استفسار کرنے والا
۱۷۸	سُویدا:	وہ سیاہ نقطہ جو انسان کے دل پر رہتا ہے۔
۱۷۹	سیمیں:	چاندی جیسا
۱۸۰	گلبانگ:	خوش خبری
۱۸۱	بَسانِ گل:	پھول کی مانند
۱۸۲	علی الاطلاق:	بلاشرط
۱۸۳	خَدنگ:	تیر
۱۸۴	کلبۂ اَحزاں:	ماتم کدہ
۱۸۵	قُدوم میمنت لزوم:	ایسا آنا جس سے برکت ہو
۱۸۶	یرَاق:	اسباب، سامان
۱۸۷	مُرَخّص:	رخصت کیا گیا
۱۸۸	قاقُم:	نیولے کے خاندان کا سفید بالوں والا سنجاب کی قسم کا جانور، جس کی کھال پوستین بنانے کے کام آتی ہے۔ بہت گرم ہوتی ہے۔
۱۸۹	گُلعذار:	پھول جیسے رخساروں والا، خوبصورت

۱۹۰	غبغب:	ٹھوڑی کے نیچے کالٹکا ہوا گوشت
۱۹۱	اللہ معک:	اللہ تیرے ساتھ ہے
۱۹۲	بہ مقتضا	کے مطابق، کے رُو سے
۱۹۳	استرضا:	رضا مندی پوچھنا
۱۹۴	اثاث البیت:	اسباب خانہ داری، گھر کا سامان
۱۹۵	انتفاع:	منافع، آمدنی، محاصل
۱۹۶	تفقّد:	مہربانی، دلجوئی، توجہ، پرسش
۱۹۷	عہدہ برآ ہونا:	وعدہ وفا کرنا، اقرار پورا کرنا
۱۹۸	عطارد:	ایک ستارہ کا نام، دبیر فلک
۱۹۹	سیاہہ نویسی:	کچا کھاتہ
۲۰۰	پشت دوتا:	دُہری کمر، بس کی پیٹھ خمیدہ ہو
۲۰۱	پھینٹا:	سر سے باندھنے کا چھوٹا دوپٹہ، چھوٹی پگڑی، سر پیچ صافہ
۲۰۲	تورہ پوش:	بانس کی تیلیوں کا سرپوش، جو تورے کے خوانوں پر رکھتے ہیں۔ تورا، تورہ: مختلف کھانوں کا ایک خوان یا کئی خوان، جو امرا کے یہاں شادی وغیرہ کے موقعوں پر اقارب اور خاص احباب کے گھر بھیجے جاتے تھے۔ تورہ پوش بانس سے بنا ہوا وہ خوان پوش جس سے تورے کے خوان کو ڈھانکتے تھے۔ اس پر کارچوبی کام کا غلاف پڑا ہوتا تھا۔
۲۰۳	بالفعل:	اب، اس وقت
۲۰۴	اَگرہ:	گرہ نہ کھلنا۔
۲۰۵	بسانِ ہالہ:	ہالہ کی مانند

۲۰۶ مُودّت: پیار، محبت، خوشی

۲۰۷ جانبین: دونوں مقابل شخص

۲۰۸ پرچاوَنی: بہلانا، پھسلانا

۲۰۹ نَزاہت: بری باتوں سے دور رہنا، عیب سے پاک ہونا

۲۱۰ مقصر: قصور کرنے والا

۲۱۱ نوشانوش: پے در پے پینا

۲۱۲ رَخت: اسباب، سامان

۲۱۳ رُوب: جھاڑ پونچھ

۲۱۴ مُخدّرات: مخدر کی جمع، پردہ نشین عورتیں

۲۱۵ سَقف: چھت، شامیانہ

۲۱۶ بھنڈریا: جمع بھنڈریے، (ہندو) گرہن کے موقع پر اناج کی خیرات یادان لینے والے (اردو لغت)

۲۱۷ نپٹ: محض، بالکل، نرا، تمام، بہت، پوری طرح سے

۲۱۸ تنک: چھوٹا، ذرا سا

۲۱۹ اَولک: رشید حسن خان نے اس لفظ کے بارے میں لکھا ہے: اولک: اس لفظ کے قطعی معنی میں معلوم نہ کر سکا۔ بہ ظاہر بھگت کی طرح، ہولی کے کسی سوانگ یا گانے بجانے کے، ایسے ہی کسی جلسے کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ انتخاب سودا: تصحیح و ترتیب رشید حسن خاں مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۹۳ ص ۳۹۲

۲۲۰ مُغبچہ: خوب صورت لڑکا

۲۲۱ گلیم: کمبل، اونی کپڑا

۲۲۲ تاخت: تباہی، لوٹ

۲۲۳ مُخلّا: خالی کیا گیا، آزاد کیا گیا

۲۲۴ صُومَعہ دار: عیسائیوں کا راہب

۲۲۵ مَشاطہ: وہ عورت جو عورتوں کا بناؤ سنگار کرے/وہ عورت جو نسبت تلاش کرے اور شادی کرائے۔

۲۲۶ شَبُّو: ایک قسم کا سفید پھول جس میں بھینی بھینی خوشبو آتی ہے اور رات کی قریب کھلتا ہے۔

۲۲۷ بہ مجرد: (کسی بات کے) وقوع میں آتے ہی، فوراً

۲۲۸ تصدق ہونا: نچھاور ہونا

۲۲۹ مُلتَہِب: بھڑکا ہوا، بھڑکانے والا

۲۳۰ ناقہ: اونٹنی، سانڈنی

۲۳۱ بے خواب و خور/بے خورد و خواب: بے قرار، وہ جو کھائے نہ سوئے، بے چین، بے آرام

۲۳۲ فَصّاد: جراح

۲۳۳ اَکل و شُرب: کھانا پینا

۲۳۴ مَذبُوح: ذبح کیا ہوا

۲۳۵ مُنطَفِی: بجھنے والا

۲۳۶ پرسیاؤشان: ایک قسم کی گھاس، بالچھڑ (اردو لغت)

۲۳۷ ذَقن: ٹھوڑی، ٹھڈی

۲۳۸ حَجَرالیَہُود: ایک قسم کا پتھر جو زخموں کے بھرنے کے لیے مفید سمجھا جاتا ہے اور بطور دوا بھی استعمال کرتے ہیں۔

۲۳۹ فِندَق: ایک ولایتی میوہ نہایت سرخ اور جھاڑی کے بیر کے برابر ہوتا ہے

۲۴۰ سَقَنقور: ایک قسم کا رینگنے والا ریگستانی جانور

۲۴۱ ساق: پنڈلی، درخت کا کانٹا،

۲۴۲ مداومت: ہمیشگی، دوام

۲۴۳ الخاموشی نیم رضا: چپ رہنے میں بھی ایک طرح کی رضامندی پائی جاتی ہے۔

۲۴۴ سِر: بھید، راز

۲۴۵ مُعتذِر: عذر کرنے والا

۲۴۶ نفس الامر: درحقیقت، فی نفسہ

۲۴۷ مخطور: اندیشہ کیا گیا

۲۴۸ دُرریز: موتی بکھیرنے والا

۲۴۹ مِشکوۓ خلافت: امیروں اور بادشاہوں کا محل

۲۵۰ مُباعدت: دوری، مفارقت

۲۵۱ کلبہ: چھوٹا سا گھر، گوشہ

۲۵۲ تیرہ روز: بدقسمت

۲۵۳ تگاپو: تگ ودو، دوڑ دھوپ

۲۵۴ قضایا: اتفاقاً

۲۵۵ ورق الخیال: بھنگ

۲۵۶ مُستَمِرہ: استوار، رواں، دائم، پیوستہ، ہمیشہ، دائمی

۲۵۷ ہزل واستہزاء: مذاق اڑانا، بیہودہ گوئی

۲۵۸ تفحص: تلاش، جستجو

۲۵۹ کِسوت: لباس

۲۶۰ مُجوِّز: رائے دینے والا

۲۶۱ بروفق مقصود: حسب مراد

۲۶۲ مایحتاج: وہ شئے جس کی طرف انسان کو حاجت پڑتی ہے، ضروریات

۲۶۳ چاردانگ: تمام دنیا

۲۶۴ بادۂ نوم: خواب آور شراب

۲۶۵ قلّابہ: حلقہ، کنڈا، کڑی

۲۶۶ خان ومان: گھر کا مال واسباب

۲۶۷ طرفۃ العین: ذرا سی دیر میں، پلک جھپکتے ہی

۲۶۸ تقصیروار: قصوروار

۲۶۹ آستانۂ دولت: چوکھٹ

۲۷۰ جگ نہ پھوٹے: اصل میں جگ پھوٹنا یا جگ ٹوٹنا ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں: چوسر میں دو گوٹوں کا جدا ہونا، پھوٹ پڑ جانا، نااتفاقی ہو جانا۔

۲۷۱ مُشَخَّص: تجویز کیا گیا، تشخیص کیا ہوا

۲۷۲ تدَرو: چکور کی طرح ایک نہایت خوب صورت اور خوش رفتار پرندہ جو ایران کے جنگل میں پایا جاتا ہے۔

۲۷۳ کارپردازان: کارندے، کام کرنے والے

۲۷۴ بینجنی: سیاہ مائل بہ سرخی بینگن کے رنگ

۲۷۵ گلابی: شراب کا پیالہ

۲۷۶ ڈول: ڈھنگ، طریقہ

۲۷۷ مُرَوَّق: صاف کیا ہوا، خالص

۲۷۸ سلسلۂ جنباں: بات نکالنے والا

۲۷۹ تقاطُر: بوندا باندی

۲۸۰ شقائق: گل لالہ۔ اس کا مفرد بھی اور جمع بھی یہی ہے۔ کبھی مجازاً مطلقاً پھولوں کے لیے بھی آتا ہے۔

۲۸۱ وصلچہ: ٹکڑا، پارہ

۲۸۲ ارژنگ: چین کے مشہور مصور مانی کی شاہکار تصاویر کا مرقع

۲۸۳ آئینۂ حلبی: ملک شام کے مشہور شہر حلب کے بنے ہوئے آئینے جو پرانے زمانے میں بہت مشہور تھے اور اعلیٰ درجے کے مانے جاتے تھے۔

۲۸۴ بُستانِ اِرم: ارم کا باغ، بستان۔ بوستاں کا مخفف، باغ، مجازاً باغ بہشت۔ ارم: عرب کے شہر عدن میں شداد (نسل عاد) کی بنوائی ہوئی جنت (جسے اس نے نہایت عالی شان، خوب صورت، آرام دہ عمارتوں اور دلکش و رنگین باغات وغیرہ سے آراستہ کیا تھا اور اس کی نظر میں یہ خدا تعالیٰ کی جنت کا جواب تھا۔

۲۸۵ گھونگھچی: اسے بھوچپنی بھی کہتے ہیں، ایک طرح کا پھول دار درخت ہے، از قسم چنار

۲۸۶ ریاحین: ریحان کی جمع، خوشبودار گھاس

۲۸۷ ہوائی: ایک قسم کی آتش بازی

۲۸۸ غُرِش: ناراض ہونا، غرانا

۲۸۹ صُم بکم: گونگا، بہرا، خاموش

۲۹۰ نَوشہ: دولہا

۲۹۱ مُقیش: سونے چاندی کے تار، زری، بادلہ

۲۹۲ کُسُوف: سورج گرہن

۲۹۳ مُغَّص: مکدر، رنجیدہ

۲۹۴ زاغ: کوا

۲۹۵ نفس اَمّارہ: انسان کی وہ خواہش جو برائی کی طرف مائل کرے

۲۹۶ حلقوم: گلا، ٹینٹوا،

۲۹۷ رنڈی: عورت

۲۹۸ عِشوہ سازی: نازمعشوقانہ

۲۹۹ چبلاّ: شرارتی

۳۰۰ کنیزک: کنیز کی تصغیر

۳۰۱ دھتورا: ایک طرح کا پودا، جس کا بیج نشہ آور ہوتا ہے

۳۰۲ مکروتزویر: مکر، فریب

۳۰۳ دُزد: چور

۳۰۴ اَرغواں: مہین شاخوں اور سرخ بنفشی پھولوں کا ایک ایرانی پودے کا پھول (اردو لغت)

۳۰۵ مَرنج مَرنجاں: نہ کسی کو رنجیدہ کرو نہ خود رنجیدہ ہو۔

۳۰۶ حَبلُ المتین: مضبوط رسی، محکم وسیلہ، مجازاً قرآن شریف

۳۰۷ رُقعہ: وہ رقعہ جو بادشاہ اپنے امراء کو کسی ضروری امر کے لیے لکھے۔ خط

۳۰۸ بجِد: اصرار کرنا

۳۰۹ مَقرُون: نزدیک کیا ہوا، ملایا ہوا، پاس، قریب

۳۱۰ ایّامِ سَلف: گزرے ہوئے دن

۳۱۱ مُعاوَدَت: لوٹ آنا، واپسی

۳۱۲ مجوبی: حجاب کیا ہوا، پوشیدہ

۳۱۳	کِلک:	نیزہ جس کا قلم بناتے ہیں۔
۳۱۴	سیہ بخت:	بد بخت
۳۱۵	مافات:	جو گزر گیا
۳۱۶	عَطوفت:	مہربانی، عنایت، شفقت
۳۱۷	صغر سن:	کم عمری
۳۱۸	فِراسِ سپہر:	آسمان
۳۱۹	اَسپک:	بڑا خیمہ، ڈیرا، خرگاہ۔
۳۲۰	اِستادہ:	کھڑا ہوا
۳۲۱	تقَید:	تنبیہ، تاکید
۳۲۲	کمیں دار:	گھات لگانے والے
۳۲۳	قِلماق:	پہرے دار
۳۲۴	گوئے:	گیند
۳۲۵	سَوابق:	سابقہ کی جمع، گزشتہ زمانے کے
۳۲۶	گزلک:	تیز چھری
۳۲۷	اِغماض:	درگزر، چشم پوشی
۳۲۸	باد پا:	ہوا کی طرح تیز چلنے والا، کنایۃً گھوڑا
۳۲۹	گلگوں:	گلاب کی طرح
۳۳۰	صَنع:	کاری گری
۳۳۱	عِناں:	لگام، باگ ڈور
۳۳۲	باج:	خراج، محصول، مالگذاری
۳۳۳	شَب دیز:	سیاہ رنگ کا گھوڑا، مشکی گھوڑا
۳۳۴	شب رنگ:	سیاہ رنگ کا گھوڑا، تاریک سیاہ

۳۳۵ کُمَیت: سیاہی مائل سرخ رنگ کا گھوڑا
۳۳۶ مَسامع: مسمع کی جمع جس کے معنی کان کے ہیں۔
۳۳۷ دِہ: گہرا پانی
۳۳۸ سپہر بے مہر: بے رحم آسمان
۳۳۹ اَفعی: ایک قسم کا زہریلا سانپ
۳۴۰ گزند: صدمہ، تکلیف
۳۴۱ نُقل: شراب کے اوپر کھانے کی چیز، مثل کباب، میوہ، گزک وغیرہ
۳۴۲ خوبوں: معشوقوں
۳۴۳ تلوّن: رنگ بدلنا
۳۴۴ زَہرہ: ایک سیارہ کا نام، زہرہ آب ہونا ایک محاورہ بھی ہے جس کے معنی حوصلہ پست ہونا یا رعب اور خوف طاری ہونا کے ہوتے ہیں۔
۳۴۵ خارِ مُغیلاں: ببول کے کانٹے
۳۴۶ سَرِشک: آنسو
۳۴۷ ریزش: زکام، نزلہ، ناک بہنا، جھڑنا
۳۴۸ اِستیلا: غلبہ، غالب ہونا، تسلط
۳۴۹ مَفتون: عاشق
۳۵۰ قلّۂ کوہ: پہاڑ کی چوٹی
۳۵۱ مَرز بوم: پیدائش کی جگہ
۳۵۲ فتح الباب: آغاز، ابتدا
۳۵۳ شبِ دیجور: اندھیری رات
۳۵۴ کُلبۂ احزاں: غموں کا گھر، ماتم کدہ

۳۵۵ اِصغا: غور سے سننا، کان لگا کر سننا

۳۵۶ اِستماع: غور سے سننا

۳۵۷ شیوَن: شیون (غم، نوحہ)

۳۵۸ شہریاری: بادشاہت

۳۵۹ اَتالیقان: اتالیق کی جمع، استاد

۳۶۰ کِشور کُشا: بادشاہ

۳۶۱ فروگذاشت: بھول، خطا

۳۶۲ مَعاش: زندگی گزارنے کے لیے آمدنی کا ذریعہ

۳۶۳ تمتّع: فائدہ اٹھانا، نفع حاصل کرنا

۳۶۴ فِطنت: زیرکی، دانائی، عقلمندی

۳۶۵ مُنازعت: جھگڑا، بحث

۳۶۶ کرم جبلّی: فطری سخاوت

۳۶۷ مُستواری: پوشیدہ ہونے والا، چھپنے والا

۳۶۸ اِذنِ عام: عام اجازت، اعلان

۳۶۹ ہیزم کشی: سوکھی لکڑی یا جلانے کی لکڑی بیچنے کا کام

۳۷۰ واژوں: اوندھا، منحوس

۳۷۱ وَرطہ: ہلاکت کا مقام، جان جوکھوں کی جگہ

۳۷۲ مُل: شراب، مے، بادہ

۳۷۳ دُوں ہمتی: کم ہمتی

۳۷۴ مگس: شہد کی مکھی

۳۷۵ مُخیّر: فیاض

۳۷۶ زَجر و توبیخ: ڈانٹ ڈپٹ، لعنت ملامت

۳۷۷ خارِص: حارص: حریص، لالچی

۳۷۸ پاپوش کاری: جوتیاں پڑنا

۳۷۹ تونبی: اندر سے خالی اور خشک کیا ہوا کدو جو مختلف چیزوں کے رکھنے کے کام آتا ہے، عموماً فقرا اس کے چھاگل یا کشکول بنالیتے ہیں۔ (اردو لغت)

۳۸۰ گلاونت: مغنّی، گویا

۳۸۱ بدھاوا: خوشی کی تقریب کا شادیانہ، باجا گاجا (اردو لغت)

۳۸۲ تونبا: ایک قسم کا کدوئے تلخ جس کو اندر سے خالی کر کے فقیر کشکول بناتے ہیں۔

۳۸۳ جود: سخاوت، کرم

۳۸۴ جلیس: ساتھی

۳۸۵ نُجَبا: نجیب کی جمع، شریف لوگ، خاندانی لوگ

۳۸۶ واہب: بخشنے والا

۳۸۷ بَذل ونَوال: بذل (انعام)، نوال (مہربانی)، انعام واکرام

۳۸۸ عُلوہمتی: بلند ہمت

۳۸۹ مدارکار: کام کا انحصار، موقوف الیہ

۳۹۰ فُتُوّت: سخاوت، مروت، مردانگی، جواں مردی

۳۹۱ لُجّہ: دریا، ندی

۳۹۲ اِنقیاد: اطاعت، فرماں برداری

۳۹۳ حق پژوہ: سچ کا طالب

۳۹۴ غاشیہ: ڈھانکنے والی چیز، قیمتی فرش، پردہ، زین پوش

۳۹۵ تدقیق: غور وفکر کرنا

۳۹۶ سُفرہ: دسترخوان
۳۹۷ ثمش: دودھ کے جھاگ جن میں مصری ڈال کر کھاتے ہیں۔
۳۹۸ فغفوری: چین کے بنے ہوئے (برتن)
۳۹۹ بلّوری: بلور کی بنی ہوئی۔ بلور بمعنی ایک چمک دار معدنی جوہر کا
نام، صاف شفاف
۴۰۰ ناظورہ: نظر سے گزرا ہوا
۴۰۱ حصیر: بوریا، چٹائی
۴۰۲ حَریر: ریشمی کپڑا
۴۰۳ دَلق: گدڑی، پشمینے کا لباس جو درویش پہنتے ہیں
۴۰۴ خوشتر: بہت اچھا
۴۰۵ مُکابرہ: شیخی مارنا، بڑائی جتانا
۴۰۶ مُلَمّع: روشن کیا گیا
۴۰۷ اَحیاناً: اتفاقاً۔ بھولے سے
۴۰۸ دارُالمعمور: آباد گھر
۴۰۹ رَخوت: رخت کی جمع، بمعنی اسباب، سامان
۴۱۰ لآلی: لولو کی جمع بمعنی موتی، مروارید
۴۱۱ مَوفور: بکثرت، زیادہ
۴۱۲ اَوضاع: وضع کی جمع، ڈھنگ، طریقے، افعال و کردار
۴۱۳ مَذلّت: رسوائی، بدنامی
۴۱۴ مقرون: قریب، نزدیک
۴۱۵ مُشارٌ الیہ: جس کی طرف اشارہ کیا جائے۔
۴۱۶ تعہُّد: وعدہ، عہد نامہ

۴۱۷ سَریع السیر: جلد سفر کرنے والا

۴۱۸ مِینو مُشاکل: بہشت کے مانند

۴۱۹ پدیدار: واضح، روشن

۴۲۰ گیواں: ستارہ زحل، جو ساتویں آسمان پر ہے۔ مجازاً ساتواں آسمان

۴۲۱ ہرزہ گردی: آوارہ گردی

۴۲۲ جلو: باگ، لگام

۴۲۳ تَمَلُّق: چاپلوسی، خوشامد

۴۲۴ مُواصَلت: مباشرت

۴۲۵ عقدہ مالا ینحل: وہ پیچیدہ مسئلہ جو حل نہ ہو

۴۲۶ استماع: سننا

۴۲۷ صَبیح: گورا، خوبصورت

۴۲۸ لُعبَت: لعبتان لعبت کی جمع ہے جس کے معنی کھلونا، کھیلنے کی چیز کے ہوتے ہیں، اور اس کپڑے کی گڑیا کو کہتے ہیں جس سے لڑکیاں کھیلتی ہیں۔

۴۲۹ لحن داؤدی: حضرت داؤدؑ کی آواز جو سریلے پن کی وجہ سے مشہور ہے، سریلی آواز

۴۳۰ کوئے وبرزن: گلی، کوچے

۴۳۱ مطبوع: پسندیدہ

۴۳۲ صندلی: کرسی

۴۳۳ مَرجَع: جائے رجوع، لوٹنے کی جگہ۔ امیدوں اور خواہشوں کی جائے پناہ

۴۳۴ اَمل: امید، جمع آمال

۴۳۵ اَمانی: آرزو، امید

۴۳۶ پَرنیاں: ایک قسم کا پھول دار ریشمی کپڑا، دیبا

۴۳۷ سَمور: ایک پشم والا برفانی جانور۔ سامنے

۴۳۸ سَنجاب: چوہے سے ذرا بڑا جانور جس کی ملائم پشم دار کھال کی پوستین بناتے ہیں۔

۴۳۹ چوگھڑا: چار خانوں کا سونی یا چاندی خواہ تانبے وغیرہ کا بکس

۴۴۰ چنگیز: پھولوں کی ٹوکری

۴۴۱ چلمچی: ہاتھ منہ دھونے کا برتن، طشت

۴۴۲ آفتابہ: ایک قسم کا دستہ دار لوٹا، اس میں گرم پانی لے کر ہاتھ منہ دھوتے یا دھلاتے ہیں۔

۴۴۳ مَرعی: رعایت کیا گیا۔ عائد کیا گیا

۴۴۴ مآثر: اچھے آثار، نشانیاں

۴۴۵ ماثورہ: مقرر، متعین

۴۴۶ لمعاں: روشن

۴۴۷ پرّاں: اڑنے والا

۴۴۸ مَنصّہ: کسی چیز کے ظاہر ہونے کی جگہ

۴۴۹ متواصل: ملا ہوا۔ آپس میں

۴۵۰ مُستوجب: واجب کرنے والا، سزاوار

۴۵۱ مار: سانپ

۴۵۲ چوب: لکڑی

۴۵۳ گُرسنہ: بھوکا

۴۵۴ گمنول: گمنامی

۴۵۵ خسرواں مآل: شاہانہ صفات

۴۵۶ مصئون: محفوظ

۴۵۷ کجکول: کشکول

۴۵۸ اَندک: کم، ذرا، تھوڑا

۴۵۹ دل ریش: رنجیدہ، غمزدہ، عاشق

۴۶۰ تَفَقُّد: مہربانی، دل جوئی

۴۶۱ اِجابت: جواب دینا، مقبولیت

۴۶۲ تاش: ایک قسم کا زری کا کپڑا جس کا تانا ریشم کا اور بانا بادلہ کا ہوتا ہے۔

۴۶۳ زنجیر: جب فیل کا لفظ لکھتے ہیں تو اس کے ساتھ تعداد ظاہر کرنے کے لئے ایک زنجیر یا دو زنجیر فیل لکھا کرتے ہیں۔

۴۶۴ راس: وہ لفظ جو مویشی کی تعداد ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے دو راس اسپ وغیرہ

۴۶۵ طایفہ خدمہ: خاموں کی جماعت

۴۶۶ اِزدیاد: زیادہ ہونا، بڑھنا

۴۶۷ خاصہ: بادشاہوں یا امیروں کا کھانا

۴۶۸ خِسّت: کنجوسی، بخل

۴۶۹ کُرَبت: غم و اندوہ

۴۷۰ مُعتَصِم: بھروسہ رکھنے والا، خدا کا بندہ

۴۷۱ سَکَنہ: مکان، باشندے

۴۷۲ مُنقضی: گزشتہ، گزرا ہوا

۴۷۳ شہامت: عزت و عظمت

۴۷۴ سَلخ: قمری مہینہ کا آخری دن

۴۷۵ غَرّہ: گھمنڈ

۴۷۶ بِرشتہ: بھونا ہوا

۴۷۷ نَیستان: وہ جنگل جہاں سرکنڈے کے درخت بکثرت ہوں۔

۴۷۸ پیلِ دماں: طاقت ور ہاتھی

۴۷۹ تسمہ: چمڑے کا پتلا، کم چوڑا اور لمبا ٹکڑا جوتے کا فیتہ

۴۸۰ مُعتَرِض: روکنے والا، اعتراض کرنے والا

۴۸۱ فَرسَخ: تین میل کا فاصلہ

۴۸۲ اجل گرفتہ: وہ شخص جس کی موت آئی ہو، موت کے پھندے میں پھنسا ہوا

۴۸۳ جلا دادہ: چمکایا ہوا، صیقل

۴۸۴ حَلاّق: دُرّے مارنا، لاٹھی

۴۸۵ رَمّالان: رمّال کی جمع (نام ایک علم کا جس سے احوال گذشتہ اور آیندہ بشرط کامل ہونے کے معلوم ہوجاتا ہے۔) نجومی، رمّال

۴۸۶ بلند اقبال: خوش قسمت

۴۸۷ مُعتَکِفان: معتکف کی جمع، اعتکاف کرنے والا

۴۸۸ مَناط: مقصد، بنیاد

۴۸۹ اہلِ تنجیم: نجومی

۴۹۰ نَمد پارہ: اونی کپڑا، نمد پوش

۴۹۱ مُکلّل: جڑاؤ

۴۹۲ خدیو: خداوند، مصر کے بادشاہ کا لقب

۴۹۳ مِنوال: دستور، طریق، ڈھنگ

۴۹۴ دیہیم: تاج شاہی

۴۹۵	مَسکون:	آباد
۴۹۶	ہامون:	میدان، جنگل
۴۹۷	دَنگ ودُوال:	شان وشوکت، جاہ وجلال، شان وشوکت کا سامان
۴۹۸	بےزَغن وزاغ:	بغیر پرندوں کے
۴۹۹	بُرُوت:	مونچھ
۵۰۰	نَخود:	چنا
۵۰۱	مَجانین:	مجنون کی جمع، پاگل
۵۰۲	زَنبور:	لوہے کا بنا ہوا سنسی کی طرح کا ایک اوزار
۵۰۳	تسخیر:	جن یا پری کو قید کرنا، حاضرات
۵۰۴	اَربَعین:	چلہ، چالیس دن
۵۰۵	سُتُرگ:	بڑا، بزرگ، عظیم
۵۰۶	واثِق:	پختہ، مستقل، بھروسہ کرنے والا
۵۰۷	مُخَمَّر:	خمیر اٹھایا گیا
۵۰۸	عفریت:	دیو، بھوت پریت
۵۰۹	قِلادَہ:	گلوبند
۵۱۰	جَلاجِل:	جُلجل کی جمع، جھانجھ یا تال جو دونوں ہاتھوں میں ایک ایک لے کر بجاتے ہیں، دف
۵۱۱	جُل:	ہاتھی، گھوڑے وغیرہ حیوانات پر ڈالنے کا کپڑا، جھول
۵۱۲	یکہ تاز:	بہادر
۵۱۳	قُربان:	فارسی محاورے میں کمان دان کے معنی میں ہے اور ایک چمڑے کا تسمہ ترکش میں سلا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ترکش کو گردن میں لٹکا لیتے ہیں اور اسی تسمہ میں کمان کو بھی لٹکا لیتے ہیں۔

۵۱۴ زِہ: کمان کا چلّہ

۵۱۵ صُفّہ: مکان کے آگے کی ڈیوڑھی، چبوترہ

۵۱۶ شکل وصور: شکل وصورتیں

۵۱۷ اِلحاح: گڑگڑانا، گریہ وزاری

۵۱۸ فُندُق: فُندُق ایک مشہور میوہ ہے جو سرخ رنگ کا بیر کے برابر ہوتا ہے، شاعر لوگ کبھی اس سے معشوق کے ہونٹ کو تشبیہ دیتے ہیں اور کبھی مہندی سے رنگین انگلیوں کے سروں کو۔

۵۱۹ مساس: چھونا، ہاتھ پھیرنا

۵۲۰ مشغوف: دلچسپی لینے والا

۵۲۱ فرو ہشتہ: ہٹایا ہوا

۵۲۲ مجامع: مجمع کی جمع

۵۲۳ اورنگ: شاہی تخت

۵۲۴ اَقمِشہ: یہ لفظ اصلاً اَقمِشہ ہے جو قماش کی جمع ہے جس کے معنی سازوسامان، جوہر، مال ومتاع کے ہوتے ہیں۔

۵۲۵ دیروز: گذرا ہوا کل

۵۲۶ دِلمیان: تھیلی، بٹوا، وہ تھیلی جس میں خط رکھ کر بھیجا جاتا ہے۔

۵۲۷ ہِزبر رہزبر: شیر

۵۲۸ یَل: بہادر

۵۲۹ تَبَختُر: ناز سے چلنا

۵۳۰ تَہَمتَن: دلاور، لقب مشہور رستم پہلوان

۵۳۱ بَرجا: ٹھیک، صحیح

۵۳۲ تحسّر: حسرت، غم

۵۳۳ کبکاں: کبک کی جمع بمعنی چکور
۵۳۴ خریطہ: تھیلی
۵۳۵ سرایرِ عشق: عشق کے بھید
۵۳۶ اِلتیام: میل جول، میل ملاپ، اتحاد
۵۳۷ سرہنگ: فوج کا سردار، بہادر
۵۳۸ وُحوش: وحشی کی جمع، جنگلی جانور
۵۳۹ اَشباح: اجسام، اشخاص، متعدد قالب یا کالبد
۵۴۰ کان: کھان
۵۴۱ اُبہت: شان وشوکت، بڑائی، بزرگی
۵۴۲ اِرث: میراث، ترکہ
۵۴۳ آہیختہ: کھینچا ہوا
۵۴۴ سمات: نشانات
۵۴۵ شیرژیان: غضب ناک، بہادر آدمی
۵۴۶ زِرہ : باریک کڑیوں کا چھوٹی آستین کا فولادی لباس، جسے جنگ کے وقت جسم کی حفاظت کے طور پر پہنا جاتا ہے۔
۵۴۷ تخالف: مخالفت
۵۴۸ تباعد: دوری، جدائی، علیحدگی، ایک دوسرے سے دور رہنے کی حالت وکیفیت (اردو لغت)
۵۴۹ نافِر: نفرت کرنے والا
۵۵۰ سَحاب: بادل
۵۵۱ تراکم: انبار
۵۵۲ کوکا: دودھ شریک بھائی

۵۵۳ مُثمن: آٹھ پہلو

۵۵۴ غُنج ودَلال: ناز، نخرا، معشوقانہ ادا، کرشمہ

۵۵۵ اَدہم: ابراہیم ادہم: ایک مشہور صوفی فقیر جو ادہم (بن منصور بن یزید) کے بیٹے تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ ابتدأً بلخ کے بادشاہ تھے، خواب میں کسی آسمانی بشارت پر فقیری اختیار کی اور تلاش حق میں نکل کھڑے ہوے۔ حلقۂ صوفیہ وفقرا میں داخل ہونے کے بعد شام میں سکونت اختیار کی، محنت مزدوری ذریعہ معاش تھا۔ یونان کے خلاف جہاد کرتے ہوئے ۷۸۴ھ میں شہادت پائی (اردو لغت تاریخی اصول پر) کراچی

۵۵۶ آرے بلے (کرنا): محاورہ، ہاں ہاں کرنا، ٹالنا

۵۵۷ تحت الارض: زمین کے نیچے

۵۵۸ عَسس: کوتوال

۵۵۹ دَلالہ: کٹنی، شاطر

۵۶۰ طیران: اڑان

۵۶۱ دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا: کسر نہ چھوڑنا، سخت کوشش کرنا پرواز

۵۶۲ (الف) عاطل: بےکار

۵۶۲ (ب) سالماً وغانماً وہ حالت کہ جس میں سلامتی کے ساتھ مال غنیمت لادے۔

۵۶۳ نشأتین: دنیا اور عقبی

۵۶۴ مادِیان: گھوڑی

۵۶۵ گُرگ: بھیڑیا

۵۶۶ رمہ: بھیڑ، فوج، جماعت، جھنڈ

۵۶۷ علف: گھاس، چارہ

۵۶۸ دارُالبوار: ہلاکت اور تباہی کی جگہ، دوزخ

۵۶۹ قباب: قبہ کی جمع، ٹیلے

۵۷۰ شاگرد پیشہ: نوکر چاکر، خدمت گار

۵۷۱ کُرّہ: گھوڑے، اونٹ، گدھے، خچر وغیرہ کا بچہ۔

۵۷۲ اِستخلاص: (کسی قید یا پابندی سے) نجات، آزادی، جان چھڑانا

۵۷۳ کسکچوں: کسکچی کی جمع = بمعنی دربان

۵۷۴ مغتنمات: مغتنم کی جمع، نعمت غیر مترقبہ

۵۷۵ مترصِد: امیدوار

۵۷۶ مثقال: ساڑھے چار ماشہ وزن، سونے کا ایک سکہ جو عرب میں رائج ہے۔

۵۷۷ خیلے: بہت زیادہ

۵۷۸ عذب: شیریں، عذب البیان: شیریں کلام

۵۷۹ آیندوروند: آنے جانے والا، مسافر

۵۸۰ لاف: شیخی، خودستائی

۵۸۱ تلہف: (کسی نقصان وغیرہ پر) افسوس، رنج

۵۸۲ فرزانہ: عقلمند، دانا

۵۸۳ صید: ہم پیشہ اور ہم کار، آدمیوں کی باہمی ضد اور لڑائی

۵۸۴ ٹھٹھ: ہنسی مذاق، دل لگی

۵۸۵ تاکید اکید: سخت حکم، بہت زیادہ تاکید

۵۸۶ چنور: بالوں کا گچھا جس سے مکھیاں اڑاتے ہیں، مگس راں، مورچھل

۵۸۷ مگس رانی: مکھیاں اڑانے کی خدمت، چنور برداری

۵۸۸ ہموم: ہم کی جمع بمعنی غم

۵۸۹ طیاری: تیاری
۵۹۰ بلخ: ایران کا قدیم مشہور شہر
۵۹۱ فرودگاہ: اترنے کی جگہ، قیام گاہ
۵۹۲ اَحمال واثقال: حمل وثقل کی جمع، بوجھ اٹھانا، بوجھ، وزن
۵۹۳ گرسنگی: بھوک
۵۹۴ اَعیان: آنکھیں، سرکردہ لوگ
۵۹۵ بندیوان: بندی بمعنی قیدی
۵۹۶ ریسمان: رسی، ڈوری
۵۹۷ تومان: دس ہزار دینار (اردو لغت)
۵۹۸ پگاہ: سحر، صبح، تڑکا
۵۹۹ پیرزال: بوڑھی عورت، بڑھیا،
۶۰۰ ظرف سفالی: مٹی کے برتن
۶۰۱ جزع وفزع: رونا پیٹنا، گریہ وزاری
۶۰۲ دایہ: خادمہ
۶۰۳ سلسبیل: بہشت کی ایک نہر
۶۰۴ بنا گوش: کان کی لو
۶۰۵ پارچہ پوشیدنی: لباس
۶۰۶ خدع: فریب کرنا، دغا کرنا
۶۰۷ خواص: بڑے لوگ، خاص لوگ
۶۰۸ شلک: بندوقوں یا توپوں کی باڑ جو سلامی کے واسطے چھوڑی جائے
۶۰۹ بندر: ساحلی منڈی (اردو لغت)
۶۱۰ طرق وشوارع: گلیاں، سڑکیں، راستے

۶۱۱ جزایر و بنادر: جزیرہ کی جمع جزائر بمعنی ٹاپو، بندر کی جمع بنادر بمعنی ساحلی منڈی

۶۱۲ کنیزکیں: کنیزک، بمعنی کنیز کی جمع

۶۱۳ نواحِ دیگ: ہانڈی کا کنارہ

۶۱۴ کنیزک کنیز

۶۱۵ سیخچہ: لوہے کی چھوٹی چھوٹی سلاخیں جن پر کباب بنائے جاتے ہیں۔

۶۱۶ یک صدو ہجدہ: ایک سو اٹھارہ، ہجدہ کی اصل املا ہیودہ ہے جس کے معنی اٹھارہ کے ہوتے ہیں

۶۱۷ عتبہ: آستانہ، درگاہ

۶۱۸ آرے: کلمۂ ایجاب، بے شک، ہاں

۶۱۹ مَردَک: مرد کی تصغیر، حقیر آدمی، ٹھگنا، کلمۂ حقارت جو گالی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۶۲۰ سنگ سیاہ/سنگ سار: ایک قسم کی سزا کہ آدمی کو کمر تک زمین میں گاڑ کے اس قدر پتھر مارتے ہیں کہ وہ مرجاتا ہے۔

۶۲۱ پنڈواں: پنڈا بمعنی پجاری، پوجاپاٹ کرنے والا

۶۲۲ کنشتیاں: کنشت بمعنی آتش کدہ، بت خانہ، یہود ونصاریٰ کا عبادت خانہ

۶۲۳ زنّار: جنیو

۶۲۴ دُہل: ڈھول، نقارہ

۶۲۵ کوس: نقارہ کلاں

۶۲۶ سُرنا: نفیری، مشہور باجہ، یہ سورنا کا مخفف ہے، سر کے معنی

۶۲۷ کرنا: شہنائی، بگل، نرسنگا، قرنا

۶۲۸ سُم: گھوڑے یا کسی جانور کا کھر

۶۲۹ اِنفصال: جدا ہونا

۶۳۰ نُدَماء: ندما = ندیم کی جمع بمعنی مصاحب

۶۳۱ مسلوک: جاری کیا گیا، احسان کیا ہوا، جس کے نقش قدم پر چلا جائے

۶۳۲ انبار کاہ: گھاس کا ڈھیر

۶۳۳ نخودِ بریاں: بھنا ہوا چنا

۶۳۴ مشت نخود: ایک مٹھی چنا

۶۳۵ آرد سائیدہ: پسا ہوا آٹا

۶۳۶ آرَد نخود: چنے کا آٹا، بیسن

۶۳۷ سَواد: شہر کے قریب کا علاقہ

۶۳۸ زادِ راحلہ: راستے کی سواری کا جانور، دوران سفر کا سامان

۶۳۹ بیل و غربال: کدال اور چھلنی

۶۴۰ توبڑا: تھیلا، عموماً وہ تھیلا جو شکاری یا پھیری لگانے والوں کے
ساتھ رہتا ہے (اردو لغت)

۶۴۱ زَواہر: زاہرہ کی جمع بمعنی روشن، بلند، کھلا ہوا پھول

۶۴۲ بَیع و شرا: خرید و فروخت

۶۴۳ آلت: عضو تناسل

۶۴۴ کَتخُدا: شادی شدہ

۶۴۵ پانزدہ سالہ: پندرہ سالہ

۶۴۶ مودی: اناج کا سوداگر، بنیا

۶۴۷ مُغرَق: ڈوبا ہوا

۶۴۸ آمود: (جزو اول سے مل کر) 'بھرا ہوا' کے معنی میں مستعمل جیسے کرامت آلود

۶۴۹ چتر: زرکار شاہی چھتری

۶۵۰ جُفت کرنا: بیاہنا، شادی کرنا

۶۵۱ جَوف: کسی چیز کا کھوکھلا حصہ

۶۵۲ اَکناف: کنف کی جمع، اطراف، کنارے، سمتیں

۶۵۳ خورم: خرم بمعنی خوش، شاد،

۶۵۴ عَشائر: عشیرہ کی جمع خاندان، گروہ

۶۵۵ بید خواناں: بید خواں، وید کی تلاوت کرنے والا پنڈت

۶۵۶ ہم خوابہ: ایک بستر پر سونے والا

۶۵۷ قَراول: شکار کھلانے والا امیرِ شکار، شکاری جانوروں کی خبر دینے والا

۶۵۸ قورخانہ: اسلحہ خانہ، وہ جگہ جہاں ہتھیار رکھتے ہیں۔

۶۵۹ نامَرعی: نہ لحاظ کیا ہوا یا مروت نہ کرنا

۶۶۰ عمو: چچا

۶۶۱ تلطّف: لطف و مہربانی

۶۶۲ سَیلی: جالی، پیٹ اور سینے پر بالوں کی سیدھی لکیر، چانٹا، تھپڑ

۶۶۳ نَردبان: زینہ

۶۶۴ جواہر الوان: لون کی جمع بمعنی رنگ، رنگ برنگ کے جواہرات

۶۶۵ دَدّا: وہ عورت جو بچوں کی پرورش کے لیے نوکر ہو

۶۶۶ بُخور: وہ چیزیں جن کے جلانے سے خوشبو نکلتی ہے، لوبان

۶۶۷ میمون: مبارک

۶۶۸ زَبرجَد: ایک قسم کا زمرّد

۶۶۹ مسطور: سطر بند، لکھا ہوا

۶۷۰ چارقب: بادشاہوں اور امرا کا ایک طرح کا صدری نما لباس

۶۷۱ چگونگی: اصلیت، حقیقت، کیفیت

۶۷۲ تکاسُل: کاہلی، سستی

۶۷۳ فیض دَرجت: اعلیٰ مقام، بلند مرتبہ

۶۷۴ پویہ: تیز، سرپٹ، گھوڑے کی چال

۶۷۵ اَعمیٰ: نابینا، اندھا

۶۷۶ مُستمَند: ضرورت مند

۶۷۷ مُستجاب: جواب دیا گیا، قبول

۶۷۸ سائر: سیر کرنے والا

۶۷۹ تعدّی: حد سے تجاوز کرنا، ظلم و ستم اور چیلنج کرنا

۶۸۰ گوسفند: بھیڑ

۶۸۱ مَصیر: جائے بازگشت، ٹھکانا

۶۸۲ کجاوہ: سواریوں کے بیٹھنے کے لیے اونٹ کی کمر کے دونوں طرف لٹکے ہوئے ہودے یا ٹوکرے کی وضع کی نشستیں، جن میں ایک، دو یا زیادہ سواریاں بیٹھ سکیں۔

۶۸۳ محن و سوز: محن، محنت کی جمع بمعنی تکلیف، محنت، سوز بمعنی دکھ، جلن، سوزش

۶۸۴ جنّیاں: جنی کی جمع جنہ ہے، بہت سے دیو اور پریوں کے معنی میں ہے۔

۶۸۵ نکال: عذاب، رنج، دکھ

۶۸۶ رُجولیت: عضو تناسل، قوت تولید، مجامعت کرنا

۶۸۷ اَندک: تھوڑا، ذرا

۶۸۸ شَنیع: بد، خراب، قبیح

۶۸۹	جَہندہ:	کودنے والا، پھاندنے والا
۶۹۰	ابرِ تیرہ:	سیاہ بادل، کالی گھٹا
۶۹۱	جَریان:	جاری ہونا۔ نفاذ
۶۹۲	مُتَضمن:	داخل کیا ہوا
۶۹۳	تَوام:	جڑواں
۶۹۴	سَوگند:	قسم،، قول
۶۹۵	مُتَحَصَّن:	قلعہ نشین کیا ہوا، قلعہ نشین ہونے والا
۶۹۶	صَفاً صفاً:	بے نشان، ویران
۶۹۷	مَعاذب:	تکلیف دینے والا

✓

نوٹ: اس فرہنگ کی تیاری میں درج ذیل لغات سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔ فرہنگ آصفیہ: سید احمد دہلوی	۴۔ فرہنگ امثال: سید مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ، ۱۹۸۵
۲۔ نور اللغات: نور الحسن نیز کاکوروی	۵۔ مصباح اللغات
۳ ۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) کراچی	۶۔ کلاسکی ادب کی فرہنگ (پہلی جلد): رشید حسن خاں
۷۔ المنجد	

عربی اقوال : تشریح / وضاحت

بہ اعتبار صفحہ نمبر

۲۳ كُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا

معنی: ہر کام کا وقت مقرر ہے۔

۲۴ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا وَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

معنی: پس ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے یعنی خوشحالی کی فراوانی زیادہ ہوتی ہے۔

۲۵ فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْ مِنَ الْحِكْمَةِ

معنی: دانش مند کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

۶۱ اَلْكَرِيْمُ اِذَا وَعَدَ وَفَا

معنی: کریم جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے

۶۱ اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَب

معنی: حکم ادب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

۶۹ اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّب مِنَ الْخَطَاءِ وَ النِّسْیَانِ

معنی: آدمی خطا اور بھول کا مرکب ہے۔

۸۱ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھْوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ

معنی: لوگوں کے لیے عورتوں کی شہوانی محبت کو مزین کیا گیا ہے۔

۹۵ اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں

۹۶ اَلْعُرْوَۃُ الْوُثْقٰی

معنی: مضبوط کڑا ر کڑی

۹۹ اَلْمَاضِیْ لَایُذْکَرُ

معنی: ماضی کو یاد نہیں کیا جاتا یعنی ماضی کو بھلا دینا ہی اچھا ہوتا ہے۔

۱۱۲ اَلتَّکْلِیْفُ حَرَامٌ

معنی: تکلیف دینا حرام ہے یعنی کسی کو پریشان کرنا روا نہیں خاص طور پر ایک درویش کے لیے

۱۱۲ اَلسَّخِیُّ حَبِیْبُ اللّٰہِ وَلَوْ کَانَ فَاسِقًا

معنی: سخی آدمی اللہ کا محبوب ہوتا ہے خواہ وہ فاسق ہو۔

۱۲۰ فَضَّلْنَا بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ

معنی: ہم نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

۱۲۸ اَلْحَقُّ مُرٌّ

سچ کڑوا ہوتا ہے

۱۶۰ اَلنَّصِیْبُ وَ النَّصِیْفُ

معنی: جو نصیب میں ہو اور آدھا یعنی کم از کم آدھا مل جائے باقی جو نصیب میں ہو۔

۱۶۹ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

معنی: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

۱۷۹ اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ

معنی: انتظار موت سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

۱۸۴ اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ

معنی: صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

۲۲۱ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِيْن

معنی: ظالم لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

۲۳۷ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الْمِنَّةِ

معنی: تمام تعریف اللہ کے لیے ہے اور (اسی کا) احسان ہے۔

✓

فارسی ضرب الامثال، اقوال، اشعار اور عبارات
تشریح / وضاحت
بہ اعتبار صفحہ نمبر

۲۴
نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن
نہ اُگلا جائے نہ نگلا جائے۔

۲۵
چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند
ویسا بھی نہیں رہا اور ایسا بھی نہیں رہے گا یعنی دنیا میں کسی حالت کو قرار نہیں، جب عیش و عشرت کے دن نہ رہے تو مصیبت کے بھی نہ رہیں گے۔

۴۵
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد
خوش نصیبوں کا چراغ کبھی گل نہیں ہوتا یعنی جب تک قسمت کسی کا ساتھ دیتی ہے اس وقت تک اس کے تمام کام بارونق رہتے ہیں۔

۵۶
زر کار کند و مرد لاف زند
روپیہ کام کرتا ہے اور آدمی ڈینگ مارتا ہے

۵۸ حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر

دام ہم رنگ زمیں بود گرفتار شدم

میں سبزی کی خوبصورتی اور یک رنگی سے جال میں پھنسا کیونکہ زمین اور جال یکساں رنگ کے تھے۔

۵۸ چرا خود را اسیر غم زفکر بیش و کم داری

کہ نہ گزارد ترا محتاج ایزد تا کہ دم داری

مشو بے دست و پا از مفلسی و بے کسی ہرگز

مگر نشنیدۂ بیدل خدا داری چہ غم داری

کم وبیش کی فکر میں کیوں رہتے ہو وہ یعنی خدا تجھے کسی کا محتاج نہیں رکھے گا۔ پریشانیوں میں مایوس مت ہونا کہ بیدل نے کہا تھا کہ خدا ہے تو سب کچھ ہے۔ یعنی جو خدا پر بھروسہ رکھتا ہے اسے کوئی فکر نہیں ہوتی

۶۰ آنچہ در بغداد است گرد سر خلیفہ

سارا بغداد خلیفہ کا محکوم ہے۔

۶۰ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

جس جھوٹ میں کوئی مصلحت شامل ہو وہ اس سچ سے اچھا ہے جس سے کوئی فساد اٹھ کھڑا ہو

۶۳ گوشت خر و دندان سگ

گدھے کا گوشت اور کتے کے دانت یعنی جیسی جنس ویسے خریدار۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔ جیسے کو تیسا۔

۶۴ رفتن به ارادت و آمدن به اجازت

آنا اپنی مرضی سے جانا ہماری مرضی سے۔ اگر چہ یہ مثل اس طرح مشہور ہے:

آمدن به ارادت، رفتن به اجازت

۶۵ در مست و دیوار مست

نہایت سکون اور عیش ہونا

۶۹ مارا چه ازین قصه که گاؤ آمد و خر رفت

مجھے اس سے کیا کہ کون آیا اور کون گیا۔ کسی معاملہ سے بے تعلقی ظاہر کرنے کے لیے یہ مصرع پڑھتے ہیں

۷۱ چون گوش روزه دار بر اللّٰه اکبر است

جس طرح روزہ دار کے کان اللہ اکبر پر لگے ہوتے ہیں یعنی جس طرح روزہ دار مغرب کی اذان کا انتظار کرتا ہے۔ اس مصرع سے سخت انتظار کی حالت دکھانا مقصود ہے۔

۷۱ گل بی رخ یار خوش نه باشد
بی باده بهار خوش نه باشد

محبوب کے بغیر پھول بے کار ہے جیسے شراب کے بغیر بہار

۷۵ اختلاط پیش از آشنائی چه معنی

پہلی ہی ملاقات میں سب نہیں ہو جاتا۔

۸۲ بایں شوراشوری وبایں بی نمکی

یا تو وہ جوش و خروش تھا یا اب بالکل ٹھنڈے پڑ گئے۔

۸۲ اوخویشتن گم است که را رہبری کند

وہ خود بھٹکا ہوا ہے کسی کو راستہ کیا بتائے گا۔

۸۳ قول مرداں جان دارد

مرد کا قول جان رکھتا ہے یعنی مرد جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔

۸۶ عشق و مشک را نتواں نہفتن

عشق و مشک چھپائے نہیں چھپتے۔

۸۹ از گرفتاری چشم است گرفتاری دل

سبب چشم بود موجب لاچارئ دل

دل کا راستہ نگاہوں سے ہو کر جاتا ہے، دل کے مقید ہونے کی وجہ آنکھ ہے۔

۸۹ ناز بر آں کن که خریدار تست

ناز اس سے کر جو تیرا خریدار ہو یعنی وہی شخص کسی کے ناز اٹھا سکتا ہے جس کے دل میں اس کی محبت یا عزت ہو۔

۹۳ سنگ آمد و سخت آمد

پتھر آیا اور بڑی زور سے آیا۔ یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی ناگوار واقعہ ہو جاتا ہے یا کوئی سخت مصیبت آپڑتی ہے۔

۹۴ گر بظاہر به کسی خلق نکو خواہی کرد

مشوح باما توچه کردی که به او خواہی کرد

اگر دکھاوے کے لیے کسی سے نیکی کی تو یاد رکھو وہ بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی کرے گا۔

۹۴ این زماں جائے تو در دیدۂ مردم شده است

روئے زیبائے تو از دیده ماگم شده است

آج کل تم لوگوں کی نگاہوں کا تارہ بن گئے ہو، ہماری آنکھوں کو تمہارا حسین چہرہ دیکھنے کو نہیں ملتا۔

۹۴
ترببت نا اہل را چوں گردگاں بر گنبدست

نالائق کو تعلیم دینا گنبد پر اخروٹ رکھنا ہے جس طرح گنبد پر اخروٹ ٹھہر نہیں سکتا اسی طرح نا اہل پر تعلیم کا اثر باقی نہیں رہ سکتا۔

۹۳
کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

ہر چیز اپنی ہم جنس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اعلیٰ اعلیٰ کی طرف، ادنی ادنی کی طرف

۱۰۹
ہر چہ نصیب است بہ تو می رسد

قسمت کا لکھا مل کر رہے گا۔

۱۰۹
خنک آں کس کہ گوئے نیکی برد

جو شخص نیکی کرتا ہے اس کا شمار بھلے لوگوں میں ہوتا ہے۔

۱۱۲
عطائے تو بہ لقائے تو

تیری دی ہوئی چیز تیرے منہ پر۔ اگر کوئی شخص کسی کو بہت بری چیز دے اور وہ اس دینے والے کے منہ پر کھینچ کر مارے تو یہ واقعہ بالکل اس فقرہ کے مطابق ہوگا مگر یہ فقرہ ایسے موقع پر بولا جاسکتا ہے جہاں کوئی شخص کسی کی دی ہوئی چیز نا خوشی کے ساتھ واپس کردے۔

۱۱۲
می روم از در تو باز بہ تو رو نہ کنم
گردرت قبلہ شود سجدہ بہ آں سو نہ کم

تیرے در سے جانے کے بعد واپس نہ آؤں گا چاہے قبلہ بن جائے تب بھی۔

۱۱۲
خرقہ پوشی است خودنمائی نیست
عشق بازی است میرزائی نیست

خرقہ پوشی (تصوفانہ لباس) خودنمائی نہیں ہے ۔ عشق ایک کھیل ہے میرو میرزا کا (ہوسناک) کام نہیں

۱۱۵ مطلب مرد مسافر به جهاں دیدار است
ورنه نعمائے الہی به جهاں بسیار است

مسافرِ دنیا کا مقصد دنیا کا دیدار ہے ورنہ خدا کی نعمتیں تو شمار بھی نہیں کی جاسکتی ہیں۔

۱۱۵ ماخود به گرد دامن مردی نمی رسیم
شاید که گرد دامن مردی به ما رسد

میں کسی کے دامن کی گرد تک نہ پہونچا مگر شاید اس کی گرد مجھ تک آپہنچے۔

۱۱۶ دریا دلیم ودیدۂ ما معدن در است
گردست ما تہی است ولی چشم ما پرست

میرا ولی دریا اور میری آنکھ دروں کی کان گرچہ میرا ہاتھ خالی ہے مگر آنکھ پُر۔

۱۱۶ گیرم که سریرت از بلور و ریشم است
سنگش داند ہر آں که او را چشم است
این مسند قاقم و سمور سنجاب
دردیده بوریا نشیناں پشم است

مانتا ہوں اس کی آرام گاہ بہت خوبصورت ہے مگر اس کی بے اعتنائی، ہر اعتنا کرنے والے کو جانتی ہے یہ تخت وتاج زریں بوریا نشیں صوفیوں کی نگاہ میں بے قیمت ہیں۔

۱۱۶ خوش آمدی و خوش آمد مزار آمدنت
ہزار جان گرامی فدائے ہر قدمت

آپ کا مزار آنا آپ کو مبارک ہو اس سفر میں اٹھے ہر قدم پر ہزاروں جان فدا

۱۱۷ ماتنک ظریفاں حریف این قدر سختی نه ایم
دانۂ اشکم مارا گردش چشم آسیاست

ہم تنک مزاج لوگ سختی کے اتنے دشمن نہیں، ہماری آنسوؤں کا قطرہ، کائنات کی چشم کا تحرک ہے۔

۱۱۸ جام جہاں نما است ضمیر منیر دوست
شوق مشتاق، آرزو مشتاق، جان مشتاق تست
این چنیں ساماں که دارد غیر مشتاق شما
اظہار احتیاج در آنجا چه حاجت است

میرے دوست کا روشن ضمیر جام جہاں نما ہے۔شوق،شوق میں مبتلا ہے، آرزو بھی مشتاق ہے اور جان بھی تیری مشتاق ہے۔ یہ سارا سامان سوائے تیرے چاہنے والے کے کس کو میسر ہے۔وہاں پر ضرورتوں کا اظہار لازمی نہیں ہے۔

۱۱۹ آرزو دارم که خاک آں قدم
توتیائے چشم سازم دم به دم

میری آرزو ہے کہ اس کے پیروں کی خاک بن جاؤں تا کہ ہر لمحہ (اس مٹی کو) اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتا رہوں۔

۱۱۹ ما برفتیم و تودانی و دل غم خورِ ما
بخت بد تا به کجا می برد آب و خور ما

ہم چلے گئے، تجھے معلوم ہے، اور ہمارا غم خوار دل بھی یہ جانتا ہے اور تو جانتا ہے۔ یہ میری قسمت کہ ہمارا آب ودانہ کہاں کہاں لے جائے، ہم کچھ نہیں جانتے۔

۱۲۰ اے جواں بیاد بہ نشیں ،خوش آمدی وصفا آوردی
بارے پیغام خواستگاری ملکه ما کردی

اے جوان آؤ، بیٹھو، خوش آمدید، تم محبت اور پاکی لائے ہو، تم نے ہماری ملکہ سے شادی کا پیغام بھیجا ہے۔

۱۲۰ ایں خورد و بزرگاں که ہم انسانند
در دست زماں ہم چو انگشتانند
امروز اگر بلند و پستی دارند
فردا که بخوانند ہمه یکسانند

یہ چھوٹے بڑے سب انسان ہیں اور زمانے کے ہاتھوں میں انگلیوں کی طرح ہیں۔ آج اگر یہ اونچ نیچ نظر آ رہی ہے تو ممکن ہے کہ کل یہ کوئی کہے کہ سب برابر ہیں۔

۱۲۰ اشتیاقے که به دیدار تو دارد دلِ من
دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

وہ شوق جو میرے دل میں ہے، تیرے دیکھنے کے لیے ہے، وہ تو میں جانتا ہوں، میرا دل جانتا ہے اور بس۔

۱۲۱ ہست ایں قصه داستانِ عجیب
بہرۂ دار و ایں بیانِ عجیب
ہوش باید که نکته گوش کند
مرد باید که جرعه نوش کند

یہ قصہ ایک عجیب داستان ہے۔ یہ عجیب وغریب بیان بڑا اسودمند ہے۔ ہوش ہونا چاہیے لوگوں کو کہ کوئی نکتہ نکال سکیں اور ایک انسان کو چاہیے کہ وہ بس ایک گھونٹ پینے والا ہو۔

۱۲۲ گوئی به زمیں ستاره آمد
یوسف به جہاں دوباره آمد

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر ستارہ اتر آیا ہے اور یوسف دوبارہ اس دنیا میں آ گئے ہیں۔

۱۲۳ دیده از دیدنش نگشتی سیر
ہم چناں کز فرات مستسقی

آنکھیں اس کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں جیسے فرات سے ایک پیاسا کبھی سیراب نہیں ہوتا۔

۱۲۳ چوں ازیں سر تا بہ آں سر

یہاں سے وہاں تک

۱۲۴ اگر ایں شرط بجا آوری بہ مطلب رسیدی واِلّا آنچہ دیدی از خود دیدی
اگر مطلب تک پہنچے کی یہی شرط ہے تو جو کچھ آپ نے دیکھا بس خود ہی دیکھا۔

۱۲۴ احد السامع المناجات
صدا کافی المہمّات
ہیچ پوشیده از تو پنہاں نیست
عالم السّر و الخفیات
ہر دعائی که می کنم شب و روز
استجب یا مجیب الدعوات

وہ ایک جو دعاؤں کا سننے والا ہے، تمام مشکلوں کو دور کرنے میں کافی ہے، کوئی چیز چھپی ہوئی تجھ سے پنہاں نہیں، یہ دنیا رازوں اور پوشیدہ چیزوں کی دنیا ہے، ہر دعا جو میں رات دن کرتا رہتا ہوں، اے دعاؤں کو سننے والا خدا، ان دعاؤں کو بھی قبول کر لے۔

۱۲۵ این کہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

خداوندا یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں جاگتے میں دیکھ رہا ہوں یا سوتے میں۔ اکثر جب کوئی اچھی بات خلاف توقع ہو جاتی ہے تو یہ مصرع پڑھتے ہیں۔

۱۲۵ گل سرخش چو عارض خوباں

سنبلش ہم چو زلف محبوباں

اس کا لال پھول، خوبصورت لوگوں کے چہرے کی طرح ہے اور اس کی زلف بھی پھولوں کے سنبل کی طرح ہیں۔

۱۲۷ اگر فردوس، برروئے زمیں است

ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

اگر زمین پر کہیں جنت ہے تو وہ یہی ہے یہی ہے یہی ہے۔ یہ شعر کسی پر فضا مقام یا کسی دلکش عمارت کی تعریف کے موقع پر آتا ہے۔

۱۳۰ کیمیاگر بہ غصہ مردہ بہ رنج

ابلہ اند و خرابہ یافتہ گنج

کیمیا گر کا غصہ ایسا ہی ہے جیسے کسی مردہ کو تکلیف کا احساس (جو نہیں ہوتا) مردے کو تکلیف پہنچانے کی کوشش ایسا ہی ہے جیسا کوئی احمق ویرانے میں خزانہ کی تلاش کر رہا ہو۔

۱۳۱ اے از نظر تو کار ماراست

آراستہ تو ہر چہ ماراست

اے وہ ذات جس کی ایک نگاہ ہمارا کام بنا دیتی ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے، وہ تجھی نے دیا ہے۔

۱۳۱ زہے طالع ، زہے دولت زہے بخت
که تشریف آورد چوں تو جہاں بخت

کیا کہنے ہیں قسمت کے اور کیا کہنے ہیں سعادت کے کہ تجھ جیسا خوش قسمت یہاں آیا ہے۔

۱۳۱ اے آمدنت باعث آبادی ما
ذکر تو بود زمزمۂ شادی ما
مارا چه بود تا نثارت سازیم
قربان سر تو باد آزادئ ما

تیرا آنا ہمارے لیے آبادی کا باعث ہے۔ ہماری کیا مجال کہ ہم تجھ پر کچھ نثار کرسکیں۔ تجھ پر تو ہماری آزادی قربان ہے۔ اس سے مہمان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

۱۳۳ ہر که در ایں عالم است روزی خود می خورد
واسطه خوش نماست ہفت کرم داشتن

جو اس دنیا میں ہے، اپنی قسمت کی روزی کھاتا ہے یہ ایک خوش نما صورت حال ہے، کہ یہ کرم اللہ کا بغیر کسی اجرت کے ہے۔

۱۳۳ شکر بجا آر که مہمان تو
روزی خود می خورد از خوان تو

شکر کرو کہ تمہارا مہمان، تمہارے دسترخوان سے روزی کھاتا ہے۔

۱۳۴ گاؤ سوار ہمچو رستم و اسفند یار نشه مستی

اسی عرصے میں وہ جوان گائے پر سوار، رستم و اسفندیار کی طرح مستی میں سرشار۔

۱۳۶ تہی دستان قسمت را چه سود از رہبر کامل

که خضر از آب حیواں تشنه می آرد سکندر را

قسمت کے تہی دستوں کو رہبر کامل سے کیا فائدہ جب کہ خضر سکندر کو آب حیات کے چشمے سے پیاسا لے آئے یعنی جن لوگوں کی قسمت میں محرومی و ناکامی ہے انہیں کسی کی مدد سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

۱۳۷ الٰہی درد مندی ده دل بے درد منداں را

که بے درداں نمی دانند حال درد منداں را

بے درد لوگوں کو دردمندی کا راستہ دکھا اس لیے کہ بے درد، دردمندوں کی تکلیف نہیں جانتے۔

۱۳۹ روضۂ ما و نہر ہا سلسال

دوخته سجع و طیرہا موزوں

آں پُر از لاله ہائے رنگارنگ

و ایں پُر از میوه ہائے گوناگوں

باد در سایه درختانش

گسترانید فرش بو قلموں

پانی کی نہریں، رواں دواں ہیں، ان پر پرندے چہچہار ہے ہیں، یہ رنگا رنگ پھولوں سے لدے ہیں اور مختلف میووں سے بھی بھرے ہیں، ان کے درختوں کے سائے میں ہوا نے رنگ رنگ کے فرش بچھا رکھے ہیں۔

۱۳۹ به زیر پیرہنش ہر که دید حیراں شد

چه دید خانه خرابی که دید عریانش

اس کے لباس کے نیچے جس کی نظر پڑی، حیران ہو گیا جس نے اس کو عریاں دیکھا، اس کا تو خانہ خراب ہو گیا۔

۱۴۱
رفتیم و داغ ہجر تو بردیم یادگار
بر یاد ما تو ہم دل خود درانگاہ دار
چلیے ہم یہاں سے گئے اور تیرے ہجر کا داغ یادگار کے طور پر لے گئے۔

۱۴۲
مہربانی ہائے لیلا کرد مجنوں را خراب
ورنہ ایں بیچارہ را میل گرفتاری نبود
لیلی کی مہربانیوں نے مجنوں کو خراب کیا ہے ورنہ اس بے چارے کو قید ہونے کی آرزو نہیں تھی۔

۱۴۳
سر نوشتے چو بد افتاد ز تدبیر چہ سود
کس بہ ناخن نہ کشاید گرہ پیشانی
اگر قسمت ہی بری ہے تو تدبیر سے کیا فائدہ، کوئی بھی اپنے ناخن سے پیشانی کی گرہ کھول سکتا ہے۔

۱۴۴
جوگی پسرے نہفتہ در خاکستر
دزدیدہ رخ لیلی و از مجنوں سر
در خاک فزوں شود جمالش آرے
آئینہ از خاک می شود روشن تر
ایک جوگی کے لڑکے نے خود کو مٹی میں چھپالیا، اس نے اپنا چہرہ لیلیٰ سے اور سر مجنوں سے پنہاں کرلیا، اس کا حسن مٹی میں دوبالا ہو جاتا ہے جیسے آئینے کو آپ مٹی سے صاف کریں تو زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔

۱۴۵ از فیض ہوا در تنم جاں آمد
یا قاصد خوش خبر ز ملک جاناں آمد
با دل گفتم اے اسیر غم و درد
خوش باش که شام غم بپا یاں آمد

یہ اس کی آرزو کا فیض ہے کہ میرے جسم میں جان آ گئی یا ایک اچھی خبر جو محبوب کے ملک سے آئی ہے۔ میں نے دل سے کہا اے غم و درد کے اسیر خوش ہو جا، غم و پریشانی کی رات ختم ہوئی۔

۱۴۵ رسید مژده که ایام غم نه خواہد ماند
کسے ہمیشه گرفتار غم نه خواہد ماند
فراق و ہجر دلا دم بدم نه خواہد ماند
ز یار رسم جفا و ستم نه خواہد ماند
چناں نماند چنیں نیزہم نه خواہد ماند

یہ خوش خبری آئی ہے کہ غم کے دن باقی نہیں رہیں گے اور یہ جو محبوب ظلم و ستم کرتا ہے، یہ رسم بھی ختم ہو جائے گی جب یہ صورت حال نہیں رہی تو یہ بھی نہیں رہے گی۔

۱۴۶ در فراق یار جوگی گشته ام
بہر آں دلدار جوگی گشته ام
میل دارد شاه من با جوگیا
زیں سبب لاچار جوگی گشته ام

میں یار کے فراق میں جوگی بن گیا، اس دلدار کے لیے جوگی کا لباس پہن لیا ہے چونکہ میرے بادشاہ کے تعلقات جوگیوں سے ہیں اس وجہ سے لاچاری میں جوگی بن گیا۔

۱۴۷ حب الوطن از ملک سلیماں خوش تر
خار وطن از سنبل و ریحاں خوش تر
یوسف که به مصر بادشاہی می کرد
می گفت گدا بودنِ کنعاں خوش تر

حب الوطنی سلیمان کے ملک سے بہتر ہے، وطن کے کانٹے بھی سنبل و ریحان سے اچھے ہیں، یوسف جو مصر میں بادشاہی کرتے تھے، حکم فرماں تھے، کہتے تھے کہ کنعاں کا فقیر ہونا بہتر ہے۔ جب وطن کی محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو یہ رباعی پڑتے ہیں۔

۱۴۸ من آنچه شرط بلاغ است با تومی گویم
توخواه از سخنم پند گیر خواه ملال

جو کچھ بتانے کی شرط ہے، میں تجھے بتا رہا ہوں، تو میری اس بات سے نصیحت حاصل کر یا اس سے رنجیدہ ہو۔

۱۴۹ ہرچہ از دوست می رسد نیکو است

دوست سے جو کچھ مل جائے وہی بہت اچھا ہے۔

۱۵۱ اے دوستان ز حال من زار بشنوید
از داستانِ ایں دل افگار بشنوید
ہر چند نیست منزلت و قدر بندہ را
آیا کشیدہ ام ز بس آزار بشنوید

اے دوستو، میرا حال زار سنو، اس زخمی دل کی داستان سنو، میری کتنی ہی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ لیکن میں نے کس قدر مصیبت جھیلی ہے، وہ سنو۔

۱۵۲ غزالے در ریاض جاں چریدہ
ز شوخی بر رخ صحرا رمیدہ
ایک غزال ہے جو میری زنگی کے باغ میں چرتا پھرتا رہا ہے اور شوخی سے میرے چہرے کے جنگل میں آنکلا ہے۔

۱۵۳ الہی بردرِمن نشیند و از رفقا بہرہ نہ بیند
میری چوکھٹ پہ بیٹھا رہے اور دوستوں سے اسے کچھ فائدہ حاصل نہیں۔

۱۵۴ بعد ازیں در عوض اشک دل آید بیروں
آب چوں کم شود از چشمہ گل آید بیروں
اس کے بعد آنسوؤں کے بجائے، آنکھوں سے دل ٹپکے گا اور دیکھ لو جب چشمے میں پانی کم رہ جاتا ہے تو پانی کی بجائے، مٹی آنے لگتی ہے۔

۱۵۵ رنگ حنا است برکف پائے مبارکت
یا خون عاشقانست کہ پامال کردۂ
آپ کے مبارک پیروں پر حنا کا رنگ موجود ہے یا یہ عاشقوں کا خون ہے جن کو تو نے اپنے پیروں سے پامال کیا ہے؟

۱۵۵ اے جواں کارعشق بازی نیست
عشق بازی مکن کہ بازی نیست
اے جوان یہ عشق کرنا کوئی کھیل نہیں ہے۔ عشق بازی نہ کرو کہ یہ کھیل نہیں ہے۔

۱۵۶ کہ آفت ہاست در تاخیر والبر ازیاں دارد
دیر کرنے میں بڑی مصیبتیں ہیں اور جو آپ سے کچھ توقع کرتا ہے اس کو آپ کے دیر کرنے کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے۔

۱۵۹ توہے رشک ماہ کنعانی ہنوز
تجھ کو ہے خوباں میں سلطانی ہنوز

تو ابھی بھی یوسف کے لیے رشک ہے، تو ابھی بھی حسینوں کا سلطان ہے۔

۱۵۹ دوستاں شرح پریشانی من گوش کنید
قصۂ بے سروسامانی من گوش کنید
داستان غم پنہانی من گوش کنید
باعث حیرت و حیرانی من گوش کنید
شرح ایں آتش جاں سوز نہفتن تاکی
سوختم سوختم ایں راز نہفتن تاکی

دوستو! میری پریشانی کا احوال سنو اور میری بے سروسامانی کا قصہ سنو۔ چھپے ہوئے غم کی داستان سنو، میرے حیران اور حیرت زدہ ہونے کی وجہ سنو۔ اس جاں سوز آگ کی وضاحت کو میں کب تک چھپائے رکھوں۔

۱۶۲ سلامت می رساند نا توانے
غریبی مبتلائے خستہ . جانی
کہ اے یار عزیز مہربانم
تمنائے دل و آرام جانم
مرا خود دل ز ہجرت غرق خون است
نمی دانم ترا احوال چون است

آسودگی، انسان کو کمزور کرتی ہے۔ انسان غریب ہو، تکلیف میں مبتلا ہو، خستہ جاں ہو تو اے میرے عزیز اور مہربان دوست تو میرے دل کی تمنا اور جان کا آرام ہے۔ تیرے ہجر کی وجہ سے، میں خون کی ندی میں غرق ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ تو کس حال میں ہے۔

۱۶۳ آئینه بروے دلکشا ے تو رسد
اے نورنگاه
ہم شانه به زلف مشک سا ے تورسد
مارا چه گناه
ماخاک شویم وسرمه منظور افتد
داغیمزرشک
دل خوں شده وحنا به پائے تورسد
سبحان الله

ہم خاک ہو جائیں، مقصد یہ ہے کہ اس طرح ہم تیری آنکھ کا سرمہ بن جائیں گے اور ہمیں اس وجہ سے خاک کی قسمت پر رشک آرہا ہے اور ہم جل رہے ہیں۔ میرا دل خون ہو گیا، اس امید میں کہ یہ تیرے پیروں کی مہندی بن جائے، سبحان اللہ۔

۱۷۱ قدرے گل بلبل بداند قدر جوہر جوہری

پھول کی قدر بلبل کو معلوم ہے اور جوہری کو جوہر کی۔ ضرب المثل اس طرح بھی ہے: قدرے گوہر شاہ داند یا بداند جوہری یا قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری۔ موتی کی قدر بادشاہ جانتا ہے یا جوہری جانتا ہے یعنی کسی چیز کی قدر وہی کر سکتا ہے جو اس کی خوبیوں سے واقف ہو۔

۱۷۲ دل ہارا به دلہارا هباشد
دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔

۱۷۵ آفریں باد بر ایں ہمت مردانۂ تو

تیری اس ہمت مردانہ پر آفرین۔ جب کوئی آدمی کوئی بڑا کام کرتا ہے تو اس کی تعریف میں یہ مصرع پڑھتے ہیں۔

۱۸۲ اگر جنگ جوئی بہ میدان در آئے
زما ہر کرا ملک بخشد خدائے
اگر تو جنگ جو ہے تو میدان جنگ میں آ، تو پھر جس کو خدا بخشے گا ملک اس کا ہوگا۔

۱۸۴ نہ ہر زن زن است نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد
ہر عورت عورت نہیں ہوتی، نہ ہر مرد مرد ہے، خدا نے بھی ہاتھ کی پانچوں انگلیاں یکساں نہیں بنائیں۔ یعنی بعض عورتیں مردوں سے بہتر ہیں اور بعض مرد عورتوں سے بدتر

۱۸۵ یکے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ
ایک تو ہماری جان و دولت کا نقصان اور دوسرے پڑوسی کی دشمنی مول لے لی۔

۱۸۶ وہ مرد جہاندیدہ۔ گرم و سرد زمانہ چشیدہ
وہ جہاندیدہ شخص جس نے دنیا کے نشیب و فراز دیکھے اور زمانہ کے سرد و گرم سے واقف ہے۔

۱۸۷ فرزند اگرچہ بے تمیز است
در چشمِ پدر بسی عزیز است
اولاد کیسی ہی بدتمیز ہے وہ باپ کی آنکھوں کا تارہ ہوتی ہے۔

۱۸۹ گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل
کہوں تو مشکل نہ کہوں تو مشکل۔ یہ مصرع اس وقت پڑھتے ہیں جب کوئی ایسی بات آ پڑتی ہے جو نہ کہتے بنتی ہے نہ چھپائے بنتی ہے۔

۱۹۰ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفل ہا
وہ راز کہاں چھپتا ہے جس سے محفلیں گرم کی جاتی ہیں یعنی جس راز سے بہت سے لوگ واقف ہو جاتے ہیں وہ چھپ نہیں سکتا۔

۱۹۲ ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند دیوانہ بہ کار خویش ہشیار
ہر کوئی اپنی مصلحت سے خوب آشنا ہے مثال کے طور پر دیوانہ (مگر) اپنے کام میں ہوشیار۔ بعض لوگ دیکھنے میں بے وقوف ہوتے ہیں مگر اپنے معاملات میں بڑے ہوشیار ہوتے ہیں۔ یہ مصرع ایسے ہی لوگوں کے لئے گیا ہے۔

۱۹۴ خوے بد را بہانۂ بسیار
بری عادت والے کو بہانہ کافی ہے۔ یعنی اگر کسی کو کوئی برا کام کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو وہ کسی نہ کسی حیلہ سے وہ کام ضرور کرتا ہے۔

۲۰۰ چہ چوں گور، ظالم تنگ وتیرہ
ز تاریکیش چشم عقل خیرہ
وہ کنواں ایسا ہی تاریک اور تنگ تھا جیسے ظالم کی قبر اور اس کی تاریکی سے ایک عقلمند کی آنکھیں چکا چوند تھیں۔

۲۰۲ انچہ دلم خواست نہ آں می شود
ہرچہ خدا خواست ہماں می شود
جو میرا دل چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا ہمیشہ وہ ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔

۲۰۷ دلم بردی و دلداری نہ کردی
غمم دادی و غمخواری نہ کردی
تو میرا دل لے گیا لیکن تو نے میری دلداری نہیں کی، تو نے غم دیا لیکن غم خواری نہیں کی۔

۲۰۷ مر او را رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی
اس کو میری یاد کب آئے گی وہ تو ایک قدیم اور دائمی ملک کا مالک ہے اور اس کی ذات غنی اور بے نیاز ہے۔

۲۰۸ و ہم جامے کہ با جانش ستیزد
که تا روز قیامت بر نه خیزد

میں اسے ایسا جام پلانا چاہتا ہوں جو اس کی جان سے لڑتا رہے تا کہ یہ قیامت کے دن تک اٹھ نہ سکے۔ اسی کے نشے میں مست رہے۔

۲۱۶ از ضعف بہ ہر جا کہ نشستیم وطن شد

کمزوری کی وجہ سے ہم جہاں بیٹھ گئے وطن ہو گیا یعنی ضعف کا یہ عالم ہے کہ بیٹھ کے اٹھنا مشکل ہے۔

۲۱۹ خودکردہ را علاج و درمانے نیست

اپنے کیے ہوئے کا کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اپنے ہی فعل سے نقصان یا تکلیف پہنچ جائے۔

۲۲۰ به قید زندگی ہر کس اسیر است
فکر آب و نانش ناگزیر است

ہر شخص زندگی کی قید میں گرفتار ہے اس لیے وہ آب و دانہ کی فکر سے آزاد نہیں ہے۔

۲۲۲ بگیر داین ہر در قُرّم ساقاں را

ہر اس شخص سے اس کی خطاؤں کا بدلہ لو۔

۲۲۶ بر تو ایں مجلس شاہانہ مبارک باشد
ساقی و مطرب و پیمانہ مبارک باشد

تجھے یہ شاہانہ مجلس مبارک ہو، ساقی، مطرب اور پیمانہ مبارک ہو۔

۲۳۰ جز بدرگاہت کجا آرم نیاز
آستانت قبلۂ آمال ماست

میں سوائے تیری چوکھٹ کے کہاں سر نیاز جھکاؤں تیرا آستانہ ہماری آرزوؤں کا قبلہ ہے۔

۲۳۴ نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بساکیں دولت از گفتار خیزد
درآید جلوۂ حسن از رہ گوش
زجاں آرام برباید زدل ہوش

عشق صرف دیکھنے سے ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گفتگو سے محبت کا اظہار ہوجاتا ہے۔ اگر کہیں حسن کا جلوہ میرے کانوں سے میرے اندر داخل ہوجائے تو میری جان کا آرام اور میرے دل کا ہوش چرا کر لے جائے۔

۲۳۵ دیو بہ گریزد ازاں قوم کہ قرآں خوانند

جولوگ قرآن پڑھتے ہیں ان سے شیطان بھاگتا ہے۔

۲۳۷ مارا از خاک کویش پیراہن ست برتن
آں ہم زآب دیدہ صدچاک تابہ دامن

ہم نے اس کی گلی کی مٹی کو اپنا لباس بنالیا ہے وہ بھی ایسا لباس جو آنکھوں سے جاری آنسوؤں کے باعث جگہ جگہ سے پھٹ گیا ہے۔

۲۳۸ کے از دست خواہم رہا کردنش
کنونم کہ باشد بہ کف دامنش

میں کب یہ چاہوں گا کہ اسے اپنے ہاتھ سے چھوڑ دوں ابھی تو صرف اس کا دامن ہی میرے ہاتھ میں ہے۔

۲۳۹ صلاح ما ہمہ آنست کاں صلاح شماتست

ہماری بہتری اسی میں ہی جس میں تمہاری بہتری ہے۔

۲۳۹ قسم بجانت کہ برنہ دارم سر ارادت زخاک آں پا

تیری جان کی قسم کہ کسی بھی حالت میں ارادت کے سبب میں تیرے آستانے سے سر نہیں ہٹاؤں گا۔

۲۴۵ چشم ترحم ز تو داریم ما
قبله توئی رو به که آریم ما
حاجت ما از تو بر آید تمام
دامنت از کف نه گزاریم ما

ہم تجھ سے لطف و مہربانی چاہتے ہیں تو ہمارا قبلہ ہے اس لیے ہم کس کی طرف دیکھیں، ہماری حاجت تو تو ہی پوری کر دیتا ہے تو اب ہم تیرا دامن کیسے ہاتھ سے چھوڑ دیں۔

۲۴۸ یا الٰہی دعاے خستہ دلاں مستجاب

اے اللہ تو ہم پریشان حالوں کی دعا قبول فرما۔

اردو محاورے، ضرب الامثال، روزمرہ

بہ اعتبار صفحہ نمبر

۴۱ گو نے سبقت لے جانا
آگے بڑھ جانا

۴۷ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو جانا
گہری دوستی کا ہو جانا، جگری دوستی، قلبی دوستی

۵۷ عہدہ بر آ ہونا
کسی کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینا

۷۵ مینڈکی کو بھی زکام ہوا ہے
یعنی ناشدنی بات ہوئی۔ اس کو بھی یہ حوصلہ ہوا۔

٨٧ **زمین سخت و آسمان دور**

زمین سخت ہے اور آسمان دور ہے۔ یہ فقرہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شخص
٩٠ کے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہ ہو یعنی اگر زمین سخت نہ ہوتی تو وہ اس میں سما جاتا اور
اگر آسمان دور نہ ہوتا تو وہیں جا کر پناہ لیتا۔

جگ نہ پھوٹے

پھوٹ نہ پڑے، نا اتفاقی نہ ہو

١٠٠ **ہر ایک روز عید تھا اور ہر ایک شب برات**

زندگی کا مسرت سے گزرنا۔

١٠٩ **بارہ برس پیچھے روزہ کھولا، تو چر کین سے**

کسی اچھے کام کا آغاز بھی کیا تو برے طریقے سے

١١٠ **نیکی برباد گنہ لازم**

یہ فقرہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کا احسان نہیں مانتا بلکہ الٹا اس سے کچھ شکایت کرتا ہے یا اس پر کوئی الزام لگاتا ہے۔

١١٠ **عرش پہ جھنڈا گاڑا ہے**

بہت رعب والا کام کرنا، شیخی بگھارنا

٢٠١ **بگلا مارے پکھنا ہاتھ**

بے سود کام کرنا (چونکہ بگلے میں گوشت بہت کم ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے مارنے سے سوائے پروں کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

٢٠٨ **اوچھی پونجی خصمی کھائے**

کم مائیگی مالک کو ضرر پہنچاتی ہے۔

چند تالیفات ڈاکٹر ارتضیٰ کریم



ISBN 978-81-8042-303-1

NAUTARZE MURASSA

By: DR. IRTEZA KARIM